معمولات اہل سنت

میلاد شریف، ایصال ثواب اور سنت بیعت
کے عنوانات پر فاضلانہ تحریر

تصنیف

علامہ مفتی محمد گل رحمن قادری

مکتبہ قادریہ لاہور

معمولاتِ اہلِ سُنّت

میلاد شریف، ایصالِ ثواب اور سنّت و بدعت
کے عنوانات پر فاضلانہ تحریر

تصنیف

علّامہ مفتی محمد گل رحمٰن قادری

انگلینڈ

مکتبہ قادریہ ۰ لاہور

کتاب ________ معمولاتِ اہلِ سنّت
تصنیف ________ مولانا علامہ مفتی محمد گل رحمٰن قادری، برمنگھم
حرفِ آغاز ________ مولانا علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری
تصحیح ________ مولانا حافظ محمد شاہد اقبال نقشبندی
صفحات ________ ۳۲۸
تاریخ اشاعت ________ ماہِ صفر ۱۴۱۷ھ / جون ۱۹۹۶ء
مطبع ________
ناشر ________ مکتبہ قادریہ، جامعہ نظامیہ رضویہ، لوہاری منڈی، لاہور
قیمت ________ روپے

ملنے کے پتے

- مولانا علامہ مفتی محمد گل رحمٰن قادری مدظلہ، برمنگھم، انگلینڈ
- مکتبہ قادریہ، دربار مارکیٹ، لاہور
- مکتبہ ضیائیہ، بازار تلواڑاں، نزد سبزی منڈی، راولپنڈی

فہرست

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
۳۲	نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پیر کے دن اس لیے روزہ رکھتے کہ یومِ میلاد ہے۔	۶۴
۳۳	ازالۂ شبہہ	۶۶
۳۴	یہودی قومِ موسیٰ کو فرعون سے نجات ملنے کی خوشی میں عاشورہ کا روزہ رکھا کرتے تھے۔	۶۷
۳۵	یومِ ولادت مبارکہ عید کا دن ہے۔	۶۸
۳۶	قومِ عیسیٰ علیہ السلام کے لیے نزولِ طعام کا دن، یومُ العید ہے۔	۶۹
۳۷	ازالۂ شبہہ	۷۰
۳۸	میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منانے کے فائدے	۷۲
۳۹	ابُولہب کے عذاب میں تخفیف	۷۴
۴۰	ازالۂ شبہہ	۷۶
۴۱	ازالۂ شبہہ	۷۷
۴۲	ازالۂ شبہہ	۸۰
۴۳	نیک آدمی کی اچھی خوابیں نبوّت کا چھیالیسواں حصہ ہیں	۸۱
۴۴	حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خواب	۸۳
۴۵	حضرت ثابت نے شہید ہونے کے بعد خواب میں ایک آدمی کو چند باتوں کی وصیت کی۔	۸۵
۴۶	اذان کی موجودہ صورت خواب میں دکھائی گئی۔	۸۶
۴۷	ابن قیم کا خوابوں کے بارے میں تبصرہ	۸۸
۴۸	ازالۂ شبہہ	91

صفحہ نمبر	مضمون	نمبر شمار
۱۸۱	اچھے طریقے کی ایجاد پر ثواب ملتا ہے۔	۸۹
۱۸۴	ازالۂ شبہہ	۹۰
۱۸۵	اُمُورِ مُحْدَثَہ اور سنّت کی وضاحت	۹۱
۱۹۳	بدعت محمود اور بدعت مذموم	۹۲
۱۹۶	ایصالِ ثواب اور گیارھویں شریف	۹۳
۱۹۸	نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کا حکم	۹۴
۱۹۹	انفاق فی سبیل اللہ کا حکم	۹۵
۲۰۲	اللہ تعالیٰ کے راستے میں محبوب ترین چیز خرچ کرنی چاہیئے۔	۹۶
۲۰۵	دعا عبادت کا مغز ہے۔	۹۷
۲۰۸	دعائے ابراہیمی اور فوائد	۹۸
۲۱۱	شبہہ کا ازالہ	۹۹
۲۱۴	ایصالِ ثواب کے جواز پر ابنِ قیم کے دلائل	۱۰۰
۲۱۷	مالی اور بدنی عبادات کا ثواب پہنچتا ہے۔	۱۰۱
۲۱۹	عباداتِ بدنیہ کے ذریعے ایصالِ ثواب	۱۰۲
۲۲۲	اموات کے لیے دُعائے مغفرت کرنے کا فائدہ	۱۰۳
۲۲۳	اموات کو نماز، روزہ اور حج کا ثواب پہنچتا ہے۔	۱۰۴
۲۲۸	اہلِ قبور کو تلاوتِ قرآن کا ثواب پہنچتا ہے۔	۱۰۵
۲۳۱	کلمہ طیبہ، فاتحہ خوانی اور دُعاء و استغفار کا ثواب	۱۰۶
۲۳۲	دیوبندیوں کے امام محمد قاسم نانوتوی بھی ایصالِ ثواب کے جواز کے قائل ہیں۔	۱۰۷

حرفِ آغاز

نحمدہٗ ونصلّی ونسلّم علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہدایت اور راہنمائی کے لیے انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام کا طویل سلسلہ مبعوث فرمایا، سب سے آخر میں نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھیجا جن کی تشریف آوری کی بشارتیں جلیل القدر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام دیتے رہے، وہ نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جن کی نبوت و رسالت ناقابلِ تردید دلائل سے ثابت اور آفتاب نصف النہار سے زیادہ روشن ہے۔

یہود و ہنوز اور نصاریٰ کی شومئی قسمت اور ستم ظریفی یہ ہے کہ نہ صرف نبی الانبیاء حبیبِ کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لاتے، بلکہ اسلام دشمنی میں انصاف و دیانت کی تمام حدُود کو پھلانگ رہے ہیں۔ ایک طرف مقبوضہ کشمیر، بوسینیا، چیچنیا اور فلسطین میں مسلمانوں کا قتلِ عام کر رہے ہیں، عراق میں مسلمانوں کے قتل عام کے بعد باقی ماندہ مسلمانوں کو اقتصادی پابندیوں میں جکڑا ہوا ہے اور افغانستان کو خانہ جنگی کی بھٹی میں جھونک رکھا ہے تو دوسری طرف ٹیلی ویژن اور عریاں لٹریچر کے ذریعے مسلم امّہ پر یلغار کر رکھی ہے تاکہ مسلم نوجوانوں کا ذہن اِس طرح سفلی جذبات کی زد میں آجائے کہ وہ دین و ایمان سے بے بہرہ ہو جائیں اور جہاد فی سبیل اللہ کا تصور بھی اُن کے دلوں میں باقی نہ رہے۔

اِسلام کی تعلیمات سے دُوری کا نتیجہ یہ ہے کہ دوسرے ممالک کی طرح پاکستان میں بھی فسق و فجور اور لادینیت کا دَور دورہ ہے پُورے ملک اور خاص طور پر کراچی میں قتل و غارتگری کا سلسلہ خوفناک حد تک بڑھ چکا ہے حد یہ کہ قاتل مقتول کو نہیں جانتا اور مقتول قاتل کا شناسا نہیں ہوتا، اس کے باوجود لاشیں گرائی جا رہی ہیں اور قاتل قانون کی گرفت میں نہیں آ رہے۔

ان حالات میں ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اسلام کی حقانیت اور دین کی بنیادی تعلیمات

کی اشاعت پر اپنی توانائیاں صرف کریں، جہالت کے خلاف محاذ بنائیں فسق و فجور اور منکرات کے سدّباب کے لیے تقریر و تحریر کی صلاحیتیں بروئے کار لائیں لیکن دیکھنے میں یہ آرہا ہے کہ علماء کہلانے والا ایک طبقہ معاشرے میں پھیلی ہوئی بیشمار برائیوں کی طرف توجہ دینے کی بجائے مسلمانوں میں مروّج کارہائے خیر اور مستحسن امور کی تردید اور مخالفت کو دین کا اہم ترین فریضہ سمجھتا ہے، محفلِ میلاد بدعت، ایصالِ ثواب بدعت، گیارھویں شریف بدعت، غرض یہ کہ سوادِ اعظم اہلسنت و جماعت کے معمولات کی مخالفت کرنا ہی ان کا اوڑھنا بچھونا ہے، حالانکہ اعتدال اور امن پسندی کی راہ یہ ہے کہ جس کا دل چاہے ان معمولات کو ادا کرے اور جو نہیں چاہتا ادا نہ کرے۔

اِن مسائل پر علماء اہلسنت بڑے تفصیلی اور تحقیقی مقالات سپُردِ قلم کر چکے ہیں لیکن مخالفین آئے دن عوام الناس کو بہکانے کے لیے تحریر و تقریر کے ذریعے زیادہ تر پرانے اور کچھ نئے شوشے چھوڑتے رہتے ہیں، راقم کے پرانے دوست اور علماء برطانیہ میں سے ممتاز اور محقق عالمِ دین مولانا علامہ مفتی محمد گل رحمٰن قادری مدظلہٗ نے پیشِ نظر کتاب میں درج ذیل موضوعات پر فاضلانہ گفتگو کی ہے۔

۱۔ سنت و بدعت ۲۔ محفلِ میلاد شریف ۳۔ ایصالِ ثواب

فاضل مصنف نے اِس کتاب میں وسیع مطالعہ کا نچوڑ پیش کیا ہے، اندازِ بیان ناصحانہ اور مصلحانہ ہے، یوں معلوم ہوتا ہے کہ ایک استاذ اور مصلح پوری محبت اور ہمدردی کیساتھ قرآن و حدیث اور ارشاداتِ سلف صالحین کی روشنی میں مسائل قارئین کے ذہن نشین کرتا جا رہا ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریر میں اپیل کا عنصر واضح طور پر پایا جاتا ہے۔

مولانا مفتی محمد گل رحمٰن قادری اس سے پہلے "دینِ اسلام" اور "گستاخِ رسُول کی شرعی حیثیت" ایسی کتابیں لکھ کر اہلِ علم سے سندِ قبولیت حاصل کر چکے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی اس تصنیف کو بھی شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور عوام و خواص کے لیے نفع بخش اور معلومات افزا بنائے۔ آمین

محمد عبدالحکیم شرف قادری
جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

۲ر صفر ۱۴۱۶ھ
یکم جولائی ۱۹۹۵ء

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَا وَاجِبَ غَیْرُہٗ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہٗ

اَمَّا بَعْدُ

پیشِ خدمت

اسلام اللہ تعالیٰ کا آخری کامل مکمل ابدی دین ہے تمام خوبیوں کو شامل ہے اور ہر ضرورت کو پورا کرنے کے لیے جامع ہدایات ہے اور تمام ضوابط و قوانین کا تسلی بخش پروگرام ہے اور حیات کے تمام شعبوں کو حاوی ہے۔ حیات برزخی کے لیے رہنما ہے۔ نجات اخروی کے لیے ضامن و شاہد ہے۔

مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ جہاں کہیں ہوں وہ دینِ اسلام کے سفیر رہیں اور اپنے اسلامی ملک کا اپنے آپ کو نمائندہ سمجھیں اسلامی ملکوں کے حکمرانوں اور دانشمندوں سے مخفی نہیں کہ اسلام آخری دین ہے اس کا اول و آخر دشمن دوراول میں بھی تھے اور آج بھی نصاریٰ و یہود و ہنود کی لابی کئی شکلوں میں اسلام دشمنی کی مسلسل کوششیں کر رہے ہیں۔ مشرق ہو یا مغرب ان کے اختلافات ہمیشہ سیاسی نوعیت کے عارضی ہوتے ہیں اس لیے مشرق و مغرب جتنے آپس میں دور تھے اتنے ہی وہ قریب تر ہو گئے ہیں اور معاہدوں پر معاہدے کر گئے ہیں۔ روس امریکہ و یورپ حال ہی میں قیام امن اور باہمی دوستی کو استوار کر چکے ہیں وہ جانتے ہیں کہ مشرق و مغرب کے باہمی تصادم سے اسلام و مسلمانوں کو فائدہ پہنچے گا اور مسلمانوں کو مشرق و مغرب دونوں اپنا مستقل دشمن سمجھتے ہیں۔ مسلمانوں کو کمزور کرنے کا یہی واحد ذریعہ ہے کہ مسلمانوں کو آپس میں لڑائے اور ٹکرائے جائیں تاکہ اسلامی بلاک سیاسی، معاشی، دفاعی اور مذہبی بنیادوں پر مستحکم نہ ہو سکے اور یہ کہ مسلمان ان محاذوں پر مشرق و مغرب کے ساتھ مقابلہ کرنے کے

قابل بھی نہ رہ سکیں۔ مسلمان حکومتوں کی کمزوری اور باہمی تصادم و جنگیں جب تک قائم رہیں گی اس میں مشرق و مغرب کو امن بھی حاصل رہے گا، اقتصادی طور پر اپنا توازن بھی برقرار رکھ سکیں گے اور سیاسی و دفاعی محاذوں پر وہ مستحکم بھی رہیں گے۔ اور یہ ایک واضح حقیقت ہے جس کو ہر باشعور مسلمان شدت کے ساتھ محسوس کر رہا ہے۔ اسلامی تنظیم اور عرب لیگ کو چاہیئے کہ وہ اسلامی ممالک کے باہمی تمام اختلافات کو ہمیشہ کے لیے مٹا دیں جسکو اولیت حاصل ہے اور مضبوط دفاعی مشترکہ قوت کو بروئے کار لائیں دفاعی تمام ضرورتوں کو مشترکہ دفاعی قوت با اختیار منظمہ انجام دے۔ اور یہ تنظیمیں وحدتِ امتِ مسلمہ کو آخری شکل دیں۔ تاکہ کہیں سے اختلاف و انتشار کا فتنہ ظہور پذیر نہ ہو۔ دولت مشترکہ کے قیام کو یقینی بنائیں۔ اپنی تمام دولت اور ذرائع دولت کو مسلمان مملکتوں کے درمیان اقتصادی، معاشی، دفاعی اور اسلام کی سربلندی کے لیے عملاً معاون ثابت کریں۔

تمام ممالک کے علمائے کرام جو اہل تحقیق اور اہل رائے ہوں ان کی ایسی آزاد رہنما تنظیم ہو جس کو عالمی اسلامی سینٹ سمجھا جائے۔ ان کے تمام درست فیصلوں کو پورے عالم اسلام کے لیے آخری فیصلے کے طور پر تسلیم کیا جائے کسی ایک فرقہ یا کسی ایک ملک کے علماء کے فیصلوں کو پورے عالمِ اسلام کے لیے آخری وارننگ ــــــ اور حتمی فیصلہ نہ سمجھا جائے۔ اس ترقی کے دور میں ذمہ دار علمائے سینٹ کا بہتر کردار ادا کر سکتے ہیں۔ اور اس سے وحدت امت مسلمہ کا عملاً مداوا بھی ہو جائے گا۔ ورنہ غیر ذمہ دار فرقوں اور غیر ذمہ دار علمائے کے انتشار و اختلاف سے امت مسلمہ کا اتحاد قائم نہیں ہو سکتا ہے۔ اور نہ ہی غیر ذمہ دار تنظیموں کے فیصلوں کو ماننے کیلئے کوئی تیار ہوگا جس میں سے ایک مثال یہ ہے کہ ہم نے اسی قسم کے غیر ذمہ دار علمائے کے مضامین اور بیانات کو پڑھ سن کر بجائے اختلاف و انتشار کے سنجیدگی کے ساتھ اپنے ان .... مقالات میں چند مضامین .. دلائل کی روشنی میں پیش کئے ہیں۔ تاکہ ہر پڑھنے والا تشدد و بے جا فتویٰ بازی سے ہٹ کر دلائل کا اتباع کر کے مسلکِ اہلسنت کو سمجھے اور اپنی مجبوری کے باعث مسلک حق کو تسلیم نہ کرتے ہوئے کم از کم فرقہ واریت

کی بجائے خاموشی اختیار کرے اور امت مسلمہ کی اکثریت اہلسنت وجماعت سوادِ اعظم کو اپنے ناروا فتوؤں کا نشانہ نہ بنائیں۔ یہی انصاف پسندی اور اسلامی کارنامہ ہوگا کہ ہر فرقہ اپنے مسلک کو اپنے تک محدود رکھیں اور دوسری جماعتوں پر اپنا مسلک زبردستی نہ ٹھونسیں تاکہ جماعتوں اور فرقوں کے درمیان تعاون واتحاد کی راہیں کھلی رہیں۔

میں نے تشدد، گالی گلوچ اور شرک وبدعت کے تیر نہیں چھوڑے بلکہ ترفق و نرمیٔ اصلاح کے لہجے کو اپنایا۔ بمجبوری بعض جگہ اپنے مخالف مسلک کا نام بطور تعارف ذکر کیا ہے۔ اس ضروری تذکرہ میں کسی کو گرانے کا ارادہ شامل نہ تھا۔ یورپ میں مخالفانہ تشدد کے باعث یہ مقالات لکھے گئے ہیں ورنہ اس انداز بیان اور اختلافی مسائل کو نہ لکھتا۔ اپنا مزاج جائز اعتدال و اتحاد کا متمنی ہے

ان مقالات میں اکابرین اہلسنت وجماعت کی تحقیقات کو جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے ورنہ مجھے اپنے علم ناتمام پر بھروسہ نہیں۔

فیضان اکابرین کا ہے۔ رنگ وانداز اپنا ہے کئی جگہ پر اپنے انداز کی اپنی جدت و تحقیق بھی شامل ہے۔ یہ فیضان بھی اکابرین کا ہے۔ مقصودِ خیر باقی رہے تو جزوی جہد وسعی کو اختیار کیا جا سکتا ہے۔ اگر کہیں کمزوری ہوگئی ہو تو یہ میری اپنی غفلت ہوگی۔ نشاندہی کی تمنا رہے گی۔

اہلسنت وجماعت کا مسلک اعتدال و تحقیق رشد و ہدایت پر مبنی ہے۔

اس کی پیروی میں امن وسکونِ قلبی ملتا ہے اور نجاتِ اخروی کی ضمانت میسّر ہوتی ہے۔

وَمَاتَوْفِيْقِىْ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلَّام

خادمِ اہلسنت وجماعت (مفتی) محمد گل رحمٰن قادری عفی عنہ برمنگھم یو۔کے

میلاد شریف منانے کے مقاصدِ حسنہ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ○

فطرتِ انسانی کا یہ خاص امتیاز ہے کہ انسان ملی اور قومی تقریبات کو اجتماعی طور پر مناتے آرہے ہیں تہواروں کو منانے کی رسوم تاریخ انسانیت میں جاری رہی ہیں آج بھی اقوامِ عالم تقریبات کو ذوق وشوق سے مناتی ہیں۔ ان تقریبات کو منانے سے اجتماعی اتحاد کا احساس بیدار ہوتا ہے۔

اجتماعی تقریبات سے معلومات میں وسعت واضافہ ہوتا ہے اور عمل و نصب العین میں تازگی پیدا ہوتی ہے یہ بات تو حساس ذہن سے اوجھل نہیں کہ ہر قوم ہر ملت والے اپنے تہواروں کا باقاعدہ اہتمام کرتی ہے۔ یہ الگ بحث ہے کہ دوسرے اقوام عالم کی تقریبات میں اخلاقی ضابطے کی پابندی نظر نہیں آتی کیونکہ غیر مسلم اقوام جن مذاہب ونظریات کے حامل ہیں ان میں تہواروں کو منانے کے لیے قواعد کی پابندی کی رہنمائی نہیں پائی جاتی ہے۔ اسلام چونکہ کامل دین ہے انسانیت کے ہر دور کے لیے ہدایات اور قوانین لے کر آیا ہے جب کبھی مسلمان تہواروں اور تقریبات کی تیاریاں کرتے ہیں تو اخلاقی ضابطوں کی اسلامی ہدایتیں بھی ساتھ ساتھ پیش نظر ہوتی ہیں۔ اور ان کا خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ جن مصلحتوں اور مقاصد کے حصول کے لیے مسلمان تہواروں کو مناتے ہیں ان کو ایسا قدم نہیں اٹھانا چاہیئے جس کی اسلامی شریعت اجازت نہیں دیتی ہے۔

اسلامی تقریبات کو اس لیے بھی قائم رکھنے کا مقصد ہوتا ہے کہ تہواروں کی نسبت، جن اکابرین ملت کی طرف ہوتی ہے ان کے اسلامی بے مثال کارنامے اور ان کے بلند ترین حوصلے انمٹ استقلال اور ان کے خلوص خدمتِ خلق۔ انصاف۔ مساوات۔ حق گوئی۔ اعلیٰ مثالی کردار۔ شرک وکفر سے نجات دلانا۔ اور خالص آسمانی دین سے فیضیاب کرنا۔ وغیرہا سیرت وخصوصیات کی یاد تازہ ہوتی ہے نیز مسلمان اپنی کھوئی ہوئی عظمت

کو دوبارہ حاصل کرنے کی کوششیں بھی کریں اور اپنے اکابرینِ ملت کے نقشِ قدم پر چل کر ایمان کی پختگی اور اعمال کی شائستگی پا سکیں، ساتھ ساتھ عقیدت و محبت کے رشتہ کو مضبوط کر سکیں اور غیر مسلموں پر شوکتِ اسلام کا اظہار کیا جا سکے۔

مندرجہ بالا مقاصد بھی میلادُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریب سعید کے مقاصد میں سے ہیں۔ ان مقاصد کو پیش نظر رکھ کر کوئی شخص اہل شعور اور صاحب انصاف میلاد النبی کی تقریب کے منانے کو نہ بُرا کہہ سکے گا اور نہ ہی میلاد کے ذریعے ان مقاصد کے حاصل کرنے میں غفلت سے کام لے گا۔ یہ الگ بات ہے کہ ضد اور حسد جس دل و دماغ پر حکمران ہوں وہاں حقائق و شواہد منہ چھپائے رکھتے ہیں۔ ہم نے ۴ جنوری ۱۹۸۳ء کو روزنامہ جنگ لندن میں ایک بیان کے ذریعے میلاد شریف منانے کی اہمیت کو اور منانے کے طریقہ کو واضح کیا تھا اور اس کی شرعی حیثیت کو بھی بیان کیا تھا اس پر بعض اہل بدعت و تعصب نے حسبِ عادت موروثہ تعاقب کرنے کی ناکام کوشش کی تھی جسکے جواب میں ہم اس تحقیق کو تفصیل سے لکھ رہے ہیں۔

یاد رہے کہ ہمارے آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے شک اللہ تعالیٰ کی نعمتِ عظمیٰ اور رحمت کاملہ ہیں۔ بلکہ آپ کی ذات مقدسہ ہر نعمت کی اصل بھی ہیں اور ہر نعمت کا ذریعہ بھی ہیں۔ جس طرح رحمت کی حاجت ہوتی ہے اسی طرح رحمت کا شکر بجا لانا بھی ضروری ہوتا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے۔

وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ الآیۃ اور (یہ قبلہ کی تبدیلی) اس لیے کہ میں اپنی نعمت تم پر پوری کر دوں اور کسی طرح تم ہدایت پاؤ جیسا ہم نے تم میں بھیجا ایک رسول تم میں سے کہ تم پر ہماری آیتیں تلاوت فرماتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ قبلہ کی تبدیلی نعمت ہے جو کہ آپ کی خواہش پر واقع ہوئی اور اس سے بڑھ کر آپکی تشریف آوری بھی اعلیٰ نعمت ہے۔ دوسرے مقام پر اس طرح آیا ہے

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا الآیۃ

ترجمہ: بیشک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے۔

اس آیت کریمہ سے بھی معلوم ہوا کہ ہمارے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے عظیم الشان نعمت ہیں اور آپ کی تشریف آوری تمام نعمتوں سے بڑی نعمت ہے جس پر خداوند کریم نے احسان جتایا ہے اور اس آیت کریمہ میں نعمت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔

اَلَّذِیْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ کُفْرًا۔ (ترجمہ: کیا آپ نے نہیں دیکھا ان لوگوں کی طرف جنہوں نے بدل دیا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو ناشکری سے۔) آیت مبارکہ میں نعمت سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ نعمت اللہ سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کفار پر انعام فرمایا تو انہوں نے بجائے شکر کے بے قدری کی۔ (از تفسیر جامع البیان) تفسیر ابن کثیر میں بھی ہے۔ نعمت سے مراد جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ علامہ محمود آلوسی بغدادی حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نعمۃ اللہ سے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو مراد لیا ہے۔

وَالْمُرَادُ بِہِمْ اَھْلُ مَکَّۃَ فَاِنَّ اللّٰہَ سُبْحَانَہٗ اَسْکَنَھُمْ حَرَمَہٗ وَجَعَلَھُمْ قُوَّامَ بَیْتِہٖ وَاَکْرَمَھُمْ بِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَکَفَرُوْا نِعْمَتَہٗ سُبْحَانَہٗ (روح المعانی)

ترجمہ: مراد اہل مکہ ہیں۔ بیشک اللہ پاک نے انہیں اپنے حرم شریف میں سکونت بخشی اور انہیں اپنے گھر کا نگران بنایا اور انہیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عزت دی۔ انہوں نے اللہ پاک کی نعمت کی ناشکری کی) اور یہ واضح بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ورحمت ملنے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا اللہ ہی کا حکم ہے۔ فَاذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ وَاشْکُرُوْا لِیْ وَلَا تَکْفُرُوْنِ ۝

ترجمہ: میری یاد کرو میں تمہارا چرچا کروں گا اور (میرا حق مانو) شکر کرو اور میری ناشکری نہ کرو۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ نبی علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی نعمت عظمیٰ ہیں اسی لیے آپ کی تشریف آوری کو تمام نعمت قرار دیا گیا ہے اور آپ کی آمد پر اللہ تعالیٰ نے احسان جتایا ہے اور ہر نعمت ورحمت پر شکر کرنا خدائے کریم کا حکم ہے اور ناشکری کرنا خدا کی ناراضگی کا سبب ہے۔ لہذا آپ کی تشریف آوری پر شکر کرنا اور اسے منانا اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا ہے اور تشریف آوری پر شکر کرنے سے روکنا اسی میں خدائے پاک کی ناراضگی کو مول

لینے کے مترادف ہے اور مقاصد مذکورہ کے حصول سے بھی مسلمانوں کو محروم کرنا ہے۔

قرآن مجید میں آیا ہے۔ وَسَلَامٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا۔

ترجمہ ان پر اللہ تعالیٰ کا سلام ہے ان کی پیدائش کے دن اور ان کے وصال کے دن اور جب وہ میدان حشر سے اٹھیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بیان ہے مجھ پر اللہ تعالیٰ کا سلام ہے۔ میری پیدائش کے دن اور میرے وصال کے دن اور جب میں میدان حشر میں اٹھوں گا۔

اور یوم پیدائش، یوم وصال، یوم حشر ونشر کو قرآن پاک میں ایام اللہ بھی فرمایا گیا ہے اور حکم دیا ہے وَذَكِّرْهُمْ بِاَيَّامِ اللّٰهِ کہ ان کو ایام اللہ کی یاد دلاتے رہو۔

دن تو سب ہی اللہ کے ہیں مگر اللہ والوں کے دن اللہ ہی کے دن ہیں اور ایام اللہ سے نعمتیں بھی مراد ہیں اور ایام اللہ میں سب سے عظیم الشان یوم۔ میلاد النبی کا مبارک دن ہے کیونکہ تمام اعمال و برکات آپ کو ماننے پر اور آپ کی محبت پر موقوف ہیں اور ایمان و محبت آپ کی ولادت سے حاصل ہوئے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تھی۔ رَبَّنَا اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا۔ اے ہمارے رب ہم پر ایسا دسترخوان نازل فرما۔ جو ہمارے اگلوں کے لیے اور پچھلوں کے لیے عید بنے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دسترخوان آنے کے دن کو عید بنایا۔ کیا دسترخوان کے اترنے سے ہمارے نبی علیہ السلام کی تشریف آوری کم درجہ رکھتی ہے۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ آپ تو ہر نعمت اور صاحب نعمۃ کے لیے رحمت ہیں بلکہ ہر نعمت سے بڑھکر نعمۃ عظمیٰ ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ یعنی یاد کرو اللہ کی نعمۃ کو جو اس نے تم پر فرمائی اس آیت کریمہ میں نعمۃ اللہ سے مراد عام ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور آپ کی ذات کا نعمت اور رحمت ہونا قطعی عقیدہ ہے اور نعمت کا چرچا کرنا اور منانا اس آیت سے ثابت ہے۔ بلکہ اللہ کی نعمت کی یاد کرنا عبادت ہے اور حضور تو اعلیٰ نعمت ہیں۔ اس طرح آپ کی یاد بھی عبادت ہوئی کوئی پابندی نہیں آپ کی یاد چاہے اکیلا کی جائے یا اکٹھے مل کر یاد کی جائے وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ اور اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو

اس آیت کا مفہوم عام ہے ہر وہ نعمت جو قابل اظہار ہے۔
اس کا شکر کرنا اور اس کو ظاہر کرنا۔ بیان کرنا مامور ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر اور ان کا اظہار بھی شکر ہے (از قرطبی) حضور صلی اللہ علیہ وسلم خدائے پاک کے فضل و کرم و انعامات کا ذکر و فکر و اظہار فرمایا کرتے تھے احادیث کا ذخیرہ اس پر شاہد ہے جن میں آپ نے خداداد نعمتوں اور فضل و کرم کو بطورِ حقیقت اظہار فرمایا کیوں نہ ہو ہر حصول نعمت کا شکر واجب ہوتا ہے چاہے انفرادی شکل میں ہو یا اجتماعی انداز سے ہو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ملاحظہ ہو۔ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ اے ہمارے رب بھیج ان میں ایک برگزیدہ رسول انہیں میں سے۔ اس دعا کے مصداق ہمارے نبی علیہ السلام ہیں آپ نے خود بھی ارشاد فرمایا۔ اَنَا دَعْوَةُ اَبِىْ اِبْرَاهِيْمَ میں اپنے باپ ابراہیم کی دعاء ہوں۔ معلوم ہوا کہ آپ کی تشریف آوری کے لیے ابراہیم علیہ السلام کی دعا و آرزو تھی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت بھی آپ کی تشریف آوری کو بتا رہی ہے وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَّأْتِىْ مِنْ بَعْدِى اسْمُهٗ اَحْمَدُ اور اس رسول کی بشارت سناتا ہوا جو میرے بعد تشریف لائیں گے۔ ان کا نام احمد ہے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ نبی علیہ السلام کا ظاہری صورت میں جلوہ نما ہونے سے پہلے ہی آپ کی آمد کے چرچے تھے۔ آرزوئیں تھیں۔ بلکہ عالم ارواح میں باری تعالیٰ نے آپ کی رسالت پر ایمان لانے کے سلسلے میں انبیاء کرام کی ارواح مقدسہ سے عہد لیا تھا۔ اور آپ کی تشریف آوری پر مدد کرنے کا اقرار بھی انبیاء کرام سے نہایت اہتمام کے ساتھ لیا تھا۔ ملاحظہ کریں۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ

ترجمہ: اور یاد کرو جب لیا اللہ تعالیٰ نے انبیاء سے پختہ وعدہ جب میں تم کو کتاب اور حکمت دوں۔ پھر تشریف لائے تمہارے پاس۔ وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے تو تم ضرور بر ضرور اس پر ایمان لانا۔ اور ضرور اس کی مدد کرنا۔

ثابت ہوا کہ آپ کی تشریف آوری کے چرچے تو عالم ارواح سے چلے تھے اور انبیاء کرام سے

عہد وپیمان بھی لیے گئے کہ ان پر ایمان لانا اور ان کی مدد کرنا. حضرات انبیاء کرام عالم ارواح میں فطری ایمان لانے کے بعد دنیا میں آکر ایمان کے ساتھ ساتھ آپ کی بشارتیں دیتے گئے. اہل کتاب تو آپ کی تشریف آوری سے پہلے آپ کے نام کے وسیلے پکڑتے تھے. قرآن مجید میں آیا ہے وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا. اور اس سے پہلے وہ اس نبی کے وسیلہ سے کافروں پر فتح مانگتے تھے معلوم ہوا کہ آپؐ کے چرچے اور تذکرے اہل کتاب کی زبان پر جاری تھے. اور آسمانی کتابوں میں آپ کی تشریف آوری کا ذکر چلا آرہا تھا اور ہر زمانہ میں انبیاء کرام اپنی اپنی امتوں کو ہمارے نبی علیہ السلام کی جلوہ آرائی کی بشارتیں دیتے رہے. آپؐ کی تشریف آوری پر ایمان لانے کے معاہدے اور اقرار لینے کا ذکر اور حضرت ابراہیم کی دعا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت. آسمانی کتابوں کی شہادت (کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لانے والے ہیں) اور آمد مبارک کے چرچے. پہلے سے ہورہے تھے اور اظہار پر اظہار کیے جارہے تھے یہ سب تو مان لیے جائیں لیکن جب آپؐ ظاہری صورت میں تشریف لے آئے اس کے بعد اس پر تشکر منانے اور تشریف آوری اور ولادت مبارکہ کے تذکرے کرنے اور میلاد منانے کا انکار کرنا تعجب خیز علم ودانش ہے. قرآن پاک کی اس آیت کریمہ میں بھی آپ کی تشریف لانے کا ذکر آیا ہے.

قَدْ جَاءَكُمْ مِّنَ اللهِ نُورٌ وَّكِتَابٌ مُّبِينٌ (تحقیق آیا اللہ کی طرف سے نور اور روشن کتاب) دوسری جگہ اس طرح آیا ہے لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ (بیشک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں گذرتا ہے. ان آیتوں میں تشریف آوری کا ذکر ہے اور تشریف آوری کا ذکر ہی میلاد ہوتا ہے.

اسلام نے اہل کتاب کے اندر جو اچھی خوبیاں تھیں انہیں مٹایا نہیں بلکہ انہیں باقی رکھ کر اسے سراہا ہے. کیونکہ اسلام خوبیوں کے مجموعہ کا نام ہے اللہ تعالےٰ نے بنی اسرائیل کو ان نعمتوں کو یاد کرنے کا حکم دیا ہے جن نعمتوں کے ذریعے بنی اسرائیل کو فضیلت سے نوازا گیا تھا. اسی طرح بخاری شریف کی صحیح روایت ہے. حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے. تو یہودیوں کو عاشورہ کے دن روزہ رکھتے ہوئے دیکھا آپ نے پوچھا یہ روزہ کیسا ہے تو ان لوگوں نے کہا

یہ اچھا دن ہے۔ اسی دن اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ان کے دشمنوں سے نجات دلائی تھی۔ اس لیے حضرت موسیٰ نے اسی روزہ رکھا تھا۔ آپؐ نے فرمایا ہم تم سے زیادہ حقدار ہیں، چنانچہ آپ نے اس دن روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی اس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ دوسری روایت حضرت ابوموسیٰ سے ہے انہوں نے بیان فرمایا کہ یہودی عاشورہ کے دن کو عید سمجھتے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے فرمایا کہ تم بھی اس دن روزہ رکھو عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ فَرَءَى الْيَهُوْدَ تَصُوْمُ يَوْمَ عَاشُوْرَآءَ فَقَالَ مَا هٰذَا قَالُوْا هٰذَا يَوْمٌ صَالِحٌ هٰذَا يَوْمٌ نَجَّى اللّٰهُ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ مِنْ عَدُوِّهِمْ فَصَامَهُ مُوْسٰى قَالَ فَاَنَا اَحَقُّ بِمُوْسٰى مِنْكُمْ فَصَامَهُ وَاَمَرَ بِصِيَامِهِ۔

دوسری روایت یہ ہے۔ عَنْ اَبِيْ مُوْسٰى قَالَ كَانَ يَوْمُ عَاشُوْرَآءَ تَعُدُّهُ الْيَهُوْدُ عِيْدًا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصُوْمُوْهُ اَنْتُمْ (کتاب الصیام)

یوم عاشورہ کی فضیلت کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ اس دن قوم فرعون سے بنی اسرائیل کو ——— نجات ملی تھی اور اس نجات کی خوشی پر شکر اجتماعی طور پر منایا گیا اور ساتھ ہی روزہ کو برکت و شکریہ کی ادائیگی سمجھا گیا تھا اور یوم عاشورہ کو صرف روزہ تک محدود نہیں سمجھا گیا بلکہ اس دن کو عید بھی قرار دیا گیا تھا۔ اور اس یادگار کو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی منایا ساتھ ہی اس دن کو منانے کے بارے میں فرمایا کہ ہم تم سے زیادہ حقدار ہیں۔ اور نبی علیہ السلام نے اپنے تک محدود رکھ کر یادگار نہیں منایا بلکہ صحابہ کرام کو بھی حکم دیا کہ تم بھی روزہ رکھو۔ گویا اس طرح آپؐ نے صحابہ کرام کو بھی یادگار منانے کا حکم دیا۔ کتنی صاف بات ہے کہ بنی اسرائیل کی نجات ایک خوشی محدود انداز کی تھی اور اسے ہمیشہ کے لیے یہود مناتے گئے۔ ہمارے نبیؐ کی تشریف آوری تو بے پناہ نعمت عظمیٰ بھی ہے بلکہ تمام نعمتوں اور رحمتوں کے سرچشمہ اور منبع رحمت بن کر جلوہ افروز ہوئے لہٰذا میلاد کے دن کو عید و سرور و خوشی سمجھ کر کیوں نہ منایا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل سنت وجماعت میلاد کے روز خوشی مناتے ہوئے روزہ بھی رکھ لیتے ہیں اور اپنی اپنی استطاعت کے مطابق خدا کی دی ہوئی نعمتوں کو بلا امتیاز تقسیم بھی فرماتے ہیں اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ نعمتوں کے نزول کے اور

رحمتوں کے حصول کے دنوں اور راتوں کو منانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی سنت ہے اور اہل اسلام بھی انعام واکرام کے لیل ونہار کے منانے کو کارِ خیر اور امر مستحسن سمجھ کر مناتے ہیں اس میں ایصال ثواب بھی ہوتا ہے تشکر کی ادائیگی بھی ملحوظ ہوتی ہے اجتماعیت کا مفاد بھی مدنظر ہوتا ہے۔ اور تبلیغ اسلام کا پروگرام بھی پیش نظر ہوتا ہے۔ اور شوکتِ اسلام کو دلوں میں بٹھانا بھی مقصود ہوتا ہے اور اپنے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت واشتیاق کا اظہار بھی ملحوظ خاطر ہوتا ہے۔ نیز میلاد کے منانے میں عقیدۂ توحید پر خوشگوار اور دور رس نتائج کے اثرات پڑتے ہیں اور وہ اس طرح کہ عیسائیوں نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے چند معجزات کو پڑھ کر سن کر یہ نتیجہ اخذ کیا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کا پیدائشی اندھوں کو شفایاب کرنا اور مُردوں کو زندہ کرنا وغیرہ یہ ایسی خوبیاں ہیں جو خدا کی شایان شان ہی ہوسکتی ہیں۔ لہٰذا عیسٰی علیہ السلام کو خدا کا بیٹا سمجھنا اور ابن اللہ ہونے کا عقیدہ رکھنا حق ہے۔ اہل اسلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب رسولوں اور نبیوں اور ملائکہ وغیرہ سے افضل واعلیٰ جانتے اور مانتے ہیں۔ آپ کے معجزات تو بیشمار بھی ہیں اور ہر ایک معجزہ اعلیٰ سے اعلیٰ بھی ہے صرف قرآن پاک ایسا معجزہ ہے جو دائمی اعجاز ہے اور اس کے علاوہ آپ کی ظاہری وباطنی خوبیوں آفاقی اور انفسی معجزوں کی گہرائیوں کو پانا ناممکن ہے۔ ان خداداد کمالات کی موجودگی میں اُلوہیت کے ساتھ تشابہ کا امکان ہوسکتا تھا۔ میلاد کو منانے نے اس امکانِ تشابہ کو بھی عقلی طور پر ختم کردیا ہے کہ اے عقل ووہم کے پجاریو۔ تم نے اپنے بڑوں میں چند خوبیوں کو پاکر اپنے بڑوں کے بارے میں خدا ہونے کا عقیدہ اختیار کرلیا ہے حالانکہ تمہارے بڑوں میں خوبیاں بتارہی ہیں کہ یہ خوبیاں ان بڑوں میں خود سے نہیں ہیں بلکہ ان بڑوں کو اور ان کی خوبیوں کو پیدا کرنے والا اور عطا کرنے والا ایک خدا ہی ہے

قرآن پاک نے اس طرح کی جامعیت کو بیان کیا کہ کمالات کے سمندروں کو ایک جملہ میں بند کردیا ہے وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ اور ہم نے آپ کے لیے آپ کے ذکر کو بلند کردیا۔ گویا اللہ نے اعلان کردیا کہ اے دنیا والو تم نے سابقہ انبیاء کرام کے چند معجزات کو دیکھ کر ان کو خدا کے مشابہ یا خدا ہونے کا عقیدہ رکھ لیا ہے۔ جو سراسر ظلم عظیم ہے۔ آؤ میں نے اپنے آخری رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ تمام خوبیاں جو دی جاسکتی تھیں اور ان گنت معجزات اعلیٰ سے اعلیٰ آپ کو عطا کردیئے ہیں جن سے ہمسری نہیں ہوسکتی ہے

ان بے مثال کمالات کے باوجود وہ خدا نہیں ہو سکتے تو مخلوق کی دوسری ہستی ایسی کون ہے جس کے بارے خدا سے مشابہت کا گمان ہو سکے۔ اہل سنت وجماعت نے میلاد شریف منا کر اس عقیدہ کو اجاگر کر دیا کہ جس کی ولادت منائی جاتی ہے وہ تمام کمالات ممکنہ کے باوجود خدا نہیں بلکہ خدا کا پیدا کیا ہوا آخری پیارا رسول ہے صرف اس مقصد عظیم ہی کی خاطر میلاد منانا جواز کے لیے کافی ہے۔

یورپ میں کرسمس ڈے منائی جاتی ہے۔ اس سے ہماری نئی نسل پر بڑے بُرے اثرات بھی پڑتے ہیں ہماری نئی نسل ہم سے پوچھتی ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی پیدائش کا یوم منایا جاتا ہے اس کے مقابل ہم مسلمان اپنے رسول کی پیدائش کا یوم کیوں نہیں مناتے ہیں؟

اس سوال کے اندر کئی قسم کے شبہات پیدا ہو سکتے ہیں۔ مسلمان حکومتیں اور عام مسلمان میلاد شریف کو منا کر ان تمام شبہات کو دور کر جاتے ہیں جو نئی نسل کے دل و دماغ میں پیدا ہو سکتے ہیں یہی وجہ ہے کہ غیر مسلم ملکوں میں مسلمان میلاد منانے کا اہتمام کرتے ہیں اور بچوں اور بچیوں کے لیے پروگرام بناتے ہیں غور کریں اس جماعت کا کیا حال ہو گا۔ کہ میلاد کے روز گھروں اور مسجدوں کے حجروں میں مجرموں کی طرح چھپ کر اپنی بد عقیدگی پر سوگ مناتے ہیں۔ میلاد کو منانا دو طرح کا ہوتا ہے ایک وہ طریقہ ہے جو ہم نے بیان کیا جو اہل محبت مسلمان اپنائے ہوئے ہیں اور دوسرا طریقہ بد عقیدگی پر سوگ منانے کا ہے ہر کسی کا اپنا اپنا ذوق ہوتا ہے اس پر ہم گرفت یا کنٹرول نہیں کر سکتے ہیں کیونکہ آزادی ہر کسی کا حق ہے۔

نادانی کی انتہاء تو یہ ہے کہ منکرین میلاد اپنا عقیدہ میلاد شریف منانے والوں پر ٹھونسنا چاہتے ہیں جس سے تخریب و فساد کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے ہر سال میلاد کے دنوں میں قلمدان اور زبان حرکت میں آ جاتے ہیں۔ اور جب جوابی کارروائی انہی انداز سے کی جاتی ہے تو فتنہ برپا قائم کرنے کا الزام بھی قائلین میلاد پر لگائے جاتے ہیں حکومت پاکستان اور دوسرے ملکوں کو شکایات بھی کرتے ہیں یہ عجیب دورنگی چال ہے۔ جو منکرین کے آئینہ میں نظر آتی ہے۔

ہم بخاری ومسلم کی ایک اور روایت پیش کرتے ہیں جس کو حضرت طارق بن شہاب بیان فرماتے ہیں کہ ایک یہودی امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا۔ کہ اے امیر المؤمنین

آپ کی کتاب قرآن میں ایک آیت ہے اگر وہ ہم یہودیوں پر نازل ہوئی ہوتی ۔ تو ہم اس کے نزول کے دن عید مناتے ۔ آپ نے فرمایا وہ کون سی آیت ہے اس نے کہا ۔ وہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ کی آیت ہے تو حضرت عمر نے فرمایا میں اس دن کو اور اس مقام کو جس میں یہ نازل ہوئی تھی جانتا ہوں وہ مقام عرفات اور وہ دن جمعہ کا تھا ۔ اس سے مراد آپ کی یہ تھی کہ ہمارے لیے بھی وہ دن عید ہے ۔ دوسری روایت بھی اس کے بارے ہے حضرت ابن عباس سے بھی ایک یہودی نے ایسا ہی کہا ۔ تو آپ نے فرمایا جس روز یہ آیت نازل ہوئی تھی اس دن ہماری دو عیدیں تھیں ۔ جمعہ اور عرفہ (ترمذی ۔ خازن)

غور کریں ۔ یہودی لوگ رحمت و نعمت کے نزول اور حصول پر عید مناتے رہے اور آیت مذکورہ کو نعمت عظمیٰ سمجھ کر مسلمانوں سے کہہ رہا ہے کہ تم اس آیت کے نزول والے دن پر خوشی و عید کیوں نہیں مناتے ہو ۔ اس کے جواب میں حضرت عمر فاروق اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے انکار نہیں فرمایا ۔ کہ نعمت و رحمت کے نزول پر خوشی و عید منانا بدعت ہے ، اور بدعت گمراہی ہوتی ہے بلکہ آپ نے گویا فرمایا ۔ اے یہودیو ۔ رحمت و نعمت کا نزول ہو یا حصول ہو اسلام میں نعمتوں کے ملنے پر خوشی منانا جائز ہے اور فرماتے ہیں کہ جس دن یہ آیت اتری ۔ جس میں اسلام کی تکمیل کا اعلان ہے ۔ اس دن ہماری دو عیدیں تھیں ۔ گویا نزول کا دن واقعی عید ہی کا دن تھا اگر وہ آیت جمعہ و عرفہ کے علاوہ کسی دوسرے روز اترتی تو حضرات صحابہ کرام اس دن کو عید ہی سمجھنے ہوتے ۔ اگر ایک آیت کے نزول کے دن کو عید کا مقام حاصل ہے ۔ جب سارا کا سارا قرآن پاک جس نبی علیہ السلام کے ذریعے امت کو ملا ۔ اس نبی کی تشریف آوری کے روز کو عید کر کے کیوں نہ منایا جائے ۔ کیا جمعہ اور عرفہ کے دن سے بھی نبی علیہ السلام کا مقام اور آپ کی تشریف آوری کم درجہ رکھتی ہے ہرگز نہیں ۔ آپ تو پوری کائنات سے افضل ہیں ۔ اور پوری کائنات کے لیے رحمت ہیں اور ساری کائنات آپ کی رحمت کی محتاج ہے انبیاء کرام اور انسان و جن آپ پر ایمان لانے میں شرعاً مجبور و مکلف ہیں تو معلوم ہوا کہ آپ کی ولادت مبارکہ نعمت عظمیٰ ہے اور نعمت عظمیٰ پر خوش ہونا اور خوشی منانا تشکر اور محبت کا اظہار ہے ۔ قرآن پاک میں نعمت و رحمت کے ملنے پر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۔

(اے حبیب!) آپ فرمایئے اللہ ہی کے فضل اور اسی کی رحمت اسی پر چاہیئے کہ خوشی کریں۔ وہ انکی سب دھن دولت سے بہتر ہے بعض علماء نے فرمایا کہ اللہ کا فضل حضور ہیں اور اللہ کی رحمت قرآن کریم ہے اور اس کی تائید دوسری آیت کے اس حصہ سے ہوتی ہے وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا اور آپ پر اللہ کا بڑا فضل ہے اور بعض نے فرمایا کہ اللہ کا فضل قرآن ہے اور رحمت حضور ہیں اس کی تائید بھی مشہور آیت کریمہ سے ہوتی ہے وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر سارے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر۔ آپ صرف رحمت نہیں بلکہ رحیم وراحم بھی ہیں یعنی رحمت دیتے بھی ہیں اور آپ صرف فضل ہی نہیں ہیں بلکہ فضل سے دوسروں کو نوازتے بھی ہیں ملاحظہ کریں۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗۤ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ۝

ترجمہ، اور کیا اچھا ہوتا اگر وہ اس پر راضی ہوتے جو اللہ اور رسول نے ان کو دیا اور کہتے کہ ہم کو اللہ کافی ہے دے گا ہم کو اپنے فضل سے اور اللہ کا رسول، ہم کو اللہ ہی کی طرف رغبت ہے، اس آیت سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فضل دینے بھی ہیں اور یہ بھی ثابت ہوا کہ نزول قرآن کے وقت لیلۃ القدر میں بھی خوشی اور جشن منانا چاہیئے اور حضور علیہ السلام کی ولادت مبارکہ کے موقعہ پر بھی ربیع الاوّل میں خوشی منانا اللہ تعالےٰ کا حکم ہے۔ حضورؐ تو رب کی بڑی اعلیٰ نعمت ہیں اور یہ خوشی رب کی نعمتوں کا شکر یہ ہے نیز نبوّت ورسالت فضل عظیم مرتبہ ہوتا ہے جس کے سامنے غیر نبی کے کمالات تابع ہوتے ہیں مزید ملاحظہ ہو حضرت ابو سعید خدری اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ اللہ کے فضل سے مراد قرآن اور اس کی رحمت سے مراد دین اسلام ہے دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ فضل سے مراد قرآن اور رحمت سے مراد یہ ہے کہ اس نے ہمیں صاحب قرآن بنایا۔

قَالَ اَبُوْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيُّ وَابْنُ عَبَّاسٍ فَضْلُ اللّٰهِ الْقُرْاٰنُ وَرَحْمَتُهُ الْاِسْلَامُ وَعَنْهُمَا فَضْلُ اللّٰهِ الْقُرْاٰنُ وَرَحْمَتُهٗ اَنْ جَعَلَكُمْ مِنْ اَهْلِهٖ (قرطبی)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب قرآن واسلام کے نزول یا حصول پر خوشی منانے کا حکم ہے تو جس نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اسلام عنایت فرمایا۔ ان کی آمد پر خوشی منانے کا تو زیادہ حق بنتا ہے اور اسلام و قرآن ایک چیز ہے جو دو الگ رحمت و فضل سے بیان ہوتے ہیں۔ اسلام تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق مبارکہ اور سیرت مطہرہ کا اور آپ پر ایمان لانے کا نام ہے آپ پر ایمان لانے میں توحید و اسلام و آخرت پر ایمان لانا خود بخود ثابت ہو جاتا ہے کیونکہ آپ پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح آپ نے عقائد و ایمان کی دعوت دی ہے اس طرح سے ماننے کا نام اسلام و ایمان ہے۔ اطاعت رسول اور اسوۂ حسنۂ رسول کا پیغام قرآن ہی تو دے رہا ہے اور یہ دونوں عنوان آپ کی ذات سے متعلق ہیں۔ عجب حیرت ہے کہ اسلام و قرآن کے حصول پر تو خوشی منائیں اور حضور علیہ السلام کے ملنے پر خوشی نہ منائی جائے جبکہ باب ایمان میں دونوں میں اتحاد کی جہت ہے اور تغائر کا فقدان ہے۔

دوسری مذکورہ روایت سے عجیب فائدہ کا ثبوت بھی ہو گیا کہ فضل سے مراد قرآن ہے اور رحمت سے مراد یہ ہے کہ اللہ نے ہمیں صاحب قرآن بنایا۔ وہ یہ کہ اہل ایمان صاحب قرآن ہیں یعنی چونکہ ایمان والے قرآن والے بنائے گئے ہیں لہٰذا وہ اس پر خوشی کریں۔ جب ایمان والے صاحب قرآن ہونے کے اعتبار سے خوشی منایا کریں۔ تو ایمان والوں کو نبی کے امتی ہونے کے لحاظ سے جو مقام و مرتبہ ملا ہے اس پر زیادہ حق پہنچتا ہے کہ خوشی منائیں۔ کیونکہ حصولِ نعمت پر اظہارِ مسرّت حکم الٰہی ہے اور سرور عالم کی ولادت نعمت عظمیٰ ہے۔ اس پر جتنی خوشی کی جائے کم ہے۔ مزید وضاحت کی خاطر آیت مذکورہ میں فضل و رحمت کا حصر قرآن و اسلام میں نہیں ہو سکتا ہے نہ تو یہ حصر عقلاً درست ہے نہ ہی نقلاً صحیح ہے عقل و نقل قرآن میں فضل کی بندش کو قبول نہیں کرتی ہیں کیونکہ فضل صرف قرآن ہی نہیں ہے بلکہ قرآن کے علاوہ بھی فضل کئی نعمتوں پر بولا جاتا ہے۔ ورنہ فضل کو قرآن میں بند کر دینے سے بہت سی نعمتوں کا فضل سے نکلنا لازم آئے گا اور یہ بات خلاف عقل و نقل ہے اور رحمت سے صرف اسلام مراد لینا بھی عقل و نقل کے خلاف ہے اس لیے کہ رحمت کا اطلاق اسلام کے علاوہ بھی کئی چیزوں پر آیا ہے نبوت بھی رحمت ہے۔ قرآن بھی رحمت ہے۔ حضور بھی رحمت ہیں۔ صحابہ کرام بھی ایک دوسرے پر رحم کرنے والے ہیں جیسے کہ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ سے ظاہر ہے۔

وَالْفَضْلُ الْاِیْمَانُ اَوِالْقُرْآنُ اَوِالْاِسْلَامُ وَرَحْمَتُہُ الْقُرْآنُ اَوْاَنَّہٗ صَیَّرَنَا مِنْ اَھْلِ الْقُرْآنِ اَوِالسُّنَنِ اَوِالْجَنَّۃِ (جامع البیان)

یعنی فضل سے ایمان یا قرآن یا اسلام مراد ہے اور رحمتہٖ سے قرآن یا یہ کہ اللہ نے ہمیں اہل قرآن یا سنن یا اہل جنت بنایا۔ علامہ سید محمود آلوسی بغدادی نقل فرماتے ہیں وَاَخْرَجَ اَبُوالشَّیْخِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ الْفَضْلَ الْعِلْمُ وَالرَّحْمَۃَ مُحَمَّدٌ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ابوالشیخ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل فرمایا کہ بیشک فضل علم ہے۔ اور رحمت (سے) محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں (تفسیر روح المعانی جلد ۱۱ ص ۱۴۱)

صاحب تفسیر بیضاوی نے عجیب نکتہ واضح فرمایا وَالدَّالَّۃُ عَلٰی اَنَّ مَجِیْئَ الْکِتَابِ الْجَامِعِ بَیْنَ ھٰذِہِ الصِّفَاتِ مُوْجِبٌ لِلْفَرَحِ وَتَکْرِیْرَھَا لِلتَّاکِیْدِ یعنی آیت سے ہمیں یہ رہنمائی ملتی ہے کہ فضل و رحمت جیسی صفات کی جامع کتاب کا آنا خوشی منانے کو واجب کرتا ہے اور تکرار صفات تاکید کا فائدہ دیتا ہے۔ مزید دلیل کے طور پر بیان فرماتے ہیں کہ لِاَنَّ تَرْتِیْبَ الْحُکْمِ عَلَی الْوَصْفِ مُشْعِرٌ بِعِلِّیَّۃِ الْوَصْفِ یعنی موصوف پر کسی وصف کی وجہ سے حکم لگانا ظاہر کرتا ہے کہ اس حکم کے لیے وہی وصف علت ہے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ فضل و رحمت جہاں پہ پائے جائیں تو اس پر خوش ہونا اور خوشی منانا قرآن کا رہنما حکم ہے اور فضل و رحمت خوشی کا موجب ہے۔

صاحب کمالین تفسیر صاوی سے نقل فرماتے ہیں کہ وَالْمَعْنٰی اَنَّ مَنِ اتَّصَفَ بِھٰذِہِ الصِّفَاتِ الْمُتَقَدِّمَۃِ فَیَنْبَغِیْ لَہٗ اَنْ یَفْرَحَ وَیَشْکُرَ مَا اَنْعَمَ اللہُ بِہٖ عَلَیْہِ زیر آیت مذکورہ۔

مراد یہ ہے کہ بیشک جو شخص گذری ہوئی صفتوں (فضل و رحمت) سے موصوف ہو جائے تو چاہیئے کہ وہ خوشی منائے اور اس نعمت کا شکر بیاد اکرے جس نعمت کے ساتھ بندہ کو اللہ نے نوازا ہے۔ اس آیت کے تحت اہل تفسیر اختصاص و حصر کے فائدے اخذ کرتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ فضل و رحمت ہی پر تو خوشی و شکر منانے کا حق پہنچتا ہے۔ بہ نسبت دنیاوی نعمتوں کے کہ وہ بھی قابل تشکر تو ہیں لیکن فضل و رحمت چاہے قرآن ہو یا ایمان ہو جنت ہو یا صاحب قرآن قاسم جنت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں ان سب پہ خوشی منانے کا زیادہ حق بنتا ہے۔ آگے تیسری آیت کا عام اعلان ہے کہ خدا کے

فضل و رحمت اور رزق و نعمت پر خوشی کرنے والے اور شکر کرنے والے کم لوگ ہوتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَی النَّاسِ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَھُمْ لَا یَشْکُرُوْنَ ۔

بیشک اللہ لوگوں پر فضل کرتا ہے مگر اکثر لوگ شکر نہیں کرتے ہیں ۔

منکرین میلاد غور کریں کہ میلاد پر خوشی منانے سے شکر ادا ہوگا یا میلاد منانے سے روکنے پر حق شکر ادا ہوگا

ایک شبہ کا ازالہ ۔ بعض منکرین میلاد کہتے ہیں کہ فَلْیَفْرَحُوْا کا معنی ہے خوش ہو ۔ اس کا یہ معنی نہیں کہ خوشی کریں یا خوشی منائیں ۔ دراصل یہ مغالطہ ہے لیکن یہ مغالطہ بھی اس لیے پیدا کیا گیا ہے تاکہ میلاد کا جشن یا جلوس ۔ یا محفل میلاد کے نام سے کسی قسم کا اہتمام نہ کیا جائے ۔ ہم انہیں اردو لغت فیروز اللغات کے حوالہ سے عرض کرتے ہیں ۔ اس میں لکھا ہے خوشی (خُ ۔ شی) (۱) سرور ۔ نشاط ۔ شادمانی (۲) مرضی (۳) جشن ۔ شادی اس سے پہلے لکھا ہے ۔ خوشی (کرنا) منانا ۔ خوش ہونا ۔

معلوم ہوا کہ اردو محاورہ میں خوش ہونا اور خوشی کرنا اور خوشی منانا ۔ یہ سب لازمی ہم معنی الفاظ ہیں ہاں خوشی منوانا یا خوشی کروانا یہ متعدی قسم کے دوسرے معنی ہیں ہم فَلْیَفْرَحُوْا کا معنی خوشی کریں یا خوشی منائیں کرتے ہیں جو کہ لغت اردو اور محاورۂ اردو کے موافق ہیں اور معنے خوشی منائیں یا خوشی کریں قرآن پاک کے ان کلمات کے بھی موافق ہیں جن میں آیا وَاَمَّا بِنِعْمَۃِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ اور اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو ۔ اور وَذَکِّرْھُمْ بِاَیّٰمِ اللّٰہِ اور انہیں اللہ کے (انعام والے) دن یاد کرائیں ۔ ان کلمات سے نعمتوں پر خوشی منانے کا ذکر آگیا اور یہ تو کسی طرح بھی فہم قرآن کے موافق نہیں ہے کہ خوش تو ہو لیکن خوشی مناؤ نہیں ۔ حالانکہ خوش ہونے پر ہی خوشی منائی جاتی ہے اور خوشی کا اظہار کیا جاتا ہے ۔ کیونکہ خوش ہونا خوشی کے اظہار کا سبب ہوتا ہے ۔ اس طرح نہیں ہے کہ خوش ہونا ۔ خوشی کے اظہار کے منافی ہو ۔ سبب پر تو مُسَبَّبْ مرتب ہوتا ہے اور یہ واضح حقیقت ہے اور ایسا نہیں ہوتا کہ مسبب اپنے سبب کے منافی ہو جیسے سورج تو نکلا ہو لیکن دن نہ ہو اور چار کا عدد تو ہو لیکن جفت نہ ہو یا برابر تقسیم نہ ہو یا شرط تو پائی جائے لیکن مشروط ممنوع ہو تین طلاقیں تو دی جائیں لیکن غیر مقلدوں والا نکاح نہ ٹوٹے ۔ یہ عجیب منطق ہے یا ایجاب و قبول حسب اجازت و شرائط شرعیہ تو واقع ہو جائیں لیکن نکاح اس کے منافی ہو یہ سب خرابیاں اس لیے وارد ہو رہی ہیں کہ جب بنیاد ہی کمزور

فاسد ہو تو اس پر ساری عمارت ہی فاسد اور کمزور رہے گی۔ جب بدعقیدگی یا جب ضد و حسد کی بنیاد پر عقائد و اعمال کی تعمیر ہوگی تو ہر جگہ شرک و بدعت کے فتوے ہی جھڑیں گے۔ نیز قرآن پاک کی آیات کا یا کلمات کا جب ترجمہ ہو تو اس موضوع یا عنوان کی دوسری آیات و کلمات کو ضرور مدنظر رکھنا ہوگا۔ تاکہ تضاد یا تعارض و ٹکراؤ کی صورت پیدا نہ ہو جائے حالانکہ قرآن پاک کے اندر حقیقت میں ربط و تسلسل اور موافقت ہوتی ہے تعارض۔ ٹکراؤ نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ قرآن پاک ٹکراؤ اور اختلاف کا رد کرتا ہے وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا۔ اور اگر ہوتا یہ قرآن غیر اللہ کی طرف سے البتہ یہ لوگ اس میں بہت اختلاف (ٹکراؤ) پاتے۔

لہٰذا خوشی و فرحت کے پائے جانے پر خوشی کرنا یا منانا آیت مذکور کا مرادی معنی ہے۔ حضرت علامہ محمود آلوسی بغدادی فرماتے ہیں۔ فضل و رحمت سے مراد یا تو جنس فضل و رحمت ہے۔ جس میں قرآن کے آنے سے جو فضل و رحمت ملے ہیں وہ بھی جنس فضل و رحمت میں شامل رہیں گے۔

مزید حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ابوالشیخ اور ابن مردویہ بیان کرتے ہیں۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضْلُ اللّٰهِ الْقُرْاٰنُ وَرَحْمَتُهٗ اَنْ جَعَلَكُمْ مِنْ اَهْلِهٖ۔ حضرت انس نے فرمایا۔ فرمایا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ فضل قرآن ہے اور اس کی رحمت یہ ہے کہ اللہ نے تمہیں اہل قرآن بنایا ہے۔ دوسری روایت ابوالشیخ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس طرح بیان فرمائی ہے اِنَّ الْفَضْلَ الْعِلْمُ وَرَحْمَتَهٗ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بیشک فضل سے علم اور رحمت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ ان روایات سے واضح ہوگیا کہ فضل سے قرآن مراد ہے چونکہ قرآن علم بھی ہے اور اسلام کی اصل بھی ہے اور رحمت سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہوں تو اس میں تاسیس و جدید معنی کا مزید فائدہ حاصل ہوگا اور اگر فضل و رحمت دونوں سے قرآن و اسلام مراد لیں گے۔ چونکہ اصل کے اعتبار سے قرآن و اسلام ایک ہیں۔ تو اس میں ایک معنے کو دو بار مراد لینے سے تاکید کا فائدہ ہوگا اور علم معانی میں ہے تاکید سے تاسیس بہتر و اولیٰ ہوتی ہے۔

امام رازی نے رحمت سے نبوت بھی مراد لی ہے۔ اور بعض مفسرین کی رائے کو بھی نقل فرمایا ہے کہ فضل سے قرآن اور رحمت سے اہل قرآن ہونا مراد ہے اور یہ بیان ہمارے خلاف نہیں ہے بلکہ ہمارے مقصود

کی تائید کرتا ہے۔ تفسیر ابوالسعود اس آیت کے تحت فرماتے ہیں کہ وَاِمَّا الْجِنْسُ وَهُمَا دَاخِلَانِ فِيْهِ دُخُوْلًا اَوَّلِيًّا۔ اور یا (فضل اور رحمت سے) مراد جنسِ فضل و رحمت ہے اور جو فضل و رحمت قرآن کے آنے سے ملے ہیں وہ اس جنس فضل و رحمت میں سب سے پہلے داخل ہیں۔ مفسرین کی عام رائے ہے کہ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ والے کلام پاک میں بار کو دو بار لایا گیا ہے۔ اس سے یہ اشارہ ہے کہ فضل اور رحمت ہر ایک مستقل طور پر فرحت و خوشی منانے کے سببِ موجب ہیں معلوم ہوا کہ مطلق فضل و رحمت کے ملنے پر خوشی منانا اس آیت کریمہ کا مصداق ہے۔ مزید وضاحت کے طور پر عرض ہے کہ آیت کریمہ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰمِ اللّٰهِ اللہ کے خاص دنوں کو انہیں یاد دلائیں۔ اس آیت کے نیچے مرفوع حدیث وارد ہے جسے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد گرامی کی مسند شریف میں روایت کی ہے۔ فرمایا کہ ابی بن کعب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا ہے کہ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰمِ اللّٰهِ قَالَ بِنِعَمِ اللّٰهِ ایام اللہ سے مراد اللہ کی نعمتیں ہیں (ابن کثیر)

امام راغب اصفہانی نے فرمایا۔ ایام کی نسبت اللہ کی طرف صرف اس لیے ہے کہ ان ایام کو اس نسبت سے شرف بخشتا ہے کیونکہ ان خاص دنوں میں اللہ نے ان لوگوں پر اپنی نعمتوں کا فیضان فرمایا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے الفوز الکبیر فی اصول التفسیر میں فرمایا کہ علوم قرآن میں سے ایک علم وہ ہے جس کو تذکیر بِاَيّٰمِ اللّٰه کہتے ہیں دوسرا علم تذکیر بآلاء اللہ ہے۔ تذکیر بایام اللہ اللہ تعالیٰ کے دنوں کی یاد دلانا۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ جن دنوں میں اللہ نے بڑے بڑے واقعات و حالات کو ظاہر فرمایا ہے۔ جیسے اطاعت کرنے والوں کو انعام سے نوازنا اور مجرم لوگوں پر عذاب مسلط کرنا ان جیسے دنوں کو بیان کرنا۔ یہ بھی علوم قرآن سے ایک علم ہے معلوم ہوا کہ انعام کے دنوں کی یاد منانا علوم قرآن میں سے اہم قسم کا علم ہے اور اس قسم کے انعام والے دنوں کے منانے سے روکنا یا بدعت و حرام کہنا اصل میں علوم قرآن میں سے ایک خاص علم کا انکار لازم آتا ہے۔

ازالۂ شبہ میں نے قرآن پاک کی آیات مبارکہ کے عام الفاظ سے استدلال کو اختیار کیا ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ آج کل لوگ الفاظ قرآن سے مسئلہ کے اثبات کو معلوم کرنا چاہتے ہیں بلکہ اس پر مطالبہ کی حد تک اصرار کرتے ہیں حالانکہ اہل تحقیق علماء کا فتویٰ مستحسن و کار خیر کے اندر کافی ہوتا ہے۔

اس لیے میں نے آیات کے عمومی کلمات بلکہ امر کے صیغوں سے میلاد پاک کو خوشی سمجھتے ہوئے منانے کا استنباط کیا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ علومِ قرآن کی کتابوں میں اور اصول فقہ کی کتابوں میں بھی مذکور ہے کہ بعض اوقات کسی آیت یا سورۃ کا سبب نزول خاص ہوتا ہے۔ مگر اس کے الفاظ عام ہوتے ہیں۔ تاکہ اس بات سے آگاہ کیا جائے کہ اعتبار عموم الفاظ کا ہوتا ہے۔ خصوصِ سبب کا نہیں ہوتا ہے البرہان، (ج ۱ - ص ۳۲)

تیسری وجہ یہ ہے کہ چونکہ قرآن پاک قیامت تک آنے والے انسانوں کے لیے پیغام ہدایت ہے جیسے اس آیت سے ثابت ہے۔ تَبَارَكَ الَّذِىْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعَالَمِيْنَ نَذِيْرًا وہ ذات بابرکت ہے جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل کیا تاکہ وہ سب جہانوں کے لیے ڈر سنانے والے ہوں

(سورۃ الفرقان)

ظاہر ہے کہ جب ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت جاری و ساری ہے تو یہ قرآن بھی قیامت تک آنے والے انسانوں کیلئے پیغام ہدایت ثابت ہوا اس اعتبار سے بھی قرآن کے عمومِ الفاظ سے قیامت تک ہر زمانہ کے لیے استدلال کا طریقہ جاری رہے گا۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ قرآن پاک بے کنار سمندر کی طرح علوم کا منبع ہے اخلاص و تحقیق کی نیت سے اخذِ دلیل اور حصول علم کا مرجع ہے لہذا عقائد و احکام معلوم کرنے کا سب سے پہلا اصل کتاب اللہ ہے پانچویں وجہ یہ ہے کہ جب ہم اہل سنت وجماعت کسی مسئلہ پر علماء کی تحقیق پیش کرتے ہیں یا مثلاً باب فضائل اعمال و محاسن کے بارے روایات پیش کرتے ہیں تو مخالف حضرات ایسی آیات پیش کر دیتے ہیں جن کا تعلق اہل کفر و شرک سے ہوتا ہے پھر ان آیات کو خدا کے محبوب بندوں پر چسپاں کرتے ہیں۔ فضائل و محاسن کے بارے میں اخبارِ احاد کو ضعیف کہہ کر مسترد کر دیتے ہیں اور جب ان کی غرض ہوتی ہے تو اس وقت اخبار احادیث کو بھی عقائد قطعیہ کے اثبات کے لیے بطور دلیل پیش کر جاتے ہیں۔ تعجب پر تعجب کا مقام ہے۔

چھٹی وجہ یہ ہے کہ جب مخالفین روایات پر بے محل جرح کرتے ہیں تو پھر ہم بھی آیات کے الفاظ ظاہرہ کو پیش کرتے ہیں اس پر بھی وہ نہیں ٹھہرتے ہیں پھر خود ہی روایات کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

یہ بھی دو رنگی چال ہے جو اہل عقل کے لیے محال ہے

إِنَّا أَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ○ (پارہ ۲۶ - سورہ الفتح ، رکوع ۱)

ترجمہ: بے شک ہم نے تم کو بھیجا مشاہدہ کرتا اور خوشی و ڈر سناتا کہ اے لوگو تم اللہ اور رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو اور صبح و شام اللہ کی پاکی بولو۔

اس آیت کریمہ میں جہاں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے اوصاف کا بیان ہے ساتھ ساتھ بڑی اہمیت کے ساتھ مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ تم ہمارے محبوب کی تعظیم و توقیر کیا کرو۔ اس میں ہر وہ تعظیم شامل رہے گی جس سے شریعت نے صراحۃً روکا نہ ہو۔ مثلاً ان کو خدا کا بیٹا نہ کہو۔ ان کی عبادت نہ کرو نہ رکوع و سجدہ کرو نہ ان کا بے ادبی سے نام لو۔ نہ ان کے مدینہ منورہ کو حقارت کی نگاہ سے دیکھو نہ ان کی قبر انور روضہ مبارکہ کی بے ادبی کرو۔ ان کے نعلین پاک، لباس مبارک اور بال مبارک کو ادب سے چومو بے ادبی نہ کرو۔ گویا جس جس چیز کی نسبت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف ہوئی ہے۔ اس کی بے ادبی نہ کرو۔ بلکہ دل سے عزت و ادب کرتے جاؤ اور ظاہر میں بھی ادب سے پیش آؤ ادب و احترام کے بارے ملاحظہ ہو شفا شریف حصہ دوم اور عالمگیری باب زیارۃ قبر النبی کتاب الحج، مشکوٰۃ کتاب الادب باب القیام آیت مذکورہ میں بغیر کسی قید کے مسلمانوں کو ادب و تعظیم کا حکم دیا گیا ہے اور امر کے صیغے عموم کے اندر قطعی ہوتے ہیں جبکہ ان کے مقابل تخصیص کے صیغے نہ آجائیں، اسی عمومِ تعظیم کے حکم سے صحابہ کرام نے ہر وہ کام کیے جو ان کے عرف و مزاج میں ادب و تبرک و تعظیم کے لیے سمجھے جاتے تھے۔ مثلاً احادیث میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے لیے استعمال کیے ہوئے پانی کو صحابہ کرام بطور تبرک اپنے ہاتھوں پر قطروں کو لیتے اور ان کو اپنے چہروں اور کپڑوں پر ملتے۔ کسی کو اگر قطرے نہ ملتے تو دوسرے صحابی کے گیلے ہاتھوں سے اپنے ہاتھوں کو ملکر اس تری کو لے لیتے۔ اسی طرح موئے مبارک اور ناخن کے تراشے اور آپ کے استعمال کیے ہوئے کپڑے صحابہ کرام تبرکاً لیتے اور ان کی تعظیم و ادب کرتے رہتے حالانکہ صراحۃً کتاب و سنت میں صحابہ کرام کو ایسا کرنے کا حکم بھی نہیں دیا گیا تھا جس طرح صحابہ کرام ادب و تعظیم و محبت کے تقاضے پورے کرتے رہے اسی طرح اہل سنت وجماعت بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے میلاد شریف کو بطور تعظیم و توقیر و محبت ہمیشہ مناتے آرہے ہیں اور اس منانے میں بڑے عمدہ مقاصد

کے حصول کا ذکر ہو چکا ہے کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ میلاد منانے میں تعظیم ہو گی. یا کہ میلاد منانے سے روکنے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ظاہر ہو گی. ہم اگر کہیں کہ فلاں مولانا منکرِ میلاد کی تقریر نہ سنو اور نہ اس کا نام لو ہماری محفلوں میں اس کا ذکر کرنا ہمیں ناپسند ہے. بلکہ ان کا ذکر کرنا ہی بدعت و گمراہی ہے تو اس طرح کے جملے کہنے سے جناب کو شاید کہ اچھے نہیں لگتے ہوں گے یہ اس لیے کہ اس سے آپ کی بے ادبی کا مفہوم پیدا ہوتا ہے اور یہی کچھ جناب والا اس رسول کریم رحمت کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کے حق میں جب کہتے اور لکھتے ہیں تو اس سے اہل ایمان و محبت کو ضرور ٹھیس پہنچتی ہے. اہل محبت و ایمان کی دل آزاری کبھی اچھا اقدام نہیں ہو سکتا ہے اور جب اہل ایمان و محبت کو اس بے ادب رویّہ سے تکلیف ہوتی ہے یقیناً جن کا میلاد مبارک منایا جاتا ہے اس رسُول کریم و رحیم علیہ السلام کو کتنی اذیت پہنچتی ہوگی.

یَاَ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ. (پارہ ۲۶ سورۃ الحجرات رکوع ۱)

ترجمہ: اے ایمان والو اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس نبی کی آواز سے اور ان کے حضور بات چلاّ کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاّتے ہو کہ کہیں تمہارے اعمال برباد نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔

بات تو صرف یہ تھی کہ ایک بار حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ یا حبیب اللہ اقرع بن حابس کو ان کی قوم کا عامل بنا دیا جائے حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ قعقاع ابن معبد کو عامل بنایا جائے. اس گفتگو میں ان حضرات کی آوازیں آپس میں بلند ہو تب یہ آیت نازل ہوئی. بعض تفسیروں میں ہے یہ آیت حضرت ثابت ابن قیس ابن شماس کے بارے نازل ہوئی کہ وہ اونچا سنتے تھے اس لیے ان کی آواز اونچی ہو جایا کرتی تھی. کچھ بھی سبب نزول ہو اونچے بولنے والے اہل ایمان تھے اہل ادب و محبت تھے اور اس سے پہلے اونچا بولنے پر پابندی بھی قرآن و سنت میں نہیں آئی تھی صحابہ کرام کو بے ادبی کا وہم بھی نہ تھا اس کے باوجود صحابہ کرام کو بے ادبی کے وہم اور ذرہ بھر شائبہ سے بھی روک دیا گیا ہے بلکہ دوبارہ غیر دانستہ طور پر بھی ایسا کرنے سے اعمال کے ضائع ہونے کا خطرہ بیان فرمایا گیا ہے. لیکن ہم منکرین میلاد اور فضائل و محاسن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں مخالفین حضرات کے بیان و تحریر کو دیکھ کر ہم حق بجانب ہیں کہ

یہ کہیں کہ منکرین میلاد شریف ادب و تعظیم کے پہلو کو محفوظ نہیں رکھ سکے۔

قرآن پاک میں اس آیت کریمہ کے حصہ سے بھی میلاد شریف کے موضوع پر روشنی پڑتی ہے اِنْ ھُوَ اِلَّا ذِکْرٌ لِّلْعَالَمِیْنَ نہیں ہیں وہ مگر سارے جہانوں کے لیے ذکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ذکر ہے آپ کا نام اقدس ذکر بھی ہے اور قرآن پاک میں یہ بھی آیا اِنَّمَا اَنْتَ مُذَکِّرٌ بے شک آپ یاد دلانے والے ہیں، یعنی آپ اللہ تعالیٰ کی یاد دلانے والے ہیں قَدْ اَنْزَلَ اللّٰہُ اِلَیْکُمْ ذِکْرًا رَّسُوْلًا ترجمہ: بیشک بھیجا اللہ نے تمہاری طرف ذکر کو جو کہ رسول ہیں۔

ان قرآنی جملوں سے معلوم ہوا کہ آپ ذکر ہیں جس طرح آپ کی اطاعت خداوند کریم کی اطاعت ہے جیسے قرآن میں آیا ہے مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ ترجمہ: جس نے رسول کی پیروی کی تو بیشک اس نے اللہ کی پیروی کی۔ اطاعت ہی ذکر کا نام ہے اطاعت و ذکر میں توافق و مساوات ہے تباین و مخالفت نہیں ہے اور درود شریف بھی عمدہ ترین ذکر ہے کہ جس میں ملائکہ عظام اور خود اللہ تعالیٰ کی ذات مقدسہ درود بھیجنے میں پیش پیش ہیں۔ اور اہل ایمان کو بھی حکم ہے اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔ ترجمہ: تحقیق اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس نبی پر اے ایمان والو تم بھی ان پر درود بھیجو اور خوب سلام بھیجو۔

معلوم ہوا کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی خود ذکر بھی ہیں اور آپ کا ذکر کرنا اور آپ پر درود بھیجنا بہترین سعادت مندی بھی ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کا ذکر فرمایا ہے یا آپ پر رحمت بھیجتا ہے تو یہ خداوند کریم کی طرف سے کرم نوازی کے طور پر ہے اور مخلوق آپ کی اطاعت کرتی ہے یا درود و ذکر آپ کا کرتی ہے۔ تو یہ اس لیے کہ اس سے مخلوق کو سعادت و ثواب و درجات عالیہ نصیب ہوں۔ اور قرآن پاک میں رفعت ذکر پر توجہ فرمائیں۔

وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ اور ہم نے آپ کے لیے آپ کا ذکر بلند کیا۔ یہاں رفعت و بلندی ذکر کسی زمانہ و مکان کے ساتھ خاص نہیں ہے اور آپ کا ذکر آپ کا غیر بھی نہیں ہے اور آپ کی رفعت ذکر آپ کی ہی رفعت ہے اضافت بیانیہ بھی ہو سکتی ہے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ آپ پر درود وں کا نزول اور آپ کی رفعت ذکر نہ تو زمانۂ بعثت سے خاص ہے اور نہ قبل بعثت سے مختص ہے نہ حیاتِ ظاہری سے خاص ہے نہ ہی حیات بعد الوصال سے خاص ہے بلکہ عالم ارواح میں آپ کے روح مبارک کو اور عالم اجسام میں جسم مبارک کو شروع سے منصب و مرتبۂ نبوت سے نوازنے کے باعث شرفِ مقام ملا ہے۔ اس کلام سے مقصود یہ ہے کہ جب آپ ذکر میں رحمت ہیں تو ولادت پاک میں اُسی ذکر کا ظہور قدسی ہے اور میلاد پاک منانے میں اسی ذکر اقدس کا اظہار ہے۔ جن کا ذکر اور رفعت ذکر عالم ارواح سے شروع ہے اور سلسلۂ رفعت ذکر ختم بھی نہیں ہوگا۔ تاحدِ امکان عالم قیامت کے بعد جنت کی زندگی کے اندر بھی رفعتوں کی انتہا نہیں ہوگی بلکہ سلسلۂ ارتقاء شان وارتفاع مراتب جاری رہے گا۔ جیسے اس آیت کریمہ میں بیان ہے وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ترجمہ: اور البتہ پچھلی آنے والی گھڑی آپ کے لیے پہلی گھڑی سے بہتر ہوگی۔ آنے والے وقت کو بھی کسی حد پر ٹھہرایا نہیں گیا۔ نامعلوم ممکنات وجنت کی نعمتوں کے بعد دیدار کی نعمتیں بار بار ملنے کے ساتھ ساتھ وہ کونسی نعمتیں ہوں گی جن کے تسلسل کو جاری رکھنے کا وعدہ فرمایا گیا ہے بصیرت سے یہی کہا جاسکتا ہے کہ علاوہ دوسرے کمالات کے ذات وصفات کی غیر محدود معرفتوں سے نوازنے کا وعدہ فرمایا گیا ہے جس کی انتہا نہیں ہوگی نہ ہی ان کی عطا کی انتہا ہوگی۔ تو میلاد شریف میں ذات حبیب صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ سراپا ذکر ہیں کا ظہور ہے اور اس ذکر کے ظہور کے منانے کا نام میلاد بھی ہے اور ذکر میلاد بھی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب وحسب سب سے افضل واعلیٰ تھا۔

حسب ونسب کی برتری

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سب سے بلند ترین نسب مبارک کو پسندیدہ قرار دیتے ہوئے بیان فرمایا۔ خاص کر اپنے انتخاب و پسندیدہ ہونے کا ذکر فرمایا۔ ملاحظہ فرمائیں

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى مِنْ وُّلْدِ اِبْرَاهِيْمَ اِسْمَاعِيْلَ وَاصْطَفٰى مِنْ وُّلْدِ اِسْمَاعِيْلَ بَنِيْ كِنَانَةَ وَاصْطَفٰى مِنْ بَنِيْ كِنَانَةَ قُرَيْشًا وَاصْطَفٰى مِنْ قُرَيْشٍ بَنِيْ هَاشِمٍ وَاصْطَفَانِيْ مِنْ بَنِيْ هَاشِمٍ

ترجمہ: کہ اللہ نے اولادِ ابراہیم علیہ السلام سے اسماعیل علیہ السلام کو برگزیدہ کیا اور اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے بنی کنانہ کو اور بنی کنانہ سے قریش کو اور قریش سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم سے مجھ کو برگزیدہ کیا۔ مسلم ترمذی، مشکوٰۃ، مواہب ص ۱۱۵۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں فَلَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ اٰدَمَ اَلْقٰى ذٰلِكَ النُّوْرَ فِيْ صُلْبِهٖ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَهْبَطَنِيَ اللّٰهُ اِلَى الْاَرْضِ فِيْ صُلْبِ اٰدَمَ وَجَعَلَنِيْ فِيْ صُلْبِ نُوْحٍ وَّقَذَفَ بِيْ فِيْ صُلْبِ اِبْرَاهِيْمَ ثُمَّ لَمْ يَزَلِ اللّٰهُ يَنْقُلُنِيْ مِنْ اَصْلَابِ الْكَرِيْمَةِ وَالْاَرْحَامِ الطَّاهِرَةِ حَتّٰى اَخْرَجَنِيْ مِنْ بَيْنِ اَبَوَيَّ لَمْ يَلْتَقِيَا عَلٰى سِفَاحٍ قَطُّ۔ (ابونعیم، مواہب اللدنیہ، خصائص کبریٰ ص ۳۹)

ترجمہ: پھر جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو اسی نور کو ان کے صلب (پشت) میں رکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے صلب ابراہیم علیہما السلام میں پہنچایا پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے اصلاب طیبہ اور ارحام (پاک رحموں) طاہرہ میں منتقل فرماتا رہا یہاں تک کہ مجھے میرے والدین سے ظاہر فرمایا آدم علیہ السلام سے لیکر میرے والدین تک کوئی زانی نہیں ہوا۔

ان روایات سے یہ بات اچھی طرح معلوم ہوگئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاک نسب کی فضلیت بیان فرمائی ہے کہ آپ جس نسب سے تشریف لائے ہیں اس نسب کو اللہ نے سب سے زیادہ پسند فرمایا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ کے نسب میں کوئی بھی مرد یا عورت جو آپ کے پاک دادا دادیوں۔ماں باپ میں سے ہو ناپاک نہیں گذرا۔ نہ اخلاقی ناپاکی ان میں تھی نہ ہی شرک وکفر کی نجاست وناپاکی ان میں پائی گئی تھی۔ ظاہر ہے کہ اخلاقی ناپاکی اگر عیب ہے جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے عالی نسب کی پاکی کو سراہتے ہیں تو کفر وشرک کی ناپاکی تو اور بھی زیادہ عیب والی ناپاکی ہے ان سے پاک ہونا بھی ظاہر ہوگیا۔ اس کی تحقیق اَلحَاوِی لِلفَتَاوٰی وغیرہ کتابوں میں موجود ہے مزید یہ بھی معلوم ہوا کہ نسب کی برتری کو بیان کرنا اور پاک پشتوں اور پاک رحموں میں اپنے نورِ اقدس کے بدل بدل کر آنے کا ذکر کرنا اور پھر آخر میں اپنے ظاہر ہونے اور پیدا ہونے کا ذکر فرمانا بھی میلاد شریف ہے جو آپ نے خود بیان فرمایا۔

اس سے اپنا ذکر خیر اور میلاد خود بیان کرنے کا ثبوت ہوتا ہے اس سلسلہ میں حضرۃ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے شاید انہوں نے کچھ سُنا تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے ہوئے فرمایا میں کون ہوں لوگوں نے عرض کیا آپ اللہ کے رسول ہیں فرمایا میں محمد ابن عبداللہ ابن عبدالمطلب ہوں، اللہ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو مجھے ان میں سے اچھوں میں سے بنایا۔ پھر ان اچھوں کی دو جماعتیں کیں تو مجھے ان کے اچھے فرقہ میں سے بنایا۔ پھر ان اچھوں کے کئی قبیلے کیے تو مجھے اپنے اچھے قبیلہ میں بنایا۔ پھر ان اچھوں کے گھر بنائے تو مجھے اچھے گھر والوں میں بنایا، تو میں ان سب میں اچھی ذات والا اور اچھے گھر والا ہوں۔ (ترمذی بحوالہ مشکوٰۃ شریف)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ منبر شریف پر نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا خود تشریف فرما ہو کر اپنا ذکر فرمانا اور صحابہ کرام کے سامنے اپنے خاندان کی برتری کو بیان فرمانا اور اپنی برتری و افضلیت کو بیان فرمانا۔ اس کو ہم میلاد کہتے ہیں اور دوسروں کے سامنے آپ کا بیان فرمانا یہ آپ کی سنت ہے جس پر اہل سنت وجماعت عمل کر رہے ہیں۔ مزید یہ کہ آپ نے گویا فرمایا اللہ تعالےٰ نے مجھے ذاتی شرافت بھی بخشی ہے اور خارجی وبیرونی شرافتیں بھی عطا فرمائی ہیں کہ بنی ہاشم سب سے بہتر ہیں اور مجھے بنی ہاشم سے پیدا فرمایا اور اس مضمون کی طرف اس آیت کریمہ میں اشارہ ہے لَقَدْ جَآءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اس میں ایک قرائت فاء پر زبر آیا ہے۔ جس کا معنی یہ ہے کہ یعنی تم میں وہ رسول تشریف لائے جو تم سب میں سب سے نفیس ترین ہیں۔

اس روایت کی قرائت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر کرنا اور منانا اللہ کو بھی پسند ہے اور خود نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی مطلوب و پسندیدہ ہے۔ اسی لیے ہم میلاد اور سیرت کے جلسوں میں زیادہ تر آپ کا ذکر خیر کرتے ہیں۔ خود نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام سے بھی اپنے فضائل کو بیان کرانا پسند فرماتے تھے۔ اور اہتمام فرماتے تھے۔

یہ روایت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے لیے مسجد میں منبر رکھتے تھے کہ اس پر حضرت حسان کھڑے ہو کر رسول اللہ صلے اللہ علیہ

وسلم کے مفاخر و خوبیوں کو بیان فرماتے تھے اور شرک کرنے والوں کے بدگوییوں۔ طعنوں کا جواب دیتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے کہ اللہ تعالیٰ حسان کی مدد روح القدس سے فرماتا ہے جب تک حضرت حسان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مفاخرت یا مدافعت کرتے رہیں گے۔ (بخاری بحوالہ مشکوٰۃ)

اس روایت سے صاف واضح ہوگیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے فضائل کا بیان کرانا ثابت ہوا اور ساتھ یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی کریم کا ذکر خیر کرنا یا کرانا شعروں یں نظموں میں جائز ہے بشرطیکہ نعتیہ کلام خلاف شرع نہ ہو۔ تو وہ اپنا خاص اثر رکھتا ہے اشعار میں کمالات و خوبیوں کو بیان کرنا فطرت انسانیہ کے ذوق کے موافق ہے۔

ہمارے حضور اوّل و آخر نبی ہیں

شبہ: یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیئے کہ اہل ایمان کو جو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت پیروی کا پابند کیا گیا ہے وہ نبوت و رسالت کے بعد کا دور ہے کسی نبی کی ولادت سے بعثت تک کا جو زمانہ ہوتا ہے یعنی نبوت و رسالت سے پہلے کا زمانہ کسی کے نزدیک بھی اس دور کی اطاعت یا پیروی لازمی نہیں ہوتی۔ بلکہ اطاعت کا تو حکم ہی صرف اس وقت ملتا ہے جب تاج رسالت پہنا دیا جاتا ہے۔

ازالہ شبہ: منکرین میلاد کی ساری کوششیں حسد و عناد اور مذہبی تعصب کے سبب جاری رہتی ہیں اور حسد و تعصب ایسی بیماریاں ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے کوئی حق بات سمجھ میں نہیں آئے گی۔ اور یہ بات شروع سے آرہی ہے اللہ تعالیٰ اصلاح فرمائے۔ ہم اہل سنت و جماعت سواد اعظم کا مسلک یا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو آپ کی حقیقت محمدیہ کو سب سے پہلے پیدا فرمایا ہے۔ حقیقت میں آپ ہی اوّل مخلوق ہیں۔ آپ کے بعد اللہ تعالیٰ درجہ بدرجہ اپنے اپنے وقتوں میں دوسری مخلوق کو پیدا فرماتا رہا۔ اولیت حقیقیہ کا مرتبہ آپ ہی کو حاصل ہے۔ دوسری بعض چیزوں کو اولیت اضافی کا درجہ حاصل ہے جن کے بارے میں اوّل کا لفظ آیا ہے۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو جو چیزیں دوسری چیزوں سے پہلے پیدا کی گئی ہیں وہ ان دوسری چیزوں کی نسبت سے اول ہیں مگر

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے بعد میں ہیں اور اس موضوع پر کافی دلائل ہیں ۔ مثلاً قرآن حکیم میں آیا ہے وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر سارے جہانوں کے لیے رحمت اس آیۃ کریمہ میں سارے جہان کو آپ کی شان رحمت کے حاجت رکھنے والے ٹھہرائے گئے ہیں اور ساری رحمتوں میں سے جو انسانوں وغیرہ کو ملتی ہیں وہ بعد کا درجہ رکھتی ہیں اور ہر شئی کا وجود میں آنا یا ہر شئے کا وجود پہلا اور اصلی مرتبہ اور نعمت اولی ہے کیونکہ وجود ہی عدم کے مقابلہ میں بڑی نعمت ہے اور عدم نعمت سے محرومی کا نام ہے لہذا اس میں شبہ نہیں کہ مخلوق کا وجود مخلوق کے لیے رحمت ہے نعمت ہے اور اس نعمت کے حصول کا واسطہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات گرامی ہیں اور واسطہ کا تقدم یا پہلا ہونا واضح حقیقت ہے اور صاف بات ہے جس کے لیے دلیل کی حاجت نہیں ہے ۔ معلوم ہوا کہ سارے جہانوں کے وجود کیلئے حضور علیہ السلام واسطہ اور رحمت ہیں لہذا آپ کا اول ہونا ضروری ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی کریم کا واسطہ اور رحمت عامہ ہونا رسول ہونے کے اعتبار سے ہے ۔ مرتبہ نبوت و رسالت کو چھوڑ کر آپ کا رحمت عامہ ہونا ساری مخلوق کے لیے کسی طرح تصور نہیں کیا جا سکتا ہے ۔ خود قرآن کریم میں آیا ہے ۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۔ ترجمہ: برکت والی ذات ہے جس نے قرآن کو اپنے بندے پر نازل فرمایا تاکہ وہ بندہ سارے جہانوں کے لیے ڈر سنانے والا ہو ظاہر ہے کہ تمام جہانوں کے لیے آپ کا بشیر و نذیر ہونا اور آپ پر کتاب کا نازل ہونا رسول ہونے کے اعتبار سے ہے ۔ نتیجہ یہ نکلا کہ آپ ساری مخلوق کے وجود کے لیے واسطہ اور رحمت عامہ ہیں لہذا آپ کا وجود پاک سب سے پہلے پیدا فرمایا گیا اور واسطہ و رحمت عامہ ہونا مرتبہ نبوت کی وجہ سے ہے ۔ لہذا آپ کا مرتبہ نبوت سے موصوف ہونا بھی اول مخلوق ہونے کے ساتھ ہی تھا ۔ یعنی جیسے ہی اللہ تعالٰی نے آپ کو سب سے پہلے پیدا فرمایا تو ساتھ ہی آپ کو نبوت کا مرتبہ بھی دیا گیا تھا اس مضمون کو سمجھنے کے لیے تفسیر روح المعانی ۱۷/۹۹ کو بھی ملاحظہ فرمائیں ۔

دوسری آیۃ کریمہ پر غور فرماویں ۔ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ اور میں سب سے پہلا مسلم ہوں ۔ اور سب مسلمانوں سے پہلا ہونا کیسے ہو سکتا ہے جب تک کہ آپ ہر اسلام لانے والے سے خود پہلے نہ ہوں اور

اسلام لانا دو طرح کا ہوتا ہے ایک یہ کہ اختیاری طور پر اسلام لایا جائے دوسرا یہ کہ غیر اختیاری اسلام لایا جائے۔ ان دونوں طریقوں کو قرآن نے اس طرح بیان کیا ہے وَلَہٗ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّکَرْھًا وَّاِلَیْہِ یُرْجَعُوْنَ ۝ اور اللہ کے لیے اسلام لایا ہر اس چیز نے جو آسمانوں اور زمینوں میں ہے خوشی سے اور ناخوشی سے اور اس کی طرف سب لوٹیں گے۔ معلوم ہوا کہ جب ہر چیز اسلام لانے والی ہے اور ہر اسلام لانے والے سے پہلا اسلام لانے والا ہونا اس وقت ہو سکتا ہے کہ آپ ہر چیز سے پہلے ہوں لہٰذا آپ ہر چیز سے پہلے پیدا بھی ہوئے اور ہر شئے سے پہلے اسلام لانے والے بھی ہیں

صاحب تفسیر عرائس البیان نے بڑی عمدہ وضاحت فرمائی ہے۔ (وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ) اِشَارَۃٌ اِلٰی تَقَدُّمِ رُوْحِہٖ وَجَوْھَرِہٖ عَلٰی جَمِیْعِ الْکَوْنِ) اس آیۃ میں اشارہ ہے کہ حضور علیہ السلام کی روح پاک اور جوہر مقدس تمام مخلوق پر مقدم ہے عرائس البیان جلد ۱ ص ۲۳۸

واضح ہو گیا کہ آپ کی حقیقت مبارکہ ہر چیز سے پہلے تھی اس لیے تو آپ سب سے پہلے اسلام لانے والے ہیں

تیسری آیت کریمہ: وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّ حِکْمَۃٍ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ اِصْرِیْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا۔ (الآیۃ) ترجمہ اور جب لیا اللہ نے عہد نبیوں سے کہ جو کچھ دیا میں نے تم کو کتاب اور حکمت سے اور آئے تمہارے پاس (عظمت والا) رسول جو تصدیق کرنے والا ہو اس چیز کی جو تمہارے ساتھ ہے تو تم اس پر ضرور ایمان لاؤ گے اور اس کی ضرور مدد کرو گے۔ فرمایا کیا تم نے اقرار کر لیا اور اس شرط پر میرے عہد کو قبول کر لیا۔ سب نے کہا ہم نے اقرار کر لیا۔

اس آیۃ کریمہ میں عالم امر میں خلقت و پیدائش حضرات انبیاء کرام کا ثبوت نص قرآنی سے ثابت ہے اور جسمانی صورت میں عالم اجسام میں تشریف لانے سے پہلے دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کی طرح آپ بھی موجود تھے۔ لفظ النبیین جمع ہے سارے انبیاء کرام کی پاک ذاتوں کو شامل ہے اور اقرار ظاہری طور پر عالم اجسام میں جلوہ گر ہونے کے بعد ایمان لانے اور مدد کرنے پر لیا گیا ہے اور

نبی وہی ہوتا ہے جس کو مرتبہ نبوّت دیا گیا ہو۔ اور صفتِ نبوّت سے بالفعل موصوف کیا جا چکا ہو۔ نبوت کا اطلاق نص قرآنی میں مجازاً نہیں ہے بلکہ حقیقۃً اس کا اطلاق ہوا ہے۔ مجازی اطلاق پر اس مقام میں کوئی صریح دلیل یا کنائی دلیل نہیں پائی جاتی ہے۔ اور صراحت و حقیقت کو بغیر کسی قابلِ قبول دلیل کے کنایہ یا مجازی معنے میں مراد لینا عقل و نقل کے خلاف ہوتا ہے۔ لہٰذا عالم امر میں انبیاء کرام علیہم السلام کی پاک ذاتیں صفتِ نبوت سے موصوف ہو چکی تھیں۔ مرتبہ نبوّت کا ثبوت عالم ارواح میں ہی ہو چکا تھا۔ اور نبوت و رسالت کے مرتبے کا اعلان کرنا اور تبلیغی دور کا آغاز کرنا یہ اپنے اپنے زمانہ میں اور وقت مقررہ میں ہوتا رہا۔

ثبوتِ نبوّت اور اعلانِ نبوت و اظہار نبوت و رسالت دونوں کا الگ الگ زمانہ ہے ثبوتِ نبوت کا زمانہ عالم امر کا ہے اور اعلانِ نبوّت کا زمانہ عالم اجسام میں جلوہ گر ہونے کے بعد کا ہے تو یہ سمجھنا غلط ہے کہ اعلان نبوت و اظہار رسالت سے زمانہ نبوت کا آغاز ہوتا ہے بلکہ اعطار نبوت سے نبی نبوت کے مرتبہ سے موصوف ہو جاتے ہیں اور جب انبیاء کرام کی دنیا میں تشریف آوری ہوئی تھی تو عظمت نبوت کے ساتھ تشریف لائے تھے۔ نیز یہ سمجھنا بھی غلط ہو گیا کہ اطاعت و پیروی کا زمانہ نبوت ورسالت کے بعد کا دور ہے۔ کیونکہ زمانہ نبوت و رسالت کا تو عالمِ امر سے تھا اور امت کو شریعت کی اطاعت کا حکم اعلانِ نبوت و رسالت کے بعد دیا گیا تھا جوں جوں شریعت کے احکام انبیاء کرام کو ملتے گئے چاہیے ایک بار ہی وہ احکام مل گئے ہوں یا آہستہ آہستہ احکام شرعی ملے ہوں جیسے ہمارے نبی کریم علیہ السلام پر تدریجی نزول ہوا تھا ساتھ ہی اطاعت و پیروی سے بھی امت کو مکلف کیا جاتا رہا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ایمان لانا مقدم ہوتا ہے اور اعمال میں اطاعت کرنا بعد میں ہوتا ہے اور مدارِ نجات ایمان ہے صرف اعمال خیر نجات کا ذریعہ نہیں ہوتے ہیں کیونکہ ایمان کے نہ ہوتے ہوئے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں اعمال خیر جنت پانے کا ذریعہ نہیں بن سکتے ہیں۔ ہمارے نبی علیہ السلام پر ایمان لانے کا حکم اللہ تعالےٰ نے انبیاء کرام کو عالم امر میں ہی دیا تھا اور ایمان و نصرت شہادت و اقرار کے ساتھ انبیاء کرام کو مکلف فرمایا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا گواہ ہونا اور انبیاء کرام کو بھی گواہ بنانا یہ سب عالم امر میں تھا تو ثابت ہوا کہ

انبیاء کرام کا ایمان لانا اور اقرار کرنا اعلان نبوت سے پہلے ثابت ہے۔ ہاں عام انسانوں اور جنات کو شریعت میں اطاعت و پیروی کا پابند کرنا اعلان نبوت کے بعد کا دور ہے۔

قرآن حکیم میں عالم امر میں عدم سے وجود میں تشریف لانا اس آیتہ کے اندر بھی ثابت ہے۔
وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِیْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا ۔ ترجمہ: اور جب نکالا تیرے رب نے بنی آدم کی پیٹھوں سے ان کی اولاد کو اور اقرار کرایا ان سے ان کی جانوں پر کیا میں نہیں ہوں تمہارا رب! بولے کیوں نہیں (بیشک تو ہمارا رب ہے) ہم اقرار کرتے ہیں۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ عالم ارواح یا عالم امر میں اللہ تعالیٰ نے آدم کی تمام اولاد سے اپنی ربوبیت یعنی اپنے رب ہونے کا اقرار لیا تھا اور سب سے پہلے بلیٰ کہنے والے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور آپ کے بلیٰ کہنے کے بعد آدم علیہ السلام کی اولاد کے نفوس نے بلیٰ کہا تھا۔ ظاہر ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ہیں سب سے پہلے اسلام لانے والے ہیں اس لیے اقرار بھی سب سے پہلے آپ نے فرمایا تھا، اور یہ اقرار تب ہو سکتا ہے کہ آپ عالم امر میں موجود تھے۔

قرآن پاک کی اس آیت میں بھی انبیاء کرام علیہم السلام سے تبلیغ رسالت پر عہد لینے کا ذکر ہے جن سے انبیاء کرام کی ذات قدسیہ کا عالم امر ہی میں نبوت سے موصوف ہونے کا واضح بیان ہے اور ساتھ یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام عالم امر میں موجود تھے۔ وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰى وَعِیْسَى ابْنِ مَرْیَمَ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّیْثَاقًا غَلِیْظًا ۔ ترجمہ: اور جب لیا ہم نے نبیوں سے ان کا اقرار اور تجھ سے اور نوح سے اور ابراہیم اور موسیٰ و عیسیٰ جو بیٹا مریم کا ہے اور لیا ہم نے ان سے پکا اقرار۔

اس آیت میں تبلیغ رسالت اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے اپنے وقت میں لائے گئے پیغام کو پہنچانے کے لیے اقرار لینے کا ذکر ہے اور یہ اقرار انبیاء کرام سے لیا گیا ہے جو صفت نبوت سے عالم امر میں موجود تھے اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکر بھی خطاب کے ساتھ ہے تو یہ اقرار اسی صورت

میں لیا جا سکتا تھا کہ آپ عالم امر میں موجود تھے اور آپکی خلقت ہو چکی تھی ورنہ اقرار لینے کا کوئی مطلب نہیں بنتا ہے اور نہ ایسے اقرار لینے کا تصور ہو سکتا ہے کہ اقرار کرنے والا معدوم ہو موجود نہ ہو اور اس سے اقرار لیا جاتا ہو۔ حقیقت وصراحت سے بغیر دلیل کے ہٹ جانا کسی طرح متصور نہیں ہو سکتا ہے

اب چند احادیث وروایات پیش کرتے ہیں۔ جن سے مندرجہ بالا مضمون کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حقیقی طور پر سب سے پہلے مخلوق ہیں اور صفتِ نبوت سے بالفعل موصوف تھے صاف طور پر واضح ہو جاتا ہے۔ اَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ اَنَا مِنْ نُوْرِاللّٰهِ وَخَلَقَ کُلَّهُمْ مِنْ نُوْرِیْ (مدارج)

اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات سے پہلے میرے نور کو پیدا فرمایا میں اللہ کے نور سے ہوں اور ساری مخلوق میرے نور سے ہے۔ معلوم ہوا کہ ہر چیز سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے نور اقدس کو پیدا فرمایا۔ جبکہ باقی کائنات عالمِ عدم میں تھی۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ ہر نوری اور غیر نوری کے اصل ہیں کیا اچھا کسی نے کہا ہے

نہ شمع جلتی نہ پھول کھلتے نہ دن نکلتا نہ رات ہوتی جو یہ نہ ہوتے تو کچھ نہ ہوتا وجودِ کون ومکان نہ ہوتا

۲۔ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم۔ کا اوّل وآخر ہونا آپ کے اعظم خصائص اور بے مثل شانِ امتیازی سے ہے۔ دوسرے انبیاء کرام علیہ السلام پر اتنا ایمان لانا ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پیارے نبی رسول ہیں لیکن ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اتنا ایمان لانا کافی نہ ہوگا کہ وہ رسول ہیں بلکہ آپ کی رسالت کو ماننے کے بعد یہ بھی ضروری ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رسول اوّل بھی ہیں اور رسول آخر بھی ہیں اور سب کے رسول ہیں آخری نبی ہونے کا بیان اور سب کے رسول ہونے کا بیان قرآن پاک میں آچکا ہے۔ سورۂ احزاب میں ہے وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ۔ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول اور تمام نبیوں کے خاتم وآخری ہیں۔ اور خاتم کا معنیٰ آخری کے ہیں۔ اس کی تفسیر نبی کریم علیہ السلام نے خود فرمائی۔

اَلَّذِیْ لَیْسَ بَعْدَهٗ نَبِیٌّ اَنَا خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ۔ (خصائص کبریٰ ج ص ۱۹۳)

جس کے بعد کوئی نبی نہیں۔ میں انبیاء کا خاتم ہوں، میرے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا۔

اَنَا خَاتَمُ الْاَنْبِیَآءِ وَمَسْجِدِیْ خَاتَمُ مَسَاجِدِ الْاَنْبِیَآءِ۔ میں آخری نبی ہوں اور میری

مسجد انبیاء کرام کی بنائی ہوئی مسجدوں میں آخری مسجد ہے "، مسجدیں تو بنتی رہیں گی مگر ایسی آخری سجد کہ کسی آخری نبی کی بنائی ہوئی مسجد ہو وہ صرف مسجد نبوی ہے ۔ اسی مسجد نبوی کو آخر المساجد کہا گیا ہے لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں آپ کے بعد نئی شریعت لے کر آنے والا یا بغیر نئی شریعت کے آنے والا مستقل یا تابع کسی طرح کوئی نیا نبی و رسول نہیں آسکتا ہے نہ اس کی ضرورت باقی رہی ہے ۔ قرآن و حدیث اور اجماع امت اس پر واضح دلیل ہے ان قطعی یقینی دلائل کے مقابلہ میں کوئی مکاشفہ ہو یا کوئی کسی کی عبادت ہو یا کوئی گمان ہو سب رد ہو کر رہیں گے ۔ رسالت عامہ کا بیان بھی قرآن پاک میں ہے لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا یعنی آپ کو سارے جہانوں کے لیے ڈرسنانے والا بنا کر بھیجا گیا ہے اور وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر سب انسانوں کے لیے اور حدیث قدسی میں آپ کا اول و آخر نبی ہونے کا ذکر آیا ہے ۔

قال تبارک وتعالیٰ جَعَلْتُكَ أَوَّلَ النَّبِيِّينَ خَلْقًا وَآخِرَهُمْ بَعْثًا وَجَعَلْتُكَ فَاتِحًا وَخَاتِمًا (برآ و ابو نعیم) خصائص کبریٰ : ج ۲ ص ۱۹۷)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم پیدائش کے لحاظ سے تم کو سب نبیوں سے پہلے اور بلحاظ بعثت سب سے آخر بھیجا، نبوت کی ابتداء کرنے والا اور ختم کرنے والا تم کو ہی بنایا

كُنْتُ أَوَّلَ النَّاسِ فِي الْخَلْقِ وَآخِرَهُمْ فِي الْبَعْثِ (ابن سعد) کنز العمال ج ۶ ص ۱۰۶

میں سب انسانوں میں پیدائش میں پہلا ہوں اور سب انبیاء میں باعتبار بعثت پچھلا ہوں معلوم ہوا کہ اَوّلاً بالذات سب سے پہلے نبی حضور علیہ السلام ہی ہیں آپ سے پہلا نبی کوئی نہ تھا مگر چونکہ اس ظاہری عالم کے لحاظ سے آپ کا ظہور آخر میں ہوا، اس لیے آپ آخر الانبیاء بھی ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت سب سے آخر میں ملی بلکہ اس معنی سے کہ آپ کا ظہور سب سے آخر میں ہوا۔ ورنہ منصب نبوت کے لحاظ سے آپ کی ولادت سے قبل اور ولادت کے بعد چالیس سالہ عمر مبارک سے پہلے اور اسکے بعد کے زمانہ میں کوئی فرق نہیں ہے آپ ہر دور اور ہر حال میں نبوت و رسالت سے متصف رہے ہیں ۔ اور آج بھی اور قیامت تک مرتبہ ختم نبوت سے متصف رہیں گے ۔

اولاً بالذات باعتبار خلق واتصافِ نبوت اولیت کا سہرا ہمارے رسول صلے اللہ علیہ وسلم ہی کو حاصل ہے اس وصف وکمال میں آپ کے ساتھ کوئی بھی نہ شریک ہے نہ مثل ہے۔ ہمارا تو دعویٰ ہے کہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم اس وقت بھی تخت وتاج نبوت ورسالت سے سرفراز تھے جبکہ آدم علیہ السلام کے جسد پاک میں رُوح بھی نہیں ڈالی گئی تھی۔

کُنْتُ نَبِیًّا وَّاٰدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ کُنْتُ نَبِیًّا وَّاٰدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ

مجھے اس وقت نبوت مل گئی تھی جبکہ آدم روح اور جسم کے درمیان تھے۔ میں اس وقت نبوت سے سرفراز ہو چکا تھا۔ جبکہ آدم پانی اور مٹی کے درمیان تھے۔

شبہ: بعض لوگ ضد وحسد کے شکار ہوتے ہیں ایسے مریضوں کا خیال ہے کہ جن احادیث مبارکہ میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بارے آیا ہے کہ آپ اول مخلوق ہیں اور آدم علیہ السلام سے بھی پہلے آپ نبی تھے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ اللہ کے علم میں نبی تھے۔ آپ نہ پہلے پیدا کئے گئے تھے نہ ہی نبوت سے متصف تھے بلکہ ولادت کے بعد چالیس سال کی عمر میں نبوت آپ کو ملی تھی۔

ازالہ شبہ: ہم آیات اور احادیث کی روشنی میں یہ ثابت کر چکے ہیں کہ آپ اول مخلوق بھی ہیں اور آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے ہی آپ مرتبہ نبوت سے متصف تھے۔ رہا یہ کہ آپ صرف علم الہٰی میں نبی تھے۔ یہ ایک ایسا خیال ہے جس کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ کیونکہ علم الہٰی ازلی ہے یعنی پوری کائنات کا علم اللہ تعالیٰ کو پہلے سے حاصل تھا اور اس کا علم کبھی نہیں ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کا علم اس کا ذاتی کمال ہے اور اللہ تعالیٰ غیر محدود علم رکھتا ہے معلومات کو ظاہری وجود میں لانے سے پہلے ہی جانتا تھا اب اگر نبی علیہ السلام کا نبوت سے متصف ہونا صرف علم الہٰی کی حد تک محدود رکھا جائے تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیتِ شان کیا ہوگی جبکہ خدا کے علم میں ہر شئے ازل سے موجود ہے۔

نبوت کے مرتبہ سے موصوف ہونے کا ذکر تو احادیث میں ہے آپ اگر پہلے سے موجود نہ تھے اور صرف نبوت موجود تھی تو یہ بھی عقل کے خلاف ہے کہ صفت موصوف کے تابع ہوتی ہے عجیب بات ہے صفت تو موجود ہو اور موصوف نہ ہو آخر صفت کا قیام یا نسبت کس کے ساتھ ہوگی۔

معلوم ہوا کہ صفت کی موجودگی موصوف کے موجود ہونے کی دلیل ہے۔ اوّل مخلوق ہونا اور نبی ہونے کا ذکر تو دلائل و عبارات میں موجود ہے اور حقیقت و اصل پر عبارت کو واقع کرنا ضروری ہوتا ہے جب تک کہ حقیقی معنے مراد لینے میں عقلی یا شرعی دلیل مانع نہ ہو یا قابل قبول قرینہ نہ ہو۔ یہاں تو خارجی اشارات خود اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ آپ اول مخلوق اور نبی ہیں۔

علامہ حافظ خفاجی علیہ الرحمۃ شرح شفاء میں فرماتے ہیں کہ حدیث کُنْتُ نَبِیًّا وَّآدَمُ بَیْنَ الْمَآءِ وَالطِّیْنِ سے واضح ہوا کہ نبی کریم کو پیدائش آدم سے پہلے ہی نبوت و رسالت سے حقیقتاً سرفراز فرمادیا گیا تھا اور جیسے صفتِ وجود میں آپ سب سے مقدم ہیں ایسے ہی صفتِ نبوت میں بھی آپ سب سے اوّل و مقدم ہیں۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے۔

یَاجَابِرُ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرُ نَبِیِّكَ (روح المعانی، مصنف عبدالرزاق)

اے جابر جو چیز اللہ نے سب سے پہلے پیدا کی ہے وہ تیرے نبی کا نور ہے اس حدیث کے جملہ سے معلوم ہوا کہ آپ اوّل مخلوق حقیقۃً ہیں اور ساتھ ہی آپ نبی اول بھی ہیں کیونکہ اس میں نبی کی طرف اضافہ ہے اور نور سے آپ کی ذات ہی مراد ہے۔ اور یہ اضافتِ بیانیہ ہے کہ دونوں سے ایک ہی ذات مراد ہے۔ زرقانی وغیرہم محدثین نے اس حدیث کو صحیح قرار دے کر اس پر اعتماد فرمایا ہے حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مدارج النبوت میں فرمایا۔ و در حدیث صحیح وارد شدہ کہ اوّل ما خلق اللہ نوری یعنی صحیح حدیث میں آیا ہے کہ سب سے پہلے اللہ نے میرے نور کو پیدا فرمایا ہے۔

ان روایات سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی ہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے پیدا فرما کر سب سے پہلے شرفِ نبوت سے نوازا ہے۔

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسین وہی طٰہٰ

مزید اپنے دعویٰ پر شہادت عرض کرتے ہیں۔

حضرت شیخ اکبر رضی اللہ عنہ نے فتوحاتِ مکیہ، جلد سوم، باب ۳۸۲ صفحہ ۱۶۷ پر فرمایا ہے کہ فخر موجودات

آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بشری نبوت سے پہلے بھی موجود تھے جیساکہ آپ نے خود فرمایا ہے کہ میں اس وقت بھی نبی تھا، جب کہ آدم علیہ السلام کا جسم تیار کیا جارہا تھا، اور آپ ہی آخری نبی ہیں جیساکہ اللہ نے فرمایا۔ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (سورہ احزاب آیت ۴۰)

ہاں وہ اللہ کے رسول اور سب نبیوں میں پچھلے ہیں۔

(الیٰ ان) وَدَخَلَ بِهٰذَا الْقَوْلِ كُلُّ اِنْسَانٍ فِي الْعَالَمِ مِنْ زَمَانِ بِعْثَتِهٖ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ فِيْ اُمَّتِهٖ فَالْخَضِرُ وَاِلْيَاسُ وَعِيْسٰى مِنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظَّاهِرَةِ وَمِنْ اٰدَمَ اِلٰى زَمَنِ بِعْثَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اُمَّتِهِ الْبَاطِنَةِ فَهُوَ النَّبِيُّ بِالسَّابِقَةِ وَهُوَ النَّبِيُّ بِالْخَاتِمَةِ فَظَهَرَ مِنْ كَلَامِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ السَّابِقَةَ عَيْنُ الْخَاتِمَةِ فِي النُّبُوَّةِ ۔ (ص ۱۴۴) از جواہر البحار)

اس ارشاد گرامی کے مطابق آپ کے مبعوث ہونے کے وقت سے قیامت تک دنیا کے سارے انسان آپ کی امت میں شامل ہیں۔ پس حضرت خضر، حضرت الیاس اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی ظاہری امت محمدیہ میں شامل ہیں، اور آدم علیہ السلام سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک جتنے انسان ہوئے وہ آپ کی باطنی امت ہے۔ پس نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پہلوں کے بھی نبی ہیں اور پچھلوں کے بھی۔ رسول اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی سے ظاہر ہوگیا کہ آپ کی پہلی نبوت (قبل از بعثت) بھی بالکل پچھلی نبوت کی طرح ہے۔ (جواہر البحار جلد اول)

حضرت شیخ اکبر اور علامہ اسماعیل نبہانی کی عبارت سے معلوم ہوا کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت آدم علیہ السلام سے بھی پہلے نبی تھے۔ یہ بھی واضح ہوگیا کہ آپ کی نبوت باطنہ کا زمانہ آپ کی خلقت سے شروع ہوتا ہے اور نبوت ظاہرہ کا زمانہ اعلان نبوت سے شروع ہوتا ہے گویا کہ آپ خلقت کے زمانہ ہی سے مرتبہ نبوت سے متصف تھے۔ ہمارا مدعیٰ ثابت ہوگیا کہ ہمارے رسول کریم آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور اقدس یا حقیقت محمدیہ تخلیق کے لحاظ سے سب سے اول مخلوق حقیقۃً ہیں اس پر دلائل گذر چکے ہیں اس پر آیات مبارکہ اور احادیث مقدسہ اور علمائے مفسرین و محدثین کرام کے اقوال مبارکہ گواہ ہیں۔ سیدنا ابوہریرہؓ

روایت فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس آیۃ کریمہ کی حقیقت بیان فرماتے ہیں۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ (الآیۃ) كُنْتُ اَوَّلَ النَّبِيّٖنَ فِي الْخَلْقِ وَاٰخِرَهُمْ فِي الْبَعْثِ (احادیث المثناۃ ص۶)

ترجمہ: میں پیدائش کے لحاظ سے سب انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے پہلے ہوں اور مبعوث ہونے کے لحاظ سے سب انبیاء سے آخر میں ہوں۔ اس روایت پر حوالجات ملاحظہ فرمائیں۔

تفسیر ترجمان القرآن ص۵۴ ج ۱۱، مقاصد الحسنہ ص۳۲۷) تفسیر در منثور للسیوطی ج ۵ ص۱۸۴۔ تفسیر ابن جریر ج ۱۵ ص۹ تفسیر معالم التنزیل ج ۵ ص۱۹۲ خصائص کبریٰ ج ۱ ص۹ دلائل النبوت ج ص۶ از ابو نعیم جواہر البحار ص۶۹۱، انوار المحمدیہ ص۷ از نبہانی، شفا شریف، مواہب اللدنیہ ج ۱ ص۶ از احمد قسطلانی آفتاب نبوت ص۱۱ تفسیر محمدی ص۲۰۷ از غیر مقلد مولوی حافظ محمد صاحب لکھوکے پاکستان

حضرت عمر فاروق خلیفہ دوم، عبداللہ بن عباس اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے کہ نبی کریم علیہ السلام سے پوچھا گیا۔ متٰی كُنْتَ نَبِيًّا آپ کب سے نبی ہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وَاٰدَمُ بَيْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ۔ آدم علیہ السلام ابھی روح اور جسد کے درمیان میں ہی تھے تو میں اس وقت بھی نبی تھا۔ (مقاصد الحسنہ للسخاوی ص۳۲۷۔ آفتاب نبوت ص۱۱۰)

مزید حوالے ملاحظہ فرماویں (تفسیر در منثور ج ۵ ص۱۸۴ دلائل النبوت بیہقی ج ۱ ص۶۲، ترمذی شریف ج ۲ ص۲۰۱، الوفاء باحوال المصطفےٰ محمد ابن جوزی ج ۱ ص۳۳، عرائس البیان ج ۱ ص۲۳۸، مدارج النبوت للشیخ عبدالحق دہلوی ج ۲ ص۳ جواہر البحار ص۴۹۱ احادیث المشکوٰۃ ص۵ خصائص الکبریٰ ج ۱ ص۱۲ مواہب اللدنیہ ص۶ للقسطلانی زرقانی شریف ص۳۹)

ان حوالوں کے بعد ہمارے مدعٰی کے خلاف کرنا یا مخالفت کو سوچنا ضد وحسد کی علامت ہے مولوی اشرف علی صاحب دیوبندی لکھتے ہیں کہ ایسے ہی الفاظ میسرہ جنتی کی روایت میں بھی آئے ہیں۔ امام احمد اور امام بخاری نے اپنی تاریخ میں اور ابو نعیم نے حلیہ میں اس کو روایت کیا ہے اور حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے (نشر الطیب ص۶)

اب مزید ایک حدیث شریف پڑھیں اِنِّیْ عِنْدَ اللّٰہِ مَکْتُوْبٌ خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ وَاٰدَمُ لَمُنْجَدِلٌ فِیْ طِیْنَتِہٖ ۔ ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ کے نزدیک میں خاتم النبیین ہو چکا تھا اور آدم علیہ السلام ہنوز اپنے خمیر ہی میں پڑے تھے. اس پر یہ حوالے ہیں.

(مشکوٰۃ شریف ص۵۱۳ دلائل النبوت بیہقی ص۶۹، ۱۷، کتاب الوفا ص۳۶ شرح السنۃ نشر الطیب ص۶ مستدرک ج ۲ ص۴۱۸ مقاصد الحسنہ ص۳۲۷ اشعۃ اللمعات ج ۴ ص۴۹۹ تفسیر محمدی ص۱۰۶ ج ۱)

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ خصائص کبریٰ جلد اوّل میں عمدہ تبصرہ فرماتے ہیں ترجمہ حاضر ہے.

ایک یہ حدیث کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا اس کا مطلب ہم نے بیشک یہ لیا تھا کہ اس سے مراد وہ امت ہے جو آپ کے زمانہ سے قیامت تک ہوگی. مگر اب یہ علم ہوا کہ تمام نوعِ انسانی آپ کے حلقہ رسالت میں شامل ہے،، قطع نظر اس سے کہ عہد ماقبل میں گذر چکی ہے یا زمانہ مابعد میں آئے.

دوسری یہ حدیث کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "میں اس وقت بھی نبی تھا جب کہ حضرت آدم علیہ السلام ابھی روح و جسم کے درمیانی مرحلہ میں تھے." اس کا مطلب ہم یہ سمجھے ہوئے تھے کہ علم و ارادہ الٰہی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی تھے مگر اب یہ ظاہر ہوا کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مزید فضل و کمال اور عالمگیر رسالت اور ہمہ وقتی نبوت اور مطلق و بے قید ازمنہ کے لیے پیغمبری کا حامل ہوتا ہے

اس سے معلوم ہوا کہ آئمہ دین جس میں علاّمہ تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہم شامل ہیں انکا یہی نظریہ ہے کہ حضرت نبی کریم علیہ السلام حقیقۃً صفت نبوّت سے عالم امر میں موصوف تھے لیکن آپ کا ابلاغ فرمانا اپنی امت کو خصوصی طور پر اسی وقت ہو سکتا تھا کہ آپ ظاہری طور پر عالم اجسام میں جلوہ افروز ہوں اس لیے کہ آپ کی امت آپکی تبلیغ کو سننے اور قبول کرنے کے متحمل تب ہو سکتی تھی کہ آپ ظاہری عالم اجسام میں تشریف لائیں تو یہ کمزوری محل قبولیت میں ہوئی نہ کہ ابلاغ کے فاعل میں ہوئی ۔ اب کمزوری تو امت کے اندر ہوا اور اس کمزوری کو نادان امتی کا اپنے نبی کی صفت نبوّت کے ساتھ اول خلقت میں موصوف ہونے کا انکار کرنا بڑی زیادتی اور جسارت ہے.

حدیث اول میں آپ نے فرمایا کہ باعتبار خلقت کے آپ سب انبیاء کرام علیہم السلام سے اوّل ہیں یعنی جب سے انبیاء کرام صفت نبوّت سے موصوف ہونا قرار پا گئے تھے میں ان سب سے پہلے صفت نبوّت سے موصوف ہو چکا تھا۔ لیکن یہ اتصاف مرتبہ نبوت کے ساتھ میرا اوّل خلقت میں تھا۔ یہ اتصاف نبوت کی صفت کے ساتھ زمانہ بعثت میں خاص نہیں تھا بلکہ بعثت کے لحاظ سے تو میں سب انبیاء کرام سے آخر میں ہوں یعنی بعثت کے اعتبار سے انبیاء کرام پہلے ہیں اور میری بعثت سب کے آخر میں ہے۔ اب حدیث بالا نے واضح کر دیا کہ زمانہ خلقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سب اشیاء اور سب انبیاءؑ سے مقدم ہے اور آپ کی بعثت سب انبیا کرام کی بعثت سے مؤخر ہے۔ لہٰذا زمانہ خلقت و بعثت کو ایک سمجھنا بڑے ناسمجھ کی بات ہے۔

دوسری حدیث میں۔ جس کے راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں اس میں سائل کے سوال پر جواباً ارشاد فرمایا۔ سائل نے یہ نہیں پوچھا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم علم الٰہی یا ارادۂ الٰہی میں کب سے نبی آ رہے ہیں بلکہ سائل نے پوچھا آپ کا زمانہ نبوت کب سے شروع ہوا یہ اس لیے کہ متی عموم زمانہ کے لیے آتا ہے آپ نے فرمایا میرا نبوت سے موصوف ہونے کا زمانہ تو آدم علیہ السلام سے بھی مقدم ہے اور بشریت کا آغاز آدم علیہ السلام سے چلا ہے گویا زمانہ بشریت سے بھی میں پہلے نبی ہو چکا تھا۔ اس اتصافِ نبوت کو مجازاً نہیں کہہ سکتے ہیں اس لیے کہ سائل نے مجاز سے سوال نہیں کیا ہے اور نہ ہی مجاز پر استحالہ شرعی یا عقلی متحقق ہے بلا ریب آپ نے حضرت آدم علیہ السّلام کا ذکر اس لیے فرمایا کہ سائل کے ذہن میں آدمؑ کی نبوت کا تصور تھا۔ نیز بشریت کا تقاضا تھا کہ ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کا عالم ظاہری پر نبی ہونے کا تقدم زمانی سوال کا سبب بن سکتا تھا۔ جس کے جواب میں آپ نے حضرت آدم علیہ السلام پر بھی زمانہ کے لحاظ سے تقدم نبوت کا اظہار فرمایا اور نبوت کے مرتبہ سے چونکہ انسان ہی موصوف ہوئے تھے اس لیے بھی حضرت آدم کا ذکر خیر فرما کر آپ نے حضرت آدم علیہ السلام سے موازنہ فرمایا۔ اعلان فرما دیا کہ میں حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے نبوت کی صفت سے سرفراز تھا۔

معلوم ہوا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے موجود بھی تھے اور صفت نبوت سے سب سے پہلے موصوف

بھی تھے۔ یہ بھی ثابت ہو گیا کہ وصف نبوت کا پایا جانا بغیر موصوف کے موجود ہونے کے ممکن ہی نہیں ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم وصف نبوت کے ساتھ موصوف تھے تو یہ پہلو غلط ہے نہ اس پر شرعی دلیل پائی جاتی ہے اور نہ ہی عقلی اس پر موجود ہے کیونکہ یوں تو سارے انبیاء کرام علیہم السلام وصف نبوت کے ساتھ ازل سے اللہ تعالیٰ کے علم میں موصوف تھے۔ تو احادیث بالا میں نبی کریم علیہ السلام کی مدح میں کونسی خصوصیت پائی جائے گی اور اس طرح نبی کریم علیہ السلام کا اپنے آپ کو اوّل مخلوق فرمانا یا سب سے اول نبی اپنے آپ کو قرار دینا بے معنی ہو کر رہ جائے گا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا علم ازلی اور قدیم ہے علم ازلی میں ساری مخلوق برابر اللہ تعالیٰ کے علم میں موجود ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ حضرت آدم علیہ السلام جب پیدائش کے مرحلہ میں تھے اس وقت سے خداوند کریم کے علم میں آپ وصف نبوّت کے ساتھ موصوف ہو چکے تھے یا اللہ تعالےٰ کے علم میں آپکا وصفِ نبوّت سے موصوف ہونا اس وقت سے تھا جب آپ ظاہری عالم اجسام میں وجود عنصری میں تشریف لاکر چالیس سال کی عمر پا چکے تھے تو ان صورتوں میں لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کا علم حادث ہو قدیم نہ ہو اور ازلی نہ ہو اور یہ بھی خرابی لازم آئے گی کہ اللہ تعالیٰ کو پہلے سے علم نہ ہو حالانکہ اللہ تعالےٰ مخلوق کو پیدا فرمانے سے پہلے ہی پیدا ہونے والی مخلوق کو ازل سے جانتا تھا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات مختصہ ازلی — واجب اور قدیم بالذات ہیں اور خداوند کریم کی صفات مختصہ امکان سے ہر طرح سے پاک ہیں لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت ساری مخلوق سے قبل موجود بھی تھی اور وصف نبوّت سے موصوف بھی تھی اور یہی ہمارا مدعیٰ ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ! اَخْبِرْنِیْ عَنْ اَوَّلِ شَیْءٍ خَلَقَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی قَبْلَ الْاَشْیَآءِ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے سب اشیاء سے پہلے کس چیز کو پیدا فرمایا۔ اس کے بارے آپ مجھے خبر ارشاد فرمائیں تو آپ نے ارشاد فرمایا اے جابر اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی خَلَقَ قَبْلَ الْاَشْیَآءِ نُوْرَ نَبِیِّکَ مِنْ نُّوْرِہٖ

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ نے سب اشیاء سے پہلے تیرے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو اپنے نور

سے پیدا فرمایا ـــــ اس حدیث پاک کو مصنف عبدالرزاق. فتاویٰ حدیثیہ مواہب اللدنیہ ۔ زرقانی ج ۱ صـ۴۶ سیرت حلبیہ صـ۳۷ حجۃ اللہ علی العالمین صـ۲۹ مدارج النبوت صـ۳۰۹ وغیرہم نے بیان کیا۔

محدث ابن جوزی نے یہ روایت بیان فرمائی ہے۔

اَنَا اَوَّلُ مَنْ جَاءَ فِیْ وُجُوْدِ الْعَالَمِ وَلَا مَاءَ وَلَا طِیْنَ وَلَا جِسْمَ وَلَا آدَمَ

ترجمہ: میں ہی سب سے پہلے وجود میں آیا۔ اس وقت نہ پانی تھا۔ نہ مٹی تھی نہ جسم تھا اور نہ ہی آدم علیہ السلام تھے۔ (المیلاد النبوی صـ۲۲ از ابن جوزی)

یہی محدث ابن جوزی دوسری روایت بیان فرماتے ہیں۔

اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ وَمِنْ نُوْرِیْ خَلَقَ جَمِیْعَ الْکَائِنَاتِ

ترجمہ: سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا فرمایا اور میرے نور سے پھر ساری کائنات (مخلوق) کو پیدا فرمایا۔ (المیلاد النبوی صـ۲۴)

ان روایات سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اول مخلوق حقیقۃً ہیں اور یہ بات صاف لفظوں سے ثابت ہے دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ آپ اول مخلوق ہونے کے ساتھ ساتھ آپ اول نور حقیقۃً بھی ہیں اور یہ بات بھی صریح لفظوں سے واضح ہے، تیسری بات یہ ثابت ہو گئی ہے کہ آپ ساری مخلوق کے وجود کے لیے واسطہ اور وسیلہ عظمیٰ بھی ہیں کہ آپ کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوق کو پیدا فرمایا۔ چوتھی بات یہ معلوم ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور اقدس ساری مخلوق کے لیے اصل ہے کہ آپ کے نور اقدس سے اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوق کو پیدا فرمایا اور ایسا ہونا بالکل درست ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفت قدرت سے کوئی ممکن کام باہر نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر شئی پر قدرت رکھتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کُنْ سے سب کچھ پیدا فرما سکتا ہے جو قرآن پاک سے ثابت ہے تو اس کُنْ کا یہ بھی مظاہرہ ہو سکتا ہے کہ اللہ اپنے نور کے فیضان سے نورِ مصطفےٰ علیہ السلام کو پیدا فرما دے اور پھر نور مصطفےٰ سے ساری مخلوق کو پیدا فرما دے یہ سب کچھ خدائے پاک کی قدرت میں داخل ہے خارج نہیں ہے۔ اور مزید تفصیل حدیث

جابر میں موجود ہے۔

مِنْ نُوْرِہٖ کا مطلب

اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت مولانا شاہ احمد رضا خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ مِنْ نُوْرِہٖ کی تشریح فرماتے ہیں کہ عین ذاتِ الٰہی سے پیدا ہونے کے یہ معنی نہیں کہ معاذ اللہ ذاتِ الٰہی ذاتِ رسالت کے لیے مادہ ہے جیسے انسان مٹی سے پیدا ہوا یا (عیاذ باللہ) ذاتِ الٰہی کا کوئی حصہ یا کل ذاتِ نبی ہوگیا۔ اللہ عزوجل کے حصے اور ٹکڑے اور کسی کے ساتھ متحد ہوجانے یا کسی شئے میں حلول فرمانے سے پاک اور منزہ ہے۔ (از صلوٰۃ الصفا۔ فی نور المصطفیٰ ص۴۷)

بلکہ من نورہ میں من ابتداء غایت کے لیے ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ نور مصطفیٰ کی ابتداء ذات الٰہی کے فیضان سے ہوئی اور اس بات کی تائید مولوی اشرف علی صاحب دیوبندی نے بھی کی ہے۔ ملاحظہ ہو نشر الطیب ص۵۔

حضرت امام زین العابدین رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے جو اپنے باپ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اور وہ اپنے والد ماجد حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کُنْتُ نُوْرًا بَیْنَ یَدَیْ رَبِّیْ قَبْلَ خَلْقِ اٰدَمَ بِاَرْبَعَۃَ عَشَرَ اَلْفَ عَامٍ میں آدم علیہ السلام کے پیدا ہونے سے چودہ ہزار برس پہلے اپنے پروردگار کے حضور میں ایک نور تھا بحوالہ سیرت حلبیہ ج ۱ ص۴۹۔ زرقانی ج ۱ ص۴۹ نشر الطیب ص۷ یاد رہے جن احادیث مبارکہ میں عدد و گنتی کا اختلاف آتا ہے تو محدثین کم عدد کی روایت میں یہ تاویل فرمایا کرتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کم سے کم اتنا ہے زیادہ جتنا بھی ہو یعنی اس سے کم کی نفی ہے۔ زیادتی کی نفی مراد نہیں ہوتی ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حضور حضرت آدم علیہ السلام سے بہت پہلے نور کی حالت میں جلوہ گر تھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل امین سے پوچھا۔ تمہاری عمر کتنے سال ہے تو جبریل علیہ السلام نے عرض کیا میں بہت زیادہ تفصیل سے اپنی عمر کا حساب نہیں بتاسکتا ہوں صرف اتنا جانتا ہوں کہ چوتھے حجاب میں ایک ستارہ تھا وہ ستارہ ہر

ستر ہزار سال کے بعد ایک مرتبہ طلوع ہوتا تھا اور میں نے اس ستارہ کو بہتر ہزار بار طلوع ہوتے دیکھا ہے
حضرت جبریل امین کا یہ کلام سن کر ہمارے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ وَعِزَّةِ رَبِّيْ
جَلَّ جَلَالُهٗ اَنَا ذٰلِكَ الْكَوْكَبُ مجھے اپنے رب کریم جل جلالہ کی عزت کی قسم کہ وہ ستارہ میں ہی
تھا۔ (حوالہ جات سیرت حلبیہ ج ۱ ص۴۹) تاریخ کبیر از امام بخاری. تفسیر روح البیان ج ۱ ص۹۷۴

فائدہ اس روایت سے واضح ہو گیا کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبریل امین سے بہت پہلے نورانی ستارہ کی صورت میں موجود تھے۔ نیز بشریت کا آغاز تو حضرت آدم علیہ السلام سے ہوا ہے۔ اور حضرت نبی علیہ السلام بشریت سے بھی پہلے تھے تو معلوم ہوا کہ آپ کی بے مثل بشریت کی ایک الگ شان ہے اور آپ کی حقیقت یا اصلیت کی تفسیر اصل نور سے بیان ہوئی تو جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام صفات کاملہ ممکنہ کے جامع ہیں اسی طرح آپ کی حقیقت بھی تمام حقائق کی اصل بھی ہے اور جامع بھی ہے اور یہ مرتبہ آپ ہی کی شایانِ شان ہے۔ حضرت سیدنا امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب حضرت آدم علیہ السلام سے لغزش ہوئی تو حضرت آدم نے عرض کیا۔ اے میرے رب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے مجھے معاف فرمادے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم علیہ السلام تو نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے پہچانا؟ اس پر آدم علیہ السلام نے عرض کیا۔ اے رب تعالیٰ جب تو نے مجھے اپنے دست کرم سے پیدا فرمایا اور مجھ میں روح پھونکی تو میں نے اپنے سر کو اٹھا کر اوپر دیکھا تو عرش کے ستونوں پر لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ لکھا ہوا دیکھا۔ پس اس سے میں نے جان لیا کہ جس ہستی کا نام تو نے اپنے اسم شریف کے ساتھ ملایا ہے وہ ہستی تمام مخلوق سے بڑھ کر تجھ کو محبوب ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم علیہ السلام تو نے سچ کہا قَدْ غَفَرْتُ لَكَ۔ بیشک میں نے تمہاری لغزش معاف فرمادی۔ لَوْلَا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ اگر محمد رسول اللہ کی ذات نہ ہوتی تو میں تجھے پیدا ہی نہ فرماتا۔ حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔ (الوفاء باحوال المصطفیٰ ج ۱ ص۳۲ خصائص کبریٰ ج ۱ ص۱۷ طبرانی شریف ج ۲ ص۸۲، ۸۳۔ مستدرک ج ۲ ص۶۱۵ ابن عساکر ج ۲ ص۳۵ زرقانی شریف ج ۱ ص۶۲ مواہب اللدنیہ ص۱۲ وغیرہا)۔

اس صحیح حدیث بالا سے معلوم ہوا کہ ظاہری عالم اجسام میں تشریف آوری سے پہلے ہی سے آپ

حضرت آدم علیہ السلام کے لیے وسیلہ تھے آپ کے ذریعے حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ آپ کی ذات سارے عالم اور حضرت آدم علیہ السلام کے بھی مقصود تھے کیونکہ ساری خلق کی پیدائش آپ کی خاطر ہوئی ہے تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ آپ کا اسم گرامی اتنا محبوب تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے نام اقدس کے ساتھ عرش پر لکھا ہے چوتھی بات یہ ظاہر ہوئی کہ آپ اللہ تعالیٰ کے ہاں ساری مخلوق سے زیادہ محبوب ہیں اور یہی عقیدہ حضرت آدم علیہ السلام سے جو کہ سب انسانوں کے باپ ہیں اہل اسلام کو عموماً اور اہل سنت وجماعت کو خصوصاً وراثت میں ملا ہے پانچویں بات یہ ثابت ہوئی کہ نبی کریم کے وسیلہ سے خواص وعوام مسلمانوں کی بخشش ہوتی ہے۔

چھٹی بات یہ واضح ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے موجود تھے۔

اب ہم رسالہ کلمۃ الحق فی الاحتفال بمولد سید الخلق از مجموعہ رسائل مصنفہ الشیخ عبداللہ بن زید آل محمود رئیس المحاکم الشرعیۃ والشئون الدینیۃ دولت قطر۔ مترجم مختار احمد ندوی کی نقل کی ہوئی حدیث کو نقل کرتے ہیں۔ شیخ عبداللہ بن زید نے اپنے رسالہ میں میلاد النبی کا شرعی طریقہ کے عنوان پر استدلال کیا ہے۔

عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے اہتمام محافل

عَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ قَالَ اِنِّيْ عِنْدَ اللّٰهِ مَكْتُوْبٌ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ وَاِنَّ اٰدَمَ لَمُنْجَدِلٌ فِيْ طِيْنَتِهِ وَسَاُخْبِرُكُمْ بِاَوَّلِ اَمْرِيْ دَعْوَةُ اِبْرَاهِيْمَ وَبِشَارَةُ عِيْسٰى وَرُؤْيَا اُمِّيَ الَّتِيْ رَأَتْ حِيْنَ وَضَعَتْنِيْ وَقَدْ خَرَجَ لَهَا نُوْرٌ اَضَاءَ لَهَا مِنْهُ قُصُوْرُ الشَّامِ (شرح السنۃ، مشکوٰۃ ص۵۱۳)

امام احمد نے عرباض ابن ساریہ السلمی سے روایت کی ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میرا نام اللہ کی کتاب میں عبداللہ اور خاتم النبیین ہے اور جب کہ آدم مٹی کی شکل میں تھے اور یہ میرے والد ابراہیم کی دعا، اور عیسٰی کی بشارت اور میری ماں آمنہ کے خواب کا ظہور ہے میری ماں نے یہ خواب دیکھا تھا کہ ان کے اندر سے ایک نور نکلا جس نے شام کے محلات کو روشن کر دیا۔ (ترجمہ از مختار ندوی)

شیخ عبداللہ صاحب نے کہا کہ یہ حدیث اس معنی میں سب سے واضح اور صحیح حدیث ہے۔ یعنی شیخ صاحب

کے ہاں میلاد النبی کا شرعی طریقہ اس حدیث صحیح سے ثابت ہو رہا ہے۔ بہرحال شیخ صاحب کے ہاں میلاد النبی کوئی بدعت سیئہ یا ناجائز کام نہیں ہے بلکہ میلاد النبی شرعی امر ہے۔ یعنی شریعت نے میلاد منانے کو مشروع اور جائز قرار دیا ہے جس پر حدیث مذکور شاہد و دلیل ہے اور حدیث بھی واضح اور صحیح حدیث ہے۔ شیخ نے اپنے رسالہ میں بڑا علمی ہیر پھیر اور چکر کھا کر آخر میں میلاد النبی کے شرعی حیثیت ثابت کر دی لیکن یہ بات بھی واضح ہے کہ جب میلاد منانا شرعاً جائز ہے چاہے محفل منعقد کرو یا انفرادی طور پر خاموش مراقبہ کرو یا اکیلے ہی اپنے آپ سے میلاد کے موضوع پر گفتگو کرو۔ یا رسالہ کلمۃ الحق فی الاحتفال بمولد سید الخلق کے نام سے شائع کر کے محفلوں اور مجلسوں تک تحریراً پہنچاؤ۔ ہر حال میں میلاد منانا شرعاً جائز ہے بدعت وحرام نہیں ہے۔ ادھر تو منکرین میلاد بے جا شور مچاتے ہیں کہ محفل میلاد منعقد نہ کریں ورنہ بدعت میں پڑ جاؤ گے۔ ادھر خود ہی حدیث شریف سے میلاد کی شرعی حیثیت ثابت کر کے محافل میں تحریری میلاد النبی مناتے بھی ہیں یہ ہی تو انعقاد محفل ہے اب اسی صحیح حدیث کو اگر اہل سنت وجماعت کا عالم دین اسی رسالہ کلمۃ الحق فی الاحتفال بمولد سید الخلق کو ہاتھ میں لیکر پڑھنا شروع کر دے۔ اور اس حدیث کو اور اس کے فوائد کو پڑھنا سنانا شروع کرے۔ تو شیخ آل محمود کی تحقیق کا کیا انجام یا حشر ہوگا۔ اس لیے کہ حدیث مذکور کو محفل میں پڑھنا یا سنانا شریعت میں تبلیغی امر ہے اور تبلیغ کرنا سنت وکار خیر ہے بشرطیکہ نیت اچھی ہو۔ فتنہ کی نیت نہ ہو۔ خوش عقیدہ مسلمانوں کو بدعقیدہ بنانا نہ ہو۔ اور تبلیغی جماعت تو اپنے اردو کے تبلیغی نصاب کو لے کر زور سے لوگوں کو پکڑ پکڑ کر جمع کرتے ہیں اور محفلیں منعقد کرتے ہیں اور اردو میں لکھی ہوئی کتابیں سناتے ہیں چاہے ان کتابوں میں صرف فضائل ہوں احکام کا نام تک نہ ہو بلکہ احکام ومسائل بیان کرنے کو تبلیغی جماعت اختلاف وفتنہ وانتشار کا سبب سمجھتے ہیں حالانکہ احکام ومسائل پر عمل کرنا اور عقائد حقہ پر ایمان لانا مقدم بھی ہے اور ضروری بھی ہے فضائل سنانا سننا نجات کے لیے کافی نہیں بلکہ عقائد کو ماننا سمجھنا اور احکام کو سمجھ کر عمل کرنا نجات کے لیے ضروری امور ہیں۔ فضائل تو صرف ترغیب وترہیب کا کام کرتے ہیں اور ترغیب وترہیب سے رغبت وخوف کے آثار کا پیدا ہو جانا کافی نہیں ہیں جب تک

عقائد حقہ اور احکام کی پابندی نہ کی جائے۔

شیخ نے محفل میلاد منعقد کرنے کے خلاف بڑا علمی سرمایہ خرچ کر ڈالا مگر شیخ پھر بھی نامراد و ناکام ہو کر رہ گیا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔ شیخ عبداللہ آل محمود دراصل متعصب ذہن کا آدمی ہے جو اس کے کلام سے ظاہر ہے اس نے علامہ السید احمد المحضار کے رسالہ محفل میلاد کے انعقاد کے جواز پر جا بجا حملے کئے اصل کتاب، علامہ السید احمد المحضار کی ہمارے پاس نہیں ہے تاکہ ہم علمی موازنہ کرتے۔ تاہم آل محمود کا قدرے تعاقب کریں گے۔ آل محمود صاحب محفل میلاد کے انعقاد کے شدید ترین دشمن ہیں جس پر ہم نے کافی حد تک دلائل دیدیئے ہیں اب شیخ عبداللہ صاحب کی نقل کردہ حدیث پر غور کرتے ہیں کہ حدیث مذکور قولی ہے آپؐ نے اس حدیث کو مراقبہ میں تصور نہیں فرمایا ہے اور نہ ہی اس حدیث کو زبان اقدس سے تنہائی میں بیان فرمایا ہے اگر ایسا ہوتا تو یہ حدیث صحابہ کرام تک کبھی نہ پہنچتی بلکہ آج اس حدیث کا نام و نشان بھی نہ ہوتا لہٰذا اس حدیث کو صحابہ کرام کے سامنے آپؐ نے بیان فرمایا ہے اور صحابہ کرام نے اس کو سن کر محفوظ فرمایا ساخبرگُو اس پر دلیل ہے اور پھر راویوں کے ذریعہ یہ حدیث احادیث کی کتابوں میں محفوظ ہوگئی ہے۔

اس حدیث کے فوائد

اس حدیث میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے میلاد کا بیان فرمایا ہے۔ معلوم ہوا کہ میلاد شریف بیان کرنا ہی ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جس طرح آپ نے اس حدیث کے ذریعے اپنے میلاد پاک کو صحابہ کرام کی محفل میں بیان فرمایا ہے اسی طرح ہم بھی مسلمانوں کی محفلوں میں میلاد کا بیان کر سکتے ہیں چاہے ذکر مصطفٰے اور میلاد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے محفل کا اہتمام ہو یا جیسے کہ سیرت کانفرنس کے نام سے ذکر مصطفٰے میلاد مصطفٰے کیلئے محفل منعقد کی جاتی ہے جس میں تبلیغی و دیوبندی اہل حدیث و امام کعبہ وغیرہ شریک ہوتے ہیں۔

یا کسی دوسری طرح سے انعقاد محفل ہو۔ محفل کثرت و قلت تعداد کا نام نہیں ہے چاہے محفل میں ایک سے زائد بندے شریک ہوں وہ محفل ہی کہلائے گی۔ اور یہ مفاد حدیث بالا سے حاصل ہے دوسری

بات حدیث مذکور سے یہ بھی معلوم ہوئی کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا میلاد پاک میں صرف سیرت کا پہلو نہ ہو بلکہ سب سے پہلے آپؐ کے فضائل و کمالات کو بیان کرو آپ کے منصب عالی کو بیان کرو مقام مصطفٰے اور عظمتِ مصطفٰے کو بیان کرو اس کے بعد سیرت کی عظمت کا تصور خود بخود پیدا ہوگا۔ جس طرح حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کے ہاں خاتم النبیین لکھے جا چکے تھے۔ یعنی آپ اپنی پیدائش کو حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے موازنہ فرما رہے ہیں کہ میں صفتِ ختم نبوت سے پہلے ہی سرفراز ہو چکا تھا اور میری یہ عظمت اللہ تعالیٰ کے یاں مکتوب تھی لیکن اس مکتوب ہونے کا ذکر لوح محفوظ میں مکتوب ہونے سے بہت پہلے کا ہے مقام مدح میں لوح محفوظ میں مکتوب ہونے کا ذکر خصوصیت کو پیدا نہیں کرتا۔ کیونکہ لوحِ محفوظ میں تو سب مخلوق کا ذکر مکتوب تھا۔ تو عظمت کو بیان کرنا خصوصیت کا تقاضا کرتا ہے شیخ عبداللہ نے کہا کہ یہ حدیث اس معنی میں سب سے واضح اور صحیح ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں آپ کو عبداللہ اور خاتم النبیین کہا گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی تخلیق آسمان و زمین سے پچاس ہزار برس پہلے لکھ دی تھی۔ ہم اس موضوع پر کئی بار تبصرہ کر چکے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حقیقتہً اوّل مخلوق ہیں اور اس حدیث میں واضح کر چکے ہیں اور شیخ عبداللہ نے اس حدیث کو واضح کہا ہے اور جب حدیث واضح ہے تو اس حدیث میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی تقدیر یا علم میں عبداللہ اور خاتم النبیین تھا۔ لفظ تقدیر کا نام تک نہیں آیا ہے اور ہم نے ثابت کر دیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کو اس حدیث میں بیان کیا گیا اور آپ کی مدح سرائی اس حدیث میں آپ کی اپنی زبان مبارک سے وارد ہوئی ہے جب عام مخلوقات کی طرح آپ کا ذکر بھی تقدیر میں تھا تو اس میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا اول مخلوق حقیقتہً ہونے کا انکار ہوگا نیز آپ کی خصوصیت بھی باقی نہیں رہے گی اور بہت سے احادیث مذکورہ اور دلائل مذکورہ کا انکار بھی لازم آئے گا۔ اس طرح بجائے اس کے کہ واضح حدیث اور صحیح حدیث میں جس عظمت کا بیان آیا ہے۔ شیخ عبداللہ کا بیان کیا ہوا مطلب واضح حدیث ہونے کے باوجود اس میں تقدیر کی پیوند لگانا واضح حدیث کو مبہم اور مؤول قرار دیتا ہے۔ اور یہ تضاد شیخ

عبداللہ کے ذمہ لازم آتا ہے۔

اس حدیث پر دوسری تاویل ملاحظہ کریں۔ شیخ عبداللہ نے کہا کہ لکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کو آپ کی نبوت کا علم پہلے سے تھا اور یہ کہ آپ خاتم النبیین والمرسلین ہونے والے ہیں اس سے شیخ کا مقصد صرف یہ ہے کہ وہ اس تاویل کے ذریعے اپنی بدعقیدگی کا اظہار کرتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ کسی طرح سے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی خصوصی امتیازِ عظمت اول مخلوق ہونا اور حقیقۃً صفت ختم نبوۃ کے ساتھ ساری مخلوق کی پیدائش سے پہلے موصوف ہونا ثابت نہ ہوجائے اور یہی وہابیت کا مذہب ہے

ہم پوچھتے ہیں کہ اس حدیث میں یہ دوسری تحریف ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کو تو ساری مخلوق کا علم ازل سے ہے اور خدا کا علم ازلی۔ واجب بالذات قدیم بالذات غیر متناہی اور مستقل بالذات غیر متزلزل غیر قابل زوال ہے ساری مخلوق کا علم اللہ تعالیٰ کو ازل سے ہے۔ علم باری تعالیٰ میں ازل سے ساری مخلوق مساویانہ طور پر معلوم ہے اور یہ اسلام کا عقیدہ ہے۔ اور علم عقائد میں یہ بات ثابت ہے کہ اللہ تعالےٰ کا علم ازلی تقدیم وتاخیر سے یا تقدم وتاخر سے پاک ہے ورنہ بعض چیزوں کو پہلے جاننے اور بعض کو بعد میں جاننے سے خداوند کریم کے علم میں تنقیص وجہالت کو شامل کرنا لازم آئے گا۔ اور یہ فرقہ وہابیہ کا عقیدہ ہے۔ حالانکہ قرآن پاک میں آیا ہے وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا اور اللہ ہر شئی کا ہمیشہ سے جاننے والا ہے اور ظاہر ہے کہ تقدم وتاخر زمانہ کے اعتبار سے ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات قدیم بالذات واجب بالذات ہیں زمانہ حادث اور مخلوق ہے اور خداوند کریم کا علم نہ حادث ہے نہ ہی مخلوق ہے بلکہ علم الٰہی واجب وقدیم بالذات ہے اور خداوند کریم کا علم وجود اشیاء پر بھی موقوف نہیں ہے بلکہ جب مخلوق کا وجود ہی نہ تھا پھر بھی خداوندکریم اپنی صفت علم ذاتی سے موصوف بالذات تھا اور یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے ورنہ علم الٰہی اور علم مخلوق میں فرق نہ رہے گا۔ نیز علم الٰہی اور علم مخلوق میں کیفیت وکمیت کے لحاظ سے مساوات شرک ہے فرقہ وہابیہ جس کی کئی برانچیں ہیں اکثر کہا کرتے ہیں کہ علم کلی یا علم ماکان ومایکون یا ساری مخلوق کا علم صرف اللہ تعالےٰ کو حاصل ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ ہے حالانکہ یہ عقیدہ درست نہیں ہے اس لیے کہ یہ کلمات یا جملے محدود علم کو ظاہر

کرتے ہیں کہ ساری مخلوق بھی تو آخر محدود ہے اور ممکن ہے اور اللہ تعالیٰ کو علم صرف ممکنات کا نہیں ہے بلکہ ممکنات واجبات۔ ممتنعات سب کا غیر محدود بالفعل بذات خود حاصل ہے بلکہ ہر جزئی ہر اکائی میں اللہ کو علم غیر متناہی شان سے حاصل ہے اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں مخلوق میں سے انبیاء کرام اور ملائکہ عظام علیہم السلام کا علم کسی طرح مناسبت نہیں رکھتا ہے۔ انبیاء کرام اور ملائکہ عظام علیہم السلام کا محدود علم بھی دوسروں کی نسبت سے اپنے اپنے مرتبہ کے لحاظ سے غیر محدود حیثیت رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا علم ہر لحاظ سے غیر محدود ہے قرآن پاک میں آیا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ قَدْ اَحَاطَ بِکُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا (بیشک اللہ نے ہر شئے کو علم سے احاطہ فرمایا ہے)

اور شئے سے مراد عام ہے ممکنات کے علاوہ بھی شئی میں داخل ہے۔

شیخ عبداللہ کا تیسرا تاویلی نکتہ ملاحظہ ہو اور آپ کی والدہ آمنہ کے خواب کی تفصیل یہ ہے کہ انہوں نے یہ دیکھا تھا کہ ان کے اندر سے ایک نور نکلا جس نے شام کے محلات کو روشن کر دیا۔ یہ اگرچہ نیند کا خواب تھا۔ لیکن وہ حقیقتہً واقع ہوا اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجسم ہدایت اور نور تام تھے

شیخ صاحب علامہ السید احمد المحضار کو تحریف کا مجرم بنانے کی کوشش کرتا ہے لیکن خود واضح حدیث میں تاویل تلاش کرتا ہے اور معنوی تحریف بھی کرتا جا رہا ہے۔ حدیث مذکور کو تو شیخ صاحب نے واضح اور صحیح حدیث تسلیم کر لیا تھا۔ اب جب اس حدیث سے صراحتہً اور واضح طور پر ثابت ہوا کہ آپ کی والدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے خواب دیکھا تھا کہ آپ سے ایسا نور نکلا جس نے شام کے محلات کو روشن کر دیا تھا۔ اور جب عالم بیداری میں آپ کو وضع کر رہی تھیں تو اس حال میں ان سے ایسا نور نکلا جس نے شام کے محلات کو روشن کر دیا۔ جب حدیث کے ظاہری الفاظ میں آپ کو نور قرار دیا گیا اور وہ بھی عالم ظاہری میں تشریف لانے سے آپ نے خود نور حسی ہو کر شام کے محلات کو کرامت کے طور پر روشن فرمایا۔ شام کے محلات کو روشن کرنا یہ آپ کے حسی نور ہونے کی واضح دلیل ہے۔ باقی رہا یہ کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم مجسم ہدایت ہیں یہ تو ظاہر ہے ہر نبی ہدایت دینے کے لیے اللہ کی طرف سے تشریف لاتے ہیں اور لوگوں کو ہدایت دینا یہ تو منصب نبوت و رسالت کی شان سے

ہے باقی نور نام تھے۔ یہ الفاظ حدیث میں نہیں ہیں حدیث میں خرج لھا نورٌ آیا ہے یعنی حضرۃ آمنہ رضی اللہ عنہا سے نور نکلا تھا۔ مختار ندوی صاحب نے بھی یہی ترجمہ کیا ہے کہ ان کے اندر سے ایک نور نکلا جس نے شام کے محلات کو روشن کر دیا۔ خود تسلیم بھی کرتے ہیں لیکن وہ حقیقتاً واقع ہوا تو نتیجہ یہ نکلا کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم حقیقۃً نور ہو کر تشریف لائے تھے۔

تو آپ" نور نام تھے" کا جملہ معنوی تحریف ہے اور واضح حدیث کے ظاہری الفاظ سے بالکل خلاف ہے۔ شیخ کا اصل میں مقصد یہ ہے کہ آپ مجسم ہدایت تو ہیں لیکن مجسم نور یا نور حسّی نہیں ہیں۔ ہاں نورؔ آپ کا نام ہے۔

"نور نام تھے" پر یہ آیت پیش کی ہے قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ، ترجمہ: (بیشک تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور آیا۔)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم نور ہو کر آئے ہیں اور آپ نور ہیں یہ تو آیت کریمہ میں نہیں آیا کہ آپ کا نام نور ہے۔ نیز آیت میں یہ آیا ہے کہ نور آیا ہے اور مفسرین کرام کی اکثریت نے نور سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں بیان فرمایا ہے لیکن اس آیت میں کسی معتبر تفسیر میں یہ نہیں کہا گیا ہے کہ نور نام آیا ہے یہ معنوی تحریف ہے حقیقۃً حسی نور کی نفی کیسے کر سکو گے جب کہ قرآن میں آپ کو سِرَاجًا مُّنِيْرًا فرمایا گیا ہے۔ منوّر کرنے والا چراغ۔ اب یہاں بھی کسی قسم کی تاویل کرنا بغیر شرعی استحالہ کے ناجائز ہے اور ظاہر آیت کے خلاف ہے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اول مخلوق حقیقۃً تھے اور اول خلقت میں وصف نبوت کے ساتھ موصوف بھی حقیقۃً تھے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ کا نام بھی صرف نور نہ تھا بلکہ آپ مجسم نور تھے نور معنوی اور نور حسی حقیقۃً تھے۔ آپ کی خلقت مقدسہ نہ نبوّت سے خالی رہی نہ ہی آپ حقیقۃً نورانیت سے الگ رہے ہیں

عید میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم منانے پر تصریحات

ہم نے سابقہ دلائل وشواہد کے ذریعے خاصی تحقیق آیات مبارکہ سے استدلال واستنباط کیا ہے

اہل نظر وفکر اور اہل انصاف ودیانت سے غالب توقع ہے کہ وہ قبول کریں گے اور احادیث مبارکہ سے بھی خاطر خواہ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم منانے پر دلائل پیش کئے گئے ہیں احادیث مبارکہ پر غور کرنے سے اقرار وتسلیم کے سوا چارہ نہ ہوگا ہاں تعصب وضد کا علاج نہیں ہے نہ ہی تعصب و ضد کو کوئی اہل شعور وعدل پسند کرتا ہے۔

اب چند مزید تصریحات پیش کرتے ہیں تاکہ اصل مسئلہ مزید اپنی مختلف وضاحتوں کے ساتھ زیادہ واضح ہوجائے۔ قرآن پاک سے ہمیں عام اجازت صیغہ امر کے ساتھ دی گئی ہے کہ ہر فضل و رحمت کے ملنے پر خوش ہوجایا کرو۔ خوشی منایا کرو۔

قُلْ بِفَضْلِ اللهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت کے حصول پر خوشی مناؤ۔) آیۃ کریمہ میں ہر چھوٹے بڑے فضل ورحمت ونعمت ملنے پر خوشی منانے کی عام اجازت دی گئی ہے جب ہر نعمت وفضل پر خوشی منانے فرحت ومسرت منانے کا حکم دیا گیا ہے تو تمام نعمتوں کی اصل ہر فضل ورحمت کا وسیلہ رحمتوں کی رحمت پوری کائنات کی رحمت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر تو زیادہ سے زیادہ خوشی منانے کا حق پہنچتا ہے۔ لہٰذا اس اصل کلی کے تحت میلاد شریف منانا ثابت اور واضح ہے۔ وہابی فرقوں کو قرآن واحادیث پر گہری نظر سے غور کرنا چاہیئے سطحی نظر سے قرآن پاک واحادیث مبارکہ میں تحقیق و استنباط کرنا بے فائدہ ہوتا۔ یہی وجہ ہے نجدی وہابی فرقے مسلمانوں کے اوپر ہی کفر وشرک وبدعت کی بمباری کرتے رہتے ہیں جس سے عالمی سطح پر مذہبی اختلافات وتفرقے اور فتنے ان لوگوں نے پیدا کردیئے ہیں۔

عَنْ اَبِيْ قَتَادَةَ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَوْمِ الْاِثْنَيْنِ فَقَالَ فِيْهِ وُلِدْتُ وَفِيْهِ اُنْزِلَ عَلَيَّ۔ رواہ مسلم (مشکوٰۃ شریف صہ ۱۷۹)

ترجمہ: حضرت ابی قتادہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیر کے روزے کے بارے پوچھا گیا تو فرمایا کہ اس دن میں پیدا ہوا اور اسی دن مجھ پر قرآن اتارا گیا تو پوچھا گیا کہ پیر کے روزے

میں ثواب کیا ہے۔ یا یہ کہ یا رسول اللہ آپ ہر پیر کو روزہ کیوں رکھتے ہیں اس میں کیا خصوصیت ہے اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے کہ جس دن یا رات نعمت کا حصول ہوا اس وقت میں خصوصیت کے ساتھ خوشی منانا جائز ہے جیسے اس حدیث میں پیر کے دن روزہ رکھنے کا بیان ہے۔ اس میں شک نہیں ہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رحمت عامہ ہیں ہر وقت آپ پر خوشی منائی جائے تو پھر بھی کم سے کم ہے۔ لیکن ہر وقت اہتمام کرنا بشری طاقت سے باہر ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت ہر وقت جاری رکھنا چاہیے لیکن نظام معاشی و معاشرتی کے دوسرے بھی تقاضے ہیں لہٰذا ہر وقت کی پابندی اٹھالی گئی ہے بہرحال دل سے احترام و تعظیم ہر وقت ضروری ہے لیکن میلاد شریف منانے کے لیے سالانہ بارہ ربیع الاوّل یا آگے پیچھے اہتمام کرنا کافی ہے ماہانہ یا ہفتہ وار میلاد شریف منائی جائے تو زیادہ غنیمت ہے۔ ہم میلاد شریف بارہ ربیع الاوّل کو ہی منانا ضروری نہیں سمجھتے ہیں اور نہ ربیع الاوّل کے دوسرے دنوں میں میلاد منانے کو واجب جانتے ہیں بلکہ صرف یہ ایک مستحسن امر ہے اور کارِ خیر ہے جب بھی جس وقت بھی میلاد شریف منائی جائے کارِ خیر ہی ہے۔ لیکن خاص دن کو منانے میں عوام و خواص کا آنا آسان ہو جاتا ہے اور یہ فطری امر ہے کہ قومی ملّی تقریبات میں اجتماع تعینِ یوم ہی سے سرانجام ہوتے ہیں جیسے سیرت کانفرنس ۱۲ ربیع الاوّل کو پاکستان کی حکومت مناتی ہے اور دوسری سیرت کانفرنسیں اور ختم نبوت کانفرنسیں اسلامی مدارس کے سالانہ جلسے یا دوسرے رائے ونڈ پاکستان میں تبلیغی وہابیوں کا سالانہ اجتماع یا ڈیوزبری برطانیہ میں سالانہ وہابی تبلیغی اجتماع وغیرہ وغیرہ یہ سب تعین یوم سے ہی سرانجام و منعقد ہوتے ہیں۔ اگر ان اجتماعات کے لیے تعین یوم بدعت سیئہ نہیں ہے تو میلاد شریف۔ معراج شریف وغیرہ کو خصوصی وقت میں منانا ہرگز بدعت نہیں ہے۔ نیز یہ بھی ثابت ہو گیا کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان بھی اس پیر کے دن روزہ رکھتے تھے جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ ایام خاص بابرکت میں تقریب کو منعقد کرنے کے لیے اجتماع۔ اجلاس۔ کانفرنس۔ محفل کا اہتمام کرنا جائز ہے۔ مزید یہ کہ وعظ کی محفل۔ دعوت ولیمہ۔ مجلس نکاح امتحان کی مجلسوں وغیرہ میں ویسے تو اتفاقی طور پر لوگ جمع نہیں ہو جاتے بلکہ ان محفلوں کا باقاعدہ اہتمام ہوتا ہے اور لوگوں کو بلانے کے لیے اشتہارات

ریڈیو۔ اخبارات۔ زبانی بیانات کو استعمال کیا جاتا ہے۔ دارالعلوم دیوبند ہندوستان کا صد سالہ جشن منایا گیا اور اس پر بہت بڑی دولت خرچ کی گئی۔ تبلیغی دیوبندی علماء نے مقدور بھر اہتمام کیا اور اس کی صدارت کے لیے اہم اجلاس میں آل ہند کی وزیر اعظم اندرا گاندھی کو بلایا گیا۔ ایک غیر مسلم عورت کو علماء اسلام کی محفل میں لانا بجائے خود مذموم حرکت ہے پھر سوال یہ ہے کہ صد سالہ جشن منانے کا تو کہیں بھی شرعاً ثبوت نہیں پایا گیا ہے۔ پھر ایسے جشن کے لیے تعینِ یوم تاریخ مقرر کرنا کیونکر جائز ٹھہرا اسی طرح دیوبند کے دارالعلوم میں ختم بخاری شریف کی محفل منعقد کرنا اور ہر سال بخاری شریف ختم ہونے پر محفل منعقد کرنا اور اہتمام کرنا اس کا بھی کوئی ثبوت قرون اولیٰ میں نہیں ہے۔ باوجود اس کے ان امور کو جائز قرار دیا جاتا ہے اور میلاد شریف جو کہ تعظیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غرض سے منائی جاتی ہے اور تعظیم کرنے کا حکم تو قرآن پاک میں آیا ہے لہذا میلاد شریف منانا جائز ہے۔ لہذا صاحب براہین قاطعہ مولوی خلیل احمد انبیٹھوی کا تعین محافل میلاد شریف پر اعتراض کرنا باطل ہے۔ میلاد کے جشنوں میں تلاوت۔ نعت خوانی۔ معجزات و کمالات علوم و اختیارات میلاد سے متعلق عجائبات اور سیرت کا بیان ہوتا ہے جس میں عظمتِ مصطفےٰ ہی مدِ نظر ہوتی ہے۔ مگر وہابیہ کے اجتماعات یا جلسوں میں باب فضائلِ نبویہ کی نفی ہوتی ہے اور سیرت کے نام سے تنقیصِ شان رسالت کا مظاہرہ ہوتا ہے۔

تیسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ جس وقت نعمت و رحمت کا نزول ہوتا ہے تو وہ جگہ اور وقت اشرف ہو جاتے ہیں۔ (مرقات)

ازالہ شبہ: بعض وہابیہ کا شبہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیر کو روزہ اس وجہ سے رکھتے تھے کہ پیر کو پہلی وحی کا نزول ہوا تھا کسی دوسرے سبب سے روزہ نہیں رکھتے تھے اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ قرآن پاک فضل الہٰی ہے اور ہر فضل پر خوشی منانا جائز ہے بلکہ سنت ہے۔ یہ تو کم از کم تم نے مان لیا ہے اب ہم اسی تسلیم شدہ اصول کے تحت عرض کرتے ہیں کہ ہمارا اصل مقصد پھر بھی ثابت ہوا کہ جب بھی نعمت و رحمت حاصل ہوگی

اس پر خوشی منانا جائز ہے اور یہی ہمارا مدعیٰ ہے ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ جب رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جس پیر کو تشریف فرما ہوئے تو اس کو منانا بھی جائز ہے کیونکہ نعمت و رحمت ملنے پر خوشی منانا اس حدیث سے ثابت ہوگیا ہے لیکن یاد رہے کہ یہ حدیث واضح نص ہے اس پر کہ اس میں صرف نزول وحی ہی کا ذکر نہیں آیا بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی آیا ہے کہ پیر کے دن میں پیدا ہوئے معلوم ہوا کہ پیر کو روزہ اس لیے بھی رکھا کہ اس میں آپ کی میلاد شریف ہوئی تھی۔ تو واضح ہوا کہ میلاد شریف منانا نبی کریم کی اپنی سنت قرار پائی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہرگز بدعت نہیں ہوسکتی۔ میلاد کی سنت کو بدعت سمجھنا اہل بدعت کی سمجھ ہے یہ بھی معلوم ہوا کہ میلاد منانے کے لیے یہ حدیث اصل ہے اور اس اصل کی وجہ سے بھی ہم میلاد شریف مناتے ہیں۔

جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت فرماکر مدینۃ المنورہ تشریف لائے تو مدینۃ المنورہ کے یہودیوں کو روزہ رکھتے ہوئے مشاہدہ فرمایا تو اُن سے فرمایا کہ تم عاشورہ کا روزہ رکھتے ہو؟ انہوں نے جواباً کہا کہ یہ دن نہایت مقدس و مبارک ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات بخشی۔ اور ہم اس دن کا روزہ احترام کی نیت سے رکھتے ہیں اس پر نبی کریمؐ نے فرمایا۔ فَنَحْنُ اَحَقُّ بِمُوْسٰی مِنْكُمْ فَصَامَهٗ وَاَمَرَ بِصِيَامِهٖ (بخاری، مسلم، ابوداؤد)

ترجمہ: کہ ہم موسیٰ کی فتح کا دن منانے میں تم سے زیادہ حقدار ہیں پس حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے خود بھی روزہ رکھا اور صحابہ کرام کو بھی روزہ رکھنے کا حکم فرمایا۔

حدیث شریف کے واقعہ پر نہایت انصاف کے ساتھ غور فرمائیں کہ عاشورہ کے دن میں اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اور آپ کے ساتھ بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات بخشی تھی۔ جس کو نعمت جان کر یہودی یوم تشکر منایا کرتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یوم تشکر کا رد نہیں فرمایا نہ بدعت فرمایا بلکہ اسے برقرار رکھ کر یہ ارشاد فرمایا کہ ہم تم سے زیادہ حقدار ہیں کہ اس دن عاشورہ کی تعظیم کریں اور اس کو منائیں۔ یہاں تک بس نہیں بلکہ عاشورہ کے تشکر میں خود شریک ہوکر منایا اور صحابہ کو بھی منانے کا حکم دیا۔ معلوم ہوا کہ یوم تشکر کو منانا جائز ہے اور حدیث مذکور کے مضمون

سے ثابت ہوا کہ یوم تشکر کو اجتماعی طور پر منانا جائز ہے اور ایسے بابرکت دنوں میں محافل منعقد کرنے کا ثبوت حاصل ہو گیا کیونکہ محفل کسی کام میں اجتماعیت کا نام ہے چاہے روزہ کی شکل میں اجتماع ہو یا جلسہ وجلوس کی شکل میں ہو۔ اب اس واضح حدیث کے ہوتے ہوئے یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ بابرکت ایام میں تشکر کرنے کے لیے محافل واجتماع ناجائز ہے۔ یا بدعت ہے بلکہ یوم تشکر سب کے لیے ہوتا ہے لہٰذا سب مل کر اگر شرعی حدود میں اسے منائیں تو اس سے نہیں روکا جا سکتا ہے اور نہ ہی اسے بدعت کہہ سکتے ہیں بلکہ اس یوم تشکر کو امر مستحسن کار خیر و ثواب سمجھ کر منانا ہوگا۔

یوم میلاد شریف میں تو دو عالم کے لیے رحمت کاملہ ذاتِ مصطفوی علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے ہیں۔ یوم میلاد شریف سے بڑھ کر کونسا دن زیادہ بابرکت ہو سکتا ہے۔ ہرگز نہیں لہٰذا میلاد شریف کو منانا چاہے انفرادی طور پر ہو یا اجتماعی انداز سے ہو ہر طرح جائز و ثواب ہے۔ اور اظہارِ محبت وعقیدت ہے۔

یوم ولادت مبارکہ یومِ عید ہے

ہم میلاد شریف کے دن کو یوم عید کہتے ہیں اور عید ہی سمجھتے ہیں تو منکرین میلاد فوراً کہہ دیتے عیدیں تو اسلام میں صرف دو ہیں عید الفطر اور عید الاضحیٰ، باقی کوئی عید نہیں ہے یہ منکرین کی سینہ زوری ہے اس کے سوا کچھ نہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک یہودی نے امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا کہ اے امیر المومنین آپ کی کتاب قرآن میں ایک آیت ہے اگر وہ آیت ہم یہودیوں پر نازل ہوئی ہوتی تو ہم اس کے نزول کے دن کو عید مناتے۔ حضرت عمر رض نے فرمایا کون سی آیت؟ اس نے کہا اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ الآیۃ: فرمایا میں اس دن اور اس مقام کو جس میں یہ نازل ہوئی تھی جانتا ہوں، وہ مقام عرفات اور وہ دن جمعہ تھا۔ اس سے مراد آپ کی یہ تھی کہ ہمارے لیے بھی وہ دن عید ہے۔ (بخاری ومسلم)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی ایک یہودی نے ایسا ہی کہا تھا۔ اس کے جواب میں

آپ نے فرمایا جس روز یہ آیت نازل ہوئی تھی اس دن ہماری دو عیدیں تھیں۔ جمعہ۔ عرفہ (ترمذی خازن)

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ جس دن کوئی خوشی کا واقعہ پیش آیا ہو یا جس دن اللہ تعالےٰ کی طرف سے رحمت وفضل ونعمت اتری ہو۔ اس دن کو عید کہا جاسکتا ہے۔ یعنی خوشی کا دن جس طرح جمعہ عید کا دن ہے اور یوم عرفہ بھی عید کا دن ہے اسی طرح سب عیدوں سے بڑھ کر یوم میلاد عید اعظم ہے کہ سب عیدیں میلاد شریف اور ولادت مبارکہ کے صدقے ہیں ہمیں نصیب ہوئی ہیں۔ بڑا بدنصیب ہے وہ شخص جو یوم میلاد شریف کو عید نہ سمجھے۔ اسی طرح اہل اسلام کے محققین علماء نے میلاد شریف منانے کو کار خیر اور اظہار شکر قرار دیا ہے۔

اللہ تعالےٰ نے حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا کہ انہوں نے کہا اَللّٰھُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا۔ ؏

ترجمہ: اے اللہ ہمارے پروردگار ہم پر نازل فرما آسمان سے ایک خوان تاکہ وہ (خوان اترنے کا دن) ہمارے اگلوں اور پچھلوں کے لیے عید ہو۔

آیت پر غور فرمائیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خوان اترنے کے دن کو اگلوں اور پچھلوں کے لیے عید کا دن قرار دیا۔ اسی واسطے عیسائی آج تک اتوار کے دن چھٹی کرتے ہیں اور خوشی مناتے ہیں کیونکہ دسترخوانِ نعمت اتوار کے روز اترا تھا۔ معلوم ہوا کہ جب دسترخوان نعمت کے نزول کا دن عید قرار دی گئی ہے تو جس دن حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے وہ دن پوری کائنات کے لیے عید ہے اس لیے کہ آپ کی رسالت عامہ ہے آپ ساری کائنات کے رسول ہیں[1] اور رسول کی تشریف آوری کا دن رحمت ونعمت کا دن ہوتا ہے بدعت وغم کا دن نہیں ہوتا ہے بلکہ عید کا دن ہوتا ہے۔

اور یہ بھی آیت کریمہ سے ظاہر ہوا کہ عید کو اللہ تعالیٰ سے طلب کرنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سنت ہے اور عید کو عید نہ سمجھنا خلاف سنت ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ جس دن نعمت عظمیٰ حاصل ہوگئی ہو

---

[1] حدیث میں آیا ہے وَاُرْسِلْتُ اِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً میں ساری مخلوق کی طرف رسول بھیجا گیا ہوں۔ ۱۲

اس کو عید سمجھ کر منانا کتاب و سنت سے ثابت ہے۔ لہٰذا ہمارے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس دن کو تشریف لائے۔ بے شک وہ عید کا دن ہے۔ کوئی عید کو عید سمجھ کر مناتے ہیں. کوئی عید کو وعید سمجھ کر مناتے ہیں۔ اپنی اپنی مقدر ہے اللہ تعالیٰ ہدایت دے۔

ازالہ شبہ: وہابیہ حضرات کہتے ہیں کہ تعین یوم یعنی خاص رات یا مقرر دن میں میلاد شریف یا معراج شریف وغیرہ منانا بدعت ہے۔

جواب: یہ تعیین یوم کی اصطلاح تو ہمارے ہاں نہ مقصود ہے۔ نہ ضروری ہے ہاں شریعت مطہرہ نے جن دنوں کو متعین کیا ہے جیسے یوم جمعہ نماز جمعہ کے لیے ہے اور یوم عرفہ رکن حج کے لیے متعین شرعاً ہے۔ اس طرح کا تعین کہ جیسے یوم عرفہ کے بغیر وقوف عرفات نہیں ہو سکتا ہے اور نماز جمعہ یوم جمعہ کے بغیر نہیں ہو سکتی ہے کیونکہ شرعی تعین کو تبدیل نہیں کیا جا سکتا ہے۔ لیکن کہنا کہ میلاد شریف یا معراج شریف وغیرہ کے بابرکت دن و رات منانا شریعت کی طرف سے متعین ہے کہ اسی دن کو مناؤ گے تو ثواب پاؤ گے ورنہ کچھ بھی نہیں ملے گا۔ اس طرح کا تعین نہ شرع نے کیا ہے اور نہ ہی اہل سنت وجماعت کا مسلک حق ہے بلکہ پہلے ہم کہہ چکے ہیں کہ صرف خاص دن میں تقریب منانا اس مصلحت سے ہوتا ہے کہ ایک تو وہ تاریخ یاد رہے۔ دوم اس خاص دن میں لوگوں کو علم ہو گا کہ اس دن خاص میں تقریب منعقد ہو رہی ہے۔ لہٰذا جو اہل محبت حاضر ہو سکے پہنچ جاتا ہے۔ تیسرا یہ کہ جس دن اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم ظاہر میں لایا ہے وہ دن خاص ہی تھا عام نہ تھا۔ اس دن کا نام یوم الاثنین ہے اس دن کو ہم نے خاص نہیں کیا ہے بلکہ اللہ کے ارادہ کے موافق اس خاص دن میں نبی کریم تشریف لائے۔ آخر یوم الاثنین بابرکت دن تو ہے۔ اب اسی بابرکت دن ہی کو اگر میلاد شریف منایا جائے یا ۲۷ رجب کی رات کو معراج شریف منائی جائے تو ان کی تاریخی حیثیت بھی برقرار رہ جاتی ہے اور اس کی یادگار بھی قائم ہو جائے گی اور کار ثواب کی عملی شکل بھی پایۂ تکمیل تک پہنچ جائے گی۔ زیادہ سے زیادہ یہ تعیین یوم تاریخی و عرفی کہی جا سکتی ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے اہل سنت وجماعت میلاد شریف، معراج وغیرہ خاص دن کو ہی نہیں مناتے ہیں بلکہ خاص دنوں

میں بھی مناتے ہیں اور دوسرے دنوں میں بھی مناتے ہیں یہ مسلک کی عملی تصدیق ہے۔ رہا یہ کہ خاص دن کو ہی ثواب مل سکتا ہے اور اگر کسی دوسرے دن میں وہ تقریب منعقد ہوئی تو نہ ثواب ہوگا نہ ہی مقبولیت ہوگی۔ اس طرح کا اگر کسی کا باطل خیال یا نظریہ ہے تو یقیناً اس معاملہ میں وہ مسلک اہل سنت سے ناواقف ہے اس کی اصلاح ضروری ہے۔ ہم بھی اصلاح کریں گے اور منکرین میلاد اپنی اور اس کی اصلاح کریں۔ میرے خیال میں ایسے لوگ نہ ہونے کے برابر ہوں گے۔ واللہ اعلم بحقیقت الحال۔

ازالہ شبہ: بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ یوم عرفہ اور یوم جمعہ پر میلاد شریف کو قیاس نہیں کیا جا سکتا ہے کیونکہ یوم عرفہ و یوم جمعہ کو تو صحابہ کرام نے متعین و مقرر نہیں کیا ہے اور نہ ان دنوں کو عید قرار دے کر منایا ہے۔ بلکہ ان کا تعین اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جس کا اعلان حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ لہٰذا تمہارا قیاس باطل ہے۔

جواب یہ ہے کہ ہم نے کب کہا ہے کہ میلاد شریف یوم عرفہ و یوم جمعہ پر قیاس ہے آج تک ہمارے اکابرین نے اس طرح نہ کہا ہے نہ لکھا ہے۔ بلکہ ہم کہتے ہیں جس طرح یوم عرفہ اور یوم جمعہ اس لیے عید قرار دیئے گئے ہیں کہ ان دنوں میں بعض نعمتوں کا حصول ہوا ہے۔ یا جن خوبیوں کی وجہ سے یہ عید قرار دی گئیں ہیں۔ ان سے بڑھ کر یوم الاثنین میں حصول نعمت ہے کہ اس دن میں تو نعمتوں کی نعمت عظمیٰ اور رحمت عالم تشریف لائے۔ اگر یوم عرفہ۔ یوم جمعہ بعض نعمتوں کے حصول کے سبب عید قرار پا چکے ہیں تو حصول نعمت عظمیٰ رحمت دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سبب سے یوم میلاد شریف بھی یوم عید بطور اولیٰ ہوسکتا ہے اور اس پر دلیل قرآن پاک ہے وَذَكِّرْهُم بِأَيَّامِ اللَّهِ اور انہیں اللہ تعالےٰ کے (خاص) دنوں کی یاد دلائیں۔ یا فَاذْكُرُوا آلَاءَ اللَّهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۔ اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں تاکہ تمہارا بھلا ہو۔ اس میں عام حکم ہے جس بڑی نعمت کے حصول سے دن یا رات بابرکت ہوجائے اُسے منائیں۔ یہ قیاس نہیں قیاس میں تو مقیس اور مقیس علیہ مساوی درجہ کے ہوتے ہیں۔ یہاں تو یوم میلاد شریف بے مثال نعمت عظمیٰ سے بابرکت ہے یہ نعمت دنیا کے دوسرے دنوں کو حاصل نہیں ہے۔ ہمارے مدعیٰ پر یوم عرفہ اور یوم جمعہ صریح دلالت کرتے ہیں عیدین اس لیے عید ہیں کہ ان میں فرحت و مسرت ہوتی

ہے۔ اور ہر وہ دن جس میں مسرت و فرحت ہو عرف میں اسے عید ہی کہتے ہیں اور یوم میلاد شریف چونکہ سب سے بڑھ کر فرحت و مسرت کا دن ہے لہٰذا اس کو عید کہہ سکتے ہیں ملاحظہ ہو۔ (مرقات شرح مشکوٰۃ ج ۳ ص ۲۴۳)

عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم منانے کے فائدے

یوم میلاد شریف منانے یا میلاد شریف کرنے کے بہت فائدے ہیں اہل محبت و عقیدت اس کا شمار نہیں کر سکتا ہم نے اس رسالہ کے شروع میں مقاصد و فوائد کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ مزید غور فرمائیں علامہ اسمٰعیل حقی آیۃ محمد رسول اللہ کے تحت فرماتے ہیں۔

وَمِنْ تَعْظِیْمِہٖ عَمَلُ الْمَوْلِدِ اِذَا لَمْ یَکُنْ فِیْہِ مُنْکَرٌ، قَالَ الْاِمَامُ السُّیُوطی قدس سرّہٗ یُسْتَحَبُّ لَنَا اِظْهَارُ الشُّکْرِ لِمَوْلِدِہٖ عَلَیْہِ السَّلَامُ وَقَدِ اسْتَخْرَجَ لَهُ الْحَافِظُ السُّیُوْطِیُّ وَرَدَّ عَلٰی اِنْکَارِهَا فِیْ قَوْلِہٖ اِنَّ عَمَلَ الْمَوْلِدِ بِدْعَةٌ مَذْمُوْمَةٌ" (روح البیان ج ۵ ص ۶۶)

ترجمہ: کہ میلاد شریف کرنا بھی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک تعظیم ہے جب وہ منکرات سے خالی ہو۔ امام سیوطی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ ہمارے لیے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ولادت پر شکر کا اظہار کرنا مستحب ہے۔ کیونکہ حافظ ابن حجر اور حافظ سیوطی نے میلاد کی اصل سنت سے ثابت کی ہے اور ان لوگوں کا رد کیا ہے جو میلاد شریف کو بدعت سیئہ کہہ کر منع کرتے ہیں۔ (روح البیان ج ۵ ص ۶۶)

عبارت مذکورہ سے ثابت ہوا کہ میلاد شریف کرنا منانا اصل میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ہے اور اظہار عظمت ہے اور تعظیم کرنا قرآن پاک سے ثابت ہے۔ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ آپ کی تعظیم کرو اور توقیر کرو۔

دوسری بات یہ ثابت ہوتی ہے کہ میلاد شریف جیسے تعظیم والے کار خیر میں کوئی مکروہ اور ناپسندیدہ کام نہ کیا جائے۔ تیسری بات یہ کہ میلاد شریف منانا اصل میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ کو نعمت سمجھ کر اظہار شکر ہے۔ چوتھی بات یہ ظاہر ہوئی کہ میلاد شریف کرنا بے اصل یا بدعت نہیں ہے بلکہ اس کی اصل سنت سے ثابت ہے اس سنت کو امام سیوطی نے معلوم کیا ہے اور نکالا ہے۔ پانچویں بات یہ سامنے آئی کہ میلاد شریف کو جن لوگوں نے بدعت سیئہ کہا ہے وہ غلط ہے کیونکہ سنت بدعت

نہیں ہو سکتی ہے۔ برصغیر کا عظیم محدث شیخ محقق عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

قَالَ ابْنُ الْجَوْزِیِّ فَاِذَا كَانَ هٰذَا اَبُوْلَهَبِ الْكَافِرُ الَّذِیْ نَزَلَ الْقُرْاٰنُ بِذَمِّهٖ جُوْزِیَ فِی النَّارِ بِفَرْحِهٖ لَیْلَةَ مَوْلِدِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَمَا حَالُ الْمُسْلِمِ مِنْ اُمَّتِهٖ یُسَرُّ بِمَوْلِدِهٖ وَیَبْذُلُ مَا تَصِلُ اِلَیْهِ قُدْرَتُهٗ فِیْ مَحَبَّتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا كَانَ جَزَاءُهٗ مِنَ اللّٰهِ الْكَرِیْمِ اَنْ یُّدْخِلَهٗ بِفَضْلِهِ الْعَمِیْمِ جَنَّاتِ النَّعِیْمِ وَلَا یَزَالُ اَهْلُ الْاِسْلَامِ یَحْتَفِلُوْنَ بِشَهْرِ مَوْلِدِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَیَعْمَلُوْنَ الْوَلَائِمَ وَیَتَصَدَّقُوْنَ فِیْ لَیَالِیْهِ بِاَنْوَاعِ الصَّدَقَاتِ وَیُظْهِرُوْنَ السُّرُوْرَ وَیَزِیْدُوْنَ فِی الْمَبَرَّاتِ وَیَعْتَنُوْنَ بِقِرَاءَةِ مَوْلِدِهِ الْكَرِیْمِ وَیَظْهَرُ عَلَیْهِمْ مِّنْ مَّكَانِهٖ كُلُّ فَضْلٍ عَمِیْمٍ وَمِمَّا جُرِّبَ مِنْ خَوَاصِّهٖ اَنَّهٗ اَمَانٌ فِیْ ذٰلِكَ الْعَامِ وَبُشْرٰی عَاجِلَةٌ بِنَیْلِ الْبُغْیَةِ وَالْمَرَامِ فَرَحِمَ اللّٰهُ امْرَأً اتَّخَذَ لَیَالِیَ شَهْرِ مَوْلِدِهِ الْمُبَارَكِ اَعْیَادًا لِیَكُوْنَ اَشَدَّ غَلَبَةً عَلٰی مَنْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّعِنَادٌ (ماثبت بالسنۃ زرقانی علی المواهب ص۱۳۹)

ترجمہ: ابن جوزی نے کہا ہے کہ پس وہ ابولہب کا جس کی مذمت پر قرآن اترا ہے اسے نبی علیہ السلام کی ولادت پر خوشی کرنے کے سبب سے جہنم میں بدلہ دیا گیا۔ تو آپ کی امت سے اس مسلمان کا کیا حال ہوگا جو آپ کی پیدائش پر خوشی کرتا ہے اور جہاں تک اس کی طاقت پہنچتی ہے اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں خرچ کرتا ہے۔ ایسے شخص کی جزاء اچھا بدلہ اللہ کریم کی طرف سے یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ایسے (اہل محبت) شخص کو اپنے فضل عام سے جنات نعیم میں داخل فرمائے گا اور ہمیشہ سے اہل اسلام نبی علیہ السلام کی ولادت کے مہینے میں محفل منعقد کرتے ہیں۔ دعوتیں کرتے ہیں۔ راتوں کو صدقہ وخیرات کرتے ہیں اظہار مسرت اور نیکیوں میں زیادتی کرتے ہیں اور آپ کی ولادت مبارکہ کے واقعات پڑھتے ہیں اور ان پر اس وجہ سے فضل ظاہر ہوتا ہے اور تجربہ سے ثابت ہے کہ محفل میلاد کی برکت سے سارا سال امن رہتا ہے اور مطلوب حاصل ہونے کی جلد بشارت ملتی ہے۔ پس خدا فضل کرے۔ اس شخص پر جس نے ماہ ربیع الاول کی ہر شب کو عید

بنادیا ہوتا کہ عظمت نبوی کے منکروں اور تنقیص رسالت کے شیدائیوں پر یہ خوشی مزید گراں گزرے اور ان کا اندرونی عناد بڑھے۔

اس لمبی عبارت سے موٹے موٹے چند فوائد حاصل ہوتے۔ ایک تو یہ ثابت ہوا کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ کی خوشی اگر کافر بھی منائے اس کو بھی کسی حد تک فائدہ پہنچتا ہے خاص کر عذاب نار کے بارے فائدہ پہنچتا ہے جیسے ابولہب جیسا بدترین کافر کو فائدہ ملا۔ دوم یہ کہ مسلمان اگر میلاد شریف منائے تو اس کو زیادہ فائدہ ہوگا۔ سوم یہ کہ خصوصیت وقت پر میلاد شریف منانا بھی جائز ہے لیلۃ مولدہ سے معلوم ہوا۔ چہارم یہ کہ میلاد شریف کی خوشی آپکی محبت و تعظیم کی علامت ہے۔ پانچواں یہ کہ میلاد شریف پر خرچ کرنے کی جزا یہ ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے جنات نعیم میں داخل فرمائے۔ چھٹا یہ کہ میلاد شریف ہم ہی نہیں مناتے بلکہ اہل اسلام ہمیشہ سے مناتے آرہے ہیں، صرف وہابی فرقہ اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ یا متعصب طبقہ روکتا ہے۔ ساتواں یہ کہ میلاد شریف کے لیے محفل کا اہتمام کرنا اہل اسلام کا طریقہ رہا ہے۔ آٹھواں یہ کہ اظہار سرور میلاد شریف کے لیے جائز ہے۔ نانواں یہ کہ جس سال میلاد شریف منائی جائے گی تو پورا سال امان و سلامتی اور مقاصد تک پہنچنے میں جلدی بشارت نصیب ہوگی۔ دسواں یہ کہ میلاد شریف کے مہینہ ربیع الاول شریف کو عید بنانے سے اور منانے سے مندرجہ بالا مقاصد کے حصول کے علاوہ منکرین میلاد کو جلانا۔ بھی حاصل ہوگا۔

ہمارے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جب پیدائش ہوئی تو اس وقت ابولہب کی لونڈی ثُویبہ نے آکر ابولہب کو خبر دی کہ تیرے بھائی عبداللہ کے گھر بیٹا پیدا ہوا۔ ابولہب یہ خوشخبری سن کر اتنا خوش ہوا کہ انگلی کا اشارہ کر کے کہنے لگا۔ "ثویبہ جا آج سے تو آزاد ہے"، سب مسلمان جانتے ہیں کہ ابولہب سخت کافر تھا قرآن پاک میں پوری سورۂ تَبَّتْ یَدَا اَبِیْ لَهَبٍ اس کی مذمت میں نازل ہوئی اس کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ کی خوشی کرنے کا جو فائدہ اس کو ہوا وہ سنئے۔

فَلَمَّا مَاتَ اَبُوْلَهَبٍ فَرَاٰهُ بَعْضُ اَهْلِهٖ بِشَرِّ حِیْبَةٍ قَالَ لَهٗ مَاذَا لَقِیْتَ ؟ قَالَ اَبُوْ لَهَبٍ لَمْ اَلْقَ بَعْدَکُمْ خَیْرًا اَنِّیْ سُقِیْتُ فِیْ هٰذِهٖ بِعِتَاقَتِیْ ثُوَیْبَةَ (بخاری شریف جلد دوم کتاب

النکاح باب ۔ اُمَّهَاتُكُمُ الّٰتِیْ اَرْضَعْنَكُمْ وَمَا يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ کے تحت ۔)

کہ جب ابولہب مرا تو اس کے گھر والوں (حضرت عباس) نے اس کو خواب میں بہت بُرے حال میں دیکھا پوچھا کیا گزری ؟ ابولہب نے کہا تم سے علیحدہ ہو کر مجھے خیر نصیب نہیں ہوئی ۔ ہاں مجھے اس انگلی سے پانی ملتا ہے (جس سے میرے عذاب میں تخفیف ہو جاتی ہے) کیونکہ میں نے انگلی کے اشارہ سے ثویبہ کو آزاد کیا تھا ۔ اس حدیث پر حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی شرح اور وضاحت ملاحظہ کریں ۔

ذَكَرَ السُّهَيْلِيُّ اَنَّ الْعَبَّاسَ قَالَ لَمَّا مَاتَ اَبُوْلَهَبٍ رَأَيْتُهُ فِیْ مَنَامِیْ بَعْدَ حَوْلٍ فِیْ شَرِّ حَالٍ فَقَالَ مَا لَقِيْتُ بَعْدَكُمْ رَاحَةً اِلَّا اَنَّ الْعَذَابَ يُخَفَّفُ فِیْ كُلِّ يَوْمِ اثْنَيْنِ وَ ذَالِكَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وُلِدَ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَكَانَتْ ثُوَيْبَةُ بَشَّرَتْ اَبَا لَهَبٍ بِمَوْلِدِهٖ فَاَعْتَقَهَا ۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۱۱۸)

ترجمہ : امام سہیلی نے ذکر کیا کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ابولہب مر گیا تو میں نے ایک سال بعد اسے خواب میں دیکھا کہ وہ بہت برے حال میں ہے اور کہہ رہا ہے کہ تم سے جدا ہونے کے بعد مجھے کوئی راحت نہیں ملی ۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ ہر پیر کے دن مجھ سے عذاب کی تخفیف کی جاتی ہے حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پیر کے دن ہوئی ۔ اور ثویبہ نے ابولہب کو آپ کی ولادت کی خوشخبری سنائی تو ابولہب نے اس کو اس خوشی میں آزاد کر دیا تھا ۔ امام بدرالدین عینی حنفی نے بھی عمدۃ القاری شرح بخاری جلد ۲ ص ۹۵ پر بھی نقل فرمایا ہے ۔

مندرجہ بالا حدیث پر حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی کی تشریح و استنباط ملاحظہ ہو ۔

اصل عبارت : در ینجا سند ست مراہل موالید راکہ در شب میلاد آں سرور صلی اللہ علیہ وسلم سرور کنند و بذل اموال نمایند یعنی ابولہب کہ کافر بود چوں بسرور میلادِ آں حضرت و بذل شیر جاریہ وے بجہتِ آنحضرت جزا دادہ شد تا حال مسلمان کہ مملو است بہ محبت و سرور بذل در وے چہ باشد ولیکن باید کہ از بدعتہا کہ عوام احداث کردہ انداز تغنی آلات محرمہ و منکرات خالی باشند ۔ (مدارج النبوت)

ترجمہ: اس واقعہ میں میلاد شریف کرنیوالوں کی روشن دلیل ہے جو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شب ولادت میں خوشیاں مناتے اور مال خرچ کرتے ہیں یعنی ابولہب کافر تھا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی اور لونڈی کے دودھ پلانے کی وجہ سے انعام دیا گیا تو اس مسلمان کا کیا حال ہوگا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی میں محبت سے بھرپور ہو کر مال خرچ کرتا ہے اور میلاد شریف کرتا ہے لیکن چاہیئے کہ محفل میلاد شریف عوام کی بدعتوں گانے اور حرام منکرات وغیرہ سے خالی ہو صاحب مدارج النبوت کی تشریح و استنباط سے ظاہر ہوا کہ حدیث کے واقعے میں میلاد شریف کی خوشی منانے کے لیے روشن دلیل و سند موجود ہے۔ ابولہب کافر تھا۔ اُسے اس خوشی کے بدلہ میں اگر اتنا فائدہ پہنچ گیا تو ہم مسلمانوں کو کتنا زیادہ فائدہ پہنچے گا۔ ابولہب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھتیجا سمجھ کر آپ کی پیدائش پر خوشی کی تھی۔ ہم تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آقا و مولیٰ رسول اور خاتم النبیین شفیع المذنبین اور رحمت دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم سمجھ کر خوشی مناتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جتنا ابولہب اور مسلمانوں میں فرق ہے اسی مناسبت سے مسلمانوں کو میلاد شریف کی خوشی منانے کا زیادہ فائدہ نصیب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں میلاد شریف منانے کے صدقہ میں عذاب نار سے محفوظ فرمائے اور جنت نصیب فرمائے۔

ازالۂ شبہ: میلاد النبوی کی محفل کے انعقاد کی فضیلت و ثواب کے مخالفین کہتے ہیں کہ یوم الاثنین (پیر کے روز) سے ابولہب کو عذاب کی تخفیف ابولہب کے اپنی لونڈی ثویبہ کو آزاد کرنے کے سبب کا جس حدیث میں ذکر آیا ہے وہ حدیث بخاری میں نہیں ہے۔ نیز اس حدیث کو منکرین نے اثر تاریخی قرار دیا ہے حدیث کا درجہ نہیں دیا ہے اس شبہ کا ازالہ یہ ہے کہ بخاری شریف میں یہ حدیث موجود ہے حضرت حکم ابن نافع سے مروی ہے۔ اور یہ حدیث ترجمۃ الباب۔ وامھاتکم اللاتی ارضعنکم ویحرم من الرضاعۃ مایحرم من النسب، کے تحت امام بخاری نے نقل فرمائی ہے اگرچہ اس سے رضاعت کا مسئلہ باب کے تحت بیان کیا گیا ہے لیکن آخری حصہ میں ثویبہ کی آزادی کا تفصیلی ذکر اور اس پر تخفیف عذاب کی وضاحت کا بیان وارد ہے لہٰذا اس حدیث میں تخفیف عذاب الخ کا ذکر بطور حدیث وارد ہے حدیث کے اندر مختلف مسائل کا ذکر جب ہوتا ہے۔ تو ترجمۃ الباب سے موافقت

کے لیے کسی ایک حصہ حدیث کا پایا جانا کافی ہوتا ہے اس سے حدیث کے دوسرے حصوں سے جن مسائل کا تعلق ہوتا ہے ان کی نفی نہیں ہو سکتی ہے لہٰذا حدیث مذکور میں مسئلہ رضاعت کا تعلق تو ترجمۃ الباب سے ہے لیکن ثوبیہ کی آزادی کا تعلق میلاد النبی کی خوشی کے بارے میں اس کا تعلق تخفیف عذاب سے وابستہ ہے. نیز امام بخاری نے حضرت عروہ کا قول نقل فرما کر اسے برقرار رکھا اس پر رد یا تضعیف نہیں فرمائی اس سے حضرت عروہ کی روایت کا معتبر ہونا امام بخاری کے ہاں ظاہر ہے. رہا یہ کہ یہ حدیث اثر تاریخی ہے اس پر عرض ہے کہ اگر صرف اثر کہہ دیا جاتا تو کسی حد تک درست تھا اس لیے کہ اثر کا اطلاق کبھی حدیث پر بھی ہوتا ہے. تو اطلاق اثر سے حدیث ہونے کی نفی لازم نہیں آتی. اس طرح یہاں پر بات ختم ہو جاتی لیکن یہ کہنا کہ یہ اثر تاریخی ہے یعنی ایک تاریخی واقعہ ہے. اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے یہ بالکل غلط سی بات ہے کیونکہ قرآن پاک اور احادیث مبارکہ کے اندر بہت سے تاریخی واقعات وقصص کا ذکر آیا ہے کیا آپ انہیں تاریخی قضیہ سمجھ کر نظر انداز کر سکیں گے. ہرگز نہیں. اگر قرآن پاک یا احادیث مبارکہ میں کسی تاریخی واقعہ یا اس سے ثابت ہونے والے اثرات کی نفی یا رد نہ کیا گیا ہو تو ان تاریخی واقعات وآثار وقصص کا اپنے اپنے درجہ میں اعتبار ضرور ہوگا.

ازالہ شبہ: حدیث تخفیف عذاب کے بارے میں منکرین میلاد کہتے ہیں کہ یہ روایت مُرسل ہے یعنی تابعی نے ایک واقعہ بیان کیا ہے اور اس نے کسی صحابی کا ذکر نہیں کیا ہے اور حدیث مرسل حجت نہیں ہوتی ہے ازالہ شبہ یہ ہے کہ مطلقاً یہ کہہ دینا کہ حدیث مرسل قابل حجت نہیں ہوتی. یہ دعویٰ غلط ہے کیونکہ امام اعظم ابوحنیفہ اور امام احمد اور امام مالک تینوں ائمہ دین کے نزدیک حدیث مرسل حجت ہوتی ہے ان حضرات کا کہنا ہے کہ کبار تابعین میں سے کسی تابعی نے اگر صحابی کو ساقط کرتے ہوئے یہ کہہ دے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمایا ہے یا فلاں کام کیا ہے تو اُسے مُرسل حدیث کہتے ہیں امام نووی نے تقریب النواوی میں فرمایا ہے کہ فقہاء کرام کی اکثریت اور اصحاب اصول اور امام مالک اور امام ابوحنیفہ نے ایک طائفہ کے ہمراہ فرمایا کہ حدیث مرسل صحیح ہوتی ہے. اس طرح ابن قیم اور ابن کثیر کے نزدیک حدیث مرسل حجت ومقبول ہوتی ہے امام سیوطی نے فرمایا وقال ابن جریر:

اَجْمَعَ التَّابِعُوْنَ بِاَسْرِهِمْ عَلٰى قَبُوْلِ الْمُرْسَلِ وَلَمْ يَاْتِ عَنْهُمْ اِنْكَارُهٗ وَلَا عَنْ اَحَدٍ مِّنَ الْاَئِمَّةِ بَعْدَهُمْ اِلٰى رَأْسِ الْمِائَتَيْنِ.

ترجمہ: اور فرمایا ابن جریر نے تمام تابعین نے. مرسل کے مقبول ہونے پر اجماع نقل کیا ہے. اور ان میں سے کسی سے انکار نہیں آیا اور نہ ہی ان کے بعد ائمہ حضرات سے دو سو سال تک انکار وارد ہوا ہے اور ابن عبد البر نے کہا ہے کہ ان کا مقصد یہ ہے کہ سب سے پہلے مرسل کے حجت ہونے کا انکار امام شافعی نے کیا. تدریب الراوی

امام سخاوی نے فتح المغیث میں فرمایا ہے کہ احادیث مرسلہ کو گذشتہ دور کے تمام آئمہ حجت مانتے رہے مثلاً سفیان ثوری - مالک - اوزاعی - امام ابوحنیفہ حتی کہ امام شافعی تشریف لائے اور انہوں نے مرسل کے حجت ہونے اور نہ ہونے کی بحث کی ابتدا کی. اسی طرح مزید امام نووی نے فرمایا ہے کہ وَمَذْهَبُ مَالِكٍ وَّاَبِیْ حَنِيْفَةَ وَاَحْمَدَ وَاَكْثَرِ الْفُقَهَاءِ اَنَّهٗ يُحْتَجُّ بِهٖ (مقدمہ شرح مسلم از نووی)

اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی فرماتے ہیں. ونزد امام شافعی اگر حدیث مرسل اعتضاد یابد بوجھے دیگر مقبول است اور امام نووی فرماتے ہیں. وَمَذْهَبُ الشَّافِعِیِّ اَنَّهٗ اِذَا انْضَمَّ اِلَى الْمُرْسَلِ مَا يَعْضُدُهٗ اُحْتُجَّ بِهٖ وَذٰلِكَ بِاَنْ يُّرْوٰى اَيْضًا مُّسْنَدًا اَوْ مُرْسَلًا مِّنْ جِهَةٍ اُخْرٰى اَوْ يَعْمَلُ بِهٖ بَعْضُ الصَّحَابَةِ اَوْ اَكْثَرُ الْعُلَمَاءِ (از نووی مقدمہ مسلم شریف)

خلاصہ یہ کہ امام شافعی نے بھی حدیث مرسل کا بالکل ہی انکار نہیں فرمایا بلکہ انکے ہاں بھی حدیث مرسل قابل حجت ہے اگر حدیث مرسل کو محدثین نے قبول کیا ہو یا کسی اور جہت سے دوسری روایت مسند یا مرسل کے ساتھ اس کی تائید ہوتی ہے. یا حدیث مرسل پر بعض صحابہ یا اکثر علماء عمل کرتے ہوں گویا حدیث مرسل امام شافعی کے ہاں مشروط طور پر قابل حجت ہے اور اس میں شک نہیں ہے کہ قابل عمل محدثین نے اس پر عمل کیا ہے اور حدیث مذکور کو حضرت عروہ ابن زبیر نے روایت فرمایا ہے جن کا شمار کبار تابعین میں ہے اور اہل مدینہ میں ان کے علم و فضل کی شہرت تھی كَانَ ثِقَةً كَثِيْرَ الْحَدِيْثِ فَقِيْهًا عَالِمًا ثَبْتًا مَّاْمُوْنًا (تہذیب التہذیب)

نیز حدیث مذکور میں تخفیف عذاب کا ذکر واضح لفظوں میں آیا ہے. اور یہی تخفیف عذاب کا ذکر

ابوطالب کے بارے میں بھی صحیح حدیث میں وارد ہے تو اس حدیث سے اس کی تائید بھی ہوجاتی ہے تخفیف عذاب دونوں حدیثوں کا مشترک موضوع ہے زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ حدیث مرسل بعض کے ہاں ضعیف ہے۔ اس سے صرف اتنا ثابت ہوگا کہ مرسل پر عمل واجب نہیں ہے بلکہ حدیث مرسل پر عمل مستحب ہے اور ضعیف حدیث فضائل اعمال میں بالاتفاق مقبول ہوتی ہے جیسے امام نووی فرماتے ہیں کہ قَالَ الْعُلَمَاءُ مِنَ الْمُحَدِّثِيْنَ وَالْفُقَهَاءِ وَغَيْرِهِمْ يَجُوْزُ وَيُسْتَحَبُّ الْعَمَلُ فِي الْفَضَائِلِ وَالتَّرْغِيْبِ وَالتَّرْهِيْبِ بِالْحَدِيْثِ الضَّعِيْفِ۔ محدثین علماء کرام اور فقہاء عظام وغیرہم نے فرمایا کہ فضائل وترغیب وترہیب میں حدیث ضعیف کے ساتھ عمل کرنا جائز ہے مستحب ہے اور ہم حدیث مذکور کو اپنے موقف کی تائید میں پیش کرتے ہیں جو ہر طرح درست ہے۔

فَاَمَّا الْقَائِلُوْنَ لَهُ الْمُحْتَجُّوْنَ بِهٖ، فَهُمْ مَالِكٌ وَّاَبُوْحَنِيْفَةَ وَجُمْهُوْرُ اَصْحَابِهِمَا وَاَكْثَرُ الْمُعْتَزِلَةِ وَهُوَ اَحَدُ الرِّوَايَتَيْنِ عَنْ اَحْمَدَ ابْنِ حَنْبَلٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ۔ (از جامع التحصیل فی احکام المراسیل)[٢٧]

پس جو لوگ حدیث مرسل کو قبول کرتے ہیں اور حدیث مرسل کے ساتھ حجت ودلیل پکڑتے ہیں وہ امام مالک اور ابوحنیفہ اور ان دونوں اماموں کے جمہور ساتھی اور اکثر معتزلہ ہیں اور یہی امام احمد بن حنبل کی دو روایتوں میں سے یہ ایک روایت ہے بہرصورت حدیث مرسل کا معتبر ہونا اکثر آئمہ کرام کے نزدیک ثابت ہے اس طرح شیخ عبدالحق محدث دہلوی شارح مشکوٰۃ شریف مقدمہ اشعۃ اللمعات میں بھی فرمایا ہے کہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے نزدیک مرسل حدیث مطلقاً مقبول ہے یہ دونوں امام فرماتے ہیں کہ یہ ارسال کمال وثوق واعتقاد کی بنا پر ہے۔ کیونکہ ثقہ راوی ہیں ہو رہا ہے اگر اس کے نزدیک حدیث صحیح نہ ہوتی تو وہ ارسال نہ کرتا اور قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ کہتا۔ اور اس میں شک نہیں کہ حضرت عروہ بن زبیر ہر لحاظ سے ثقہ اور معتبر فقہی تابعی تھے۔

مزید یہ کہ یہ ساری بحث اس میں ہے کہ حدیث مذکور جو تخفیف عذاب کے بارے میں ہے یہ تسلیم کیا جائے کہ یہ حدیث مرسل ہے۔ لیکن حدیث مذکور کو حضرت سہیل نے اپنی روایت میں متصل کر کے ذکر فرمایا ہے اور حضرت عروہ نے جس صحابی کا نام نہیں ذکر کیا ہے وہ حضرت سیدنا عباسؓ ہیں ابن حجر نے

فتح الباری میں فرمایا.

وَذَكَرَ السُّهَيْلِيُّ أَنَّ الْعَبَّاسَ قَالَ: لَمَّا مَاتَ أَبُولَهَبٍ، رَأَيْتُهُ فِي مَنَامِي، بَعْدَ حَوْلٍ، فِي شَرِّ حَالٍ فَقَالَ: مَا لَقِيتُ بَعْدَكُمْ رَاحَةً إِلَّا أَنَّ الْعَذَابَ يُخَفَّفُ عَنِّي كُلَّ يَوْمِ اثْنَيْنِ، قَالَ وَذَالِكَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وُلِدَ يَوْمَ الِاثْنَيْنِ وَكَانَتْ ثُوَيْبَةُ بَشَّرَتْ أَبَالَهَبٍ بِمَوْلِدِهٖ فَأَعْتَقَهَا

اور فرمایا سہیلی نے بیشک حضرت عباس نے فرمایا جب ابولہب مرگیا تو میں نے اسے خواب میں سال بعد بری حالت میں دیکھا تو اس نے کہا آپ کے بعد میں نے کوئی آرام نہیں پایا مگر یہ کہ ہر پیر کو عذاب مجھ سے آسان کیا جاتا ہے حضرت عباس نے فرمایا کہ یہ اس لیے کہ بے شک نبی صلے اللہ علیہ وسلم یوم الاثنین کو پیدا ہوئے تھے اور ثویبہ نے ابولہب کو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے پیدا ہونے کی بشارت دی تھی تو ابولہب نے ثویبہ کو آزاد کر دیا.

یہ وہ حدیث متصل ہے جس میں حضرت سیدنا عباس نے اصل خواب کا واقعہ بیان فرمایا ہے.

ازالۂ شبہ: جس خواب میں ابولہب پر تخفیف عذاب کا ذکر آیا ہے ہوسکتا ہے اس خواب کو اسلام لانے سے پہلے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے دیکھا ہو اور اس طرح یہ واقعہ حضرت عباس کے اسلام لانے سے قبل کا ہوگا لہذا قابل اعتبار نہیں ہے.

جواب یہ ہے کہ حالتِ کفر میں کسی واقعہ کا حامل ہونا روایت میں عیب پیدا نہیں کرتا ہے مثلاً حضرت جبیر ابن مطعم اسلام لانے سے قبل ایک حدیث کے حامل تھے جس حدیث کو شیخین نے روایت کیا ہے. وہ حدیث یہ ہے کہ اِنَّ جُبَيْرَ ابْنَ مُطْعِمٍ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَءُ فِي الْمَغْرِبِ بِالطُّوْرِ. بیشک جبیر ابن مطعم نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو مغرب کی نماز میں سورہ طور کو قرأۃ فرماتے سنا. حالانکہ یہ سماع حضرت جبیر ابن مطعم کے اسلام لانے سے پہلے تھا. رہا یہ کہ تخفیف عذاب اور سماع، قرأۃ دونوں کے موضوع الگ الگ ہیں ایک میں حالتِ خواب کا ذکر ہے دوسری میں حالت بیداری ہے لیکن اصل بات مشترک ہے وہ یہ کہ کسی حدیث یا واقعہ کا متحمل ہونا حالت کفر میں اور بعد میں اسلام لاکر اس حدیث یا واقعہ کو بیان کرنے میں قدح و عیب کو پیدا نہیں کرتا ہے امام سیوطی نے اپنے الفیہ میں صفحہ ۱۶۲ پر بھی

اسی قاعدہ کو بیان فرمایا ہے۔

رہا یہ شبہ کہ لوگوں کے رُؤیا منامیہ یعنی خواب کے ذریعے سے احکام شریعت ثابت نہیں ہو سکتے ہیں خاص کر غیر مسلم کے خواب ناقابل عمل ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ نفسِ خواب کی اہمیت کا انکار کرنا درست نہیں ہے شرع میں اچھے بُرے خواب کا بڑا ذکر آیا ہے۔ قرآن پاک میں ہے۔ لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُؤُسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ فَعَلِمَ مَالَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا

ترجمہ: نیک لوگوں کے خواب، اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کا خواب سچ کر دکھایا کہ خدا نے چاہا تو تم مسجد حرام میں اپنے سر منڈا کر اور بال کترا کر اس طرح داخل ہو گے کہ تمہیں خوف نہ ہوگا، اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے جو تم نہیں جانتے، اس نے اس سے پہلے ہی جلد ایک اور فتح عطا فرما دی۔ معلوم ہوا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خواب مبارک کو اللہ تعالیٰ نے سچا کر کے دکھایا اور اسے قائم رکھا۔

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلرُّؤْيَا الْحَسَنَةُ مِنَ الرَّجُلِ الصَّالِحِ جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَّاَرْبَعِيْنَ جُزْءً مِّنَ النُّبُوَّةِ؛

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ نیک آدمی کا اچھا خواب نبوت کے چھیالیس حصّوں میں سے ایک حصّہ ہے؛ معلوم ہوا ہر نیک انسان کا اچھا خواب اچھا ہوتا ہے

بخاری شریف باب الرّؤیا من اللہ؛ اچھے خواب اللہ کی طرف سے ہیں:

حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ يُوْنُسَ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا يَحْيٰى هُوَ ابْنُ سَعِيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا سَلَمَةَ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا قَتَادَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلرُّؤْيَا مِنَ اللّٰهِ وَالْحُلُمُ مِنَ الشَّيْطَانِ۔ ترجمہ: احمد بن یونس زہیر یحیٰی بن سعید، ابو سلمہ حضرت ابو قتادہ سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اچھے خواب خدا

کی طرف سے ہیں اور بُرے خواب شیطان کی طرف سے ہیں۔

معلوم ہوا کہ اچھے خواب کو اس لیے تسلیم کرنا چاہیئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور نعمت کے ہوتے ہیں اور بُرا خواب شیطان کا اثر ہوتا ہے نیز یہاں اس حدیث میں خواب دیکھنے والے کی خصوصیت بیان نہیں کی گئی ہے چاہے مسلمان کا خواب ہو یا کافر کا ہو۔

باب رُؤیَا یُوسُفَ وَقَولِہٖ تَعَالیٰ اِذْ قَالَ یُوسُفُ لِاَبِیہِ یَا اَبَتِ اِنِّیْ رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ کَوْکَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَیْتُھُمْ لِیْ سَاجِدِیْنَ قَالَ یَا بُنَیَّ لَا تَقْصُصْ رُؤْیَاکَ عَلٰی اِخْوَتِکَ فَیَکِیْدُوْا لَکَ کَیْدًا اِنَّ الشَّیْطَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ وَکَذٰلِکَ یَجْتَبِیْکَ رَبُّکَ وَیُعَلِّمُکَ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ وَیُتِمُّ نِعْمَتَہٗ عَلَیْکَ وَعَلٰٓی اٰلِ یَعْقُوْبَ کَمَآ اَتَمَّھَا عَلٰٓی اَبَوَیْکَ مِنْ قَبْلُ اِبْرَاھِیْمَ وَاِسْحٰقَ اِنَّ رَبَّکَ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ۔ وَقَوْلِہٖ تَعَالٰی: یَا اَبَتِ ھٰذَا تَاْوِیْلُ رُؤْیَایَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَھَا رَبِّیْ حَقًّا۔

ترجمہ: حضرت یوسف علیہ السّلام کا خواب اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ حضرت یوسف نے اپنے والد سے کہا کہ اے میرے باپ میں نے دیکھا ہے کہ گیارہ ستارے اور آفتاب و ماہتاب مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اے میرے بیٹے اپنے بھائیوں سے اپنا خواب بیان نہ کرنا ورنہ تیرے لیے مکر کریں گے۔ بیشک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے اور اسی طرح تمہارا رب تم کو چُن لے گا اور تم کو خوابوں کی تعبیر کا علم دے گا اور تم پر اور یعقوب کے خاندان پر اپنا انعام کامل کرے گا۔ جیسا اس سے پہلے تمہارے دادا ابراہیم اور اسحاق پر اپنی نعمتیں پوری کر چکا ہے واقعی تمہارا رب بڑا علم والا حکمت والا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا قول کہ حضرت یوسف نے کہا کہ اے میرے باپ یہ ہے میرے خواب کی تعبیر۔ جو میں نے پہلے دیکھا جس کو میرے رب نے سچا کر دیا۔

معلوم ہوا حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب سچا تھا اور اس پر احکام وارد ہونے والے تھے اور اس وجہ سے حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کو روکا کہ وہ اپنا خواب اپنے بھائیوں

پر ظاہر نہ کریں ورنہ یوسف علیہ السلام کے اس خواب پر احکام وارد ہونے اور احسان واتمام نعمت جیسے کمالات کی بشارت کو سن کر بھائی حضرات مکر وفریب میں یوسف علیہ السلام کو نہ ڈال دیں۔ اور مکر وفریب کا واقعہ بھی پیش آیا اور پھر اس کے بعد کمالات وغیرہ بھی مل گئے تھے اور یعقوب علیہ السلام کا حضرت یوسف علیہ السلام کو روکنے کا حکم بھی باضابطہ طور پر آیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے بھی اس واقعہ کو تفصیل سے ثابت رکھ کر بیان فرمایا ہے بہت سے احکام ان چند جملوں سے نکلتے ہیں لہٰذا خواب کا انکار کرنا اور اچھے خواب پر اچھے نتائج کا وارد ہونے کا انکار کرنا قرآن وسنت کے اس موضوع کے خلاف ہے

بخاری باب رُؤیا ابراہیم علیہ السّلام۔ حضرت ابراہیم کا خواب۔

وَقَوْلِهٖ تَعَالٰی۔ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْٓ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْٓ اَذْبَحُکَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی۔ قَالَ یٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ وَنَادَیْنٰهُ اَنْ یّٰٓاِبْرٰهِیْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا اِنَّا کَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ۔ ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کا قول کہ جب ابراہیم کے ساتھ اسمٰعیل علیہ السلام چلنے پھرنے لگے تو حضرت ابراہیم نے کہا کہ میرے بیٹے میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں بتا تیری کیا رائے ہے انہوں نے کہا اے میرے باپ آپ کر گزریں جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے آپ انشاءاللہ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیں گے۔ پھر جب دونوں تیار ہوئے اور پیشانی کے بل لٹایا، تو ہم نے پکارا کہ اے ابراہیم تم نے خواب سچ کر دکھایا ہم نیکوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں

معلوم ہوا کہ بعض اچھے خواب قابل عمل ہوتے ہیں اور ان کی خاصی اہمیت ہوتی ہے خاص کر انبیاء کرام علیہم السلام کے خواب توفیق وعرفان کے حامل ہوتے ہیں۔

اب مزید ملاحظہ فرمائیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے خوابوں کی صحیح تعبیر اور مراد کو جاننے کا وسیع علم عطا فرمایا تھا اور اس کا ذکر قرآن پاک میں آیا ہے ساتھ ہی یہ بھی قرآن پاک میں آیا ہے کہ دو کافروں نے جیل میں جو خواب دیکھے تھے ان خوابوں کا ذکر اور ان کی صحیح تعبیر کا بیان قرآن پاک نے بیان کیا ہے

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَیٰنِ ط قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّیْٓ اَرٰىنِیْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا ج وَقَالَ الْاٰخَرُ

اِنِّیۡۤ اَرٰىنِیۡۤ اَحۡمِلُ فَوۡقَ رَاۡسِیۡ خُبۡزًا تَاۡكُلُ الطَّیۡرُ مِنۡهُ ؕ نَبِّئۡنَا بِتَاۡوِیۡلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ۝ قَالَ لَا یَاۡتِیۡكُمَا طَعَامٌ تُرۡزَقٰنِهٖۤ اِلَّا نَبَّاۡتُكُمَا بِتَاۡوِیۡلِهٖ قَبۡلَ اَنۡ یَّاۡتِیَكُمَا ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِیۡ رَبِّیۡ ؕ

ترجمہ: "اور ان کے ساتھ دو اور جوان بھی داخل زندان ہوئے ایک نے ان میں سے کہا کہ (میں نے خواب دیکھا ہے) دیکھتا کیا ہوں کہ شراب کے لیے انگور نچوڑ رہا ہوں۔ دوسرے نے کہا کہ میں نے بھی خواب دیکھا ہے میں یہ دیکھتا ہوں کہ اپنے سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں اور جانور ان میں سے کھا رہے ہیں تو ہمیں ان کی تعبیر بتا دیجیے کہ ہم آپ کو نیکوکار دیکھتے ہیں، یوسف نے کہا کہ جو کھانا تم کو ملنے والا ہے۔ وہ آنے نہیں پائے گا کہ میں اس سے پہلے تم کو ان کی تعبیر بتا دوں گا۔ یہ ان باتوں میں سے ہے جو میرے پروردگار نے مجھے سکھائی ہیں"۔ اس کلام مقدس سے یہ نتیجہ سامنے آیا کہ کافروں کے خواب بھی حالتِ کفر میں بھی بامقصد ہو سکتے ہیں اور مستقبل میں کسی بڑی بات کے پیش آنے کا ذریعہ ہو سکتا ہے، خوابِ مذکور کی یقینی تعبیر ملاحظہ فرمائیں۔

یٰصَاحِبَیِ السِّجۡنِ اَمَّاۤ اَحَدُكُمَا فَیَسۡقِیۡ رَبَّهٗ خَمۡرًا ۚ وَ اَمَّا الۡاٰخَرُ فَیُصۡلَبُ فَتَاۡكُلُ الطَّیۡرُ مِنۡ رَّاۡسِهٖ ؕ قُضِیَ الۡاَمۡرُ الَّذِیۡ فِیۡهِ تَسۡتَفۡتِیٰنِ ۝

ترجمہ: میرے جیل خانے کے رفیقو! تم میں سے ایک جو پہلا خواب بیان کرنے والا ہے وہ تو اپنے آقا کو شراب پلایا کرے گا اور جو دوسرا ہے وہ سولی دیا جائے گا اور جانور اس کا سر کھا جائیں گے۔ جو امر تم مجھ سے پوچھتے ہو وہ فیصل ہو چکا ہے۔

آیۂ کریمہ کے اس حصہ سے مذکور خواب کی یقینی تعبیر بیان کی گئی ہے۔ لہٰذا غیر مسلم زمانہ کے خواب کہہ کر میلاد شریف کی تائید کرنے والی روایت کا انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ ہم اہل سنت و جماعت کا یہ مسلک ہے کہ تمام حضرات انبیاء کرام علیہم السّلام کے والدین اہل توحید و ایمان تھے اور یہ حق راستہ ہے جس پر علماء حق نے اثبات میں رسالے لکھے ہیں منکرین میلاد کا یہ مسلک ہے کہ بعض انبیاء علیہم السلام کے والدین غیر مسلم بھی گذرے ہیں۔ خاص کر ہمارے نبی کریم علیہ الصّلوٰۃ والتسلیم کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں یہ رسالہ اس موضوع کے لیے نہیں ہے ۔ حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ

والسلام کی ولادت مبارکہ سے پہلے خواب دیکھا کہ آپ سے ایک روشن نور نکلا جس سے شام کے محلات بھی روشن نظر آنے لگے۔ اب یہ وہ روایت ہے جس کو تقریباً بہت سے محدثین اور اہل سیر نے نقل کیا ہے اور کسی نے اس کا انکار نہیں کیا اور یہ مبارک خواب حقیقۃً پر مبنی ثابت ہوا اور اس خواب سے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی مراد تھے جس کی تعبیر اپنے وقت پر جلوہ افروز ہوئی۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے جہانِ ظاہر و باطن چمک پڑا۔

تفسیر قرطبی جزء ۱۶ صفحہ ۳۰۵ میں جنگ یمامہ کے بارے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت ثابت جب شہید ہو گئے تھے تو ان کے جسم پر عمدہ قسم زرّہ تھا ایک مسلمان شخص کا ان پر گذر ہوا تو اس نے وہ زرّہ لے لیا تو کسی مسلمان آدمی کو خواب کی حالت میں حضرت ثابت تشریف لائے اور اسے فرمایا میں تجھے ضروری وصیت کرتا ہوں اس وصیت کو پریشان خواب سمجھ کر نظرانداز نہ کرنا۔ کل جب میں شہید ہوا تو میرے ہاں سے ایک مسلمان مرد گذرا۔ تو اس نے میرے زرّہ کو لیا ہے اس کے خیمہ کے پاس گھوڑا ہے۔ وہاں زرہ پر ایک دیگ کو اس نے اوندھا کیا ہے اور دیگ پر کجاوہ پڑا ہے۔ تم خالد بن ولید کے پاس جاؤ پس انہیں حکم دینا کہ وہ میری زرہ کی طرف جائے اسے لے لیں اور جب مدینہ منورہ میں خلیفۂ رسول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تم حاضر ہو جاؤ تو انہیں عرض کرنا کہ مجھ پر اتنا اتنا قرضہ ہے اور فلاں نامی میرا غلام آزاد ہے تو وہی شخص حضرت خالد بن ولید کے پاس آیا انہیں واقعہ کی خبر دی۔ آپ نے کسی کو بھیجا یا خود گئے زرہ لے کر آئے اور اس شخص نے حضرت ابوبکر کو اپنا خواب بیان کیا تو آپ نے اس کی وصیت کو برقرار رکھا فرمایا۔ ہم کسی کو نہیں جانتے کہ اس کے مرنے کے بعد اس کی وصیت جائز قرار دی گئی ہو سوائے حضرت ثابت رحمۃ اللہ علیہ کے۔ ابوعمر نے اس واقعہ کو استیعاب میں ذکر فرمایا ہے۔

ابن قیم اس واقعہ پر صفحہ ۱۵ کتاب الروح میں تبصرہ فرماتے ہیں۔ فَقَدِ اتَّفَقَ خَالِدٌ وَّ اَبُوْبَکْرٍ وَّ الصَّحَابَۃُ مَعَھُمْ، عَلَی الْعَمَلِ بِھٰذِا الرُّؤْیَا وَتَنْفِیْذِ الْوَصِیَّۃِ بِھَا، وَانْتِزَاعِ الدِّرْعِ مِمَّنْ ھِیَ فِیْ یَدِہٖ وَھٰذَا مَحْضُ الْفِقْہِ۔ ترجمہ: بیشک حضرت خالد اور ابوبکر اور صحابہ کرام ان کے ہمراہ اس خواب پر عمل کرنے اور اس خواب کی وصیت کو نافذ کرنے پر اور زرہ مذکورہ کو اس شخص سے چھیننا

جس کے قبضے میں تھا پر سب نے اتفاق فرمایا ہے اور یہ محض فقہی مسئلہ ہے اس طویل واقعہ سے اور ابن قیم کے تبصرہ سے اچھی طرح معلوم ہوگیا کہ صحابہ کرام کے ہاں خواب کی اہمیت تھی اور اس قسم کے خوابوں پر شرعی احکام بھی جاری کرتے تھے۔

اب ہم متفق علیہ حدیث پیش کرتے ہیں۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ ذَکَرُوا النَّارَ وَالنَّاقُوْسَ فَذَکَرُوا الْیَهُوْدَ وَالنَّصَارٰی ۔

ترجمہ: حضرت انس سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ صحابہ نے آگ اور ناقوس کا ذکر کیا۔ تو یہود اور عیسائیوں کا ذکر کیا۔

ہجرت کے بعد نماز باجماعت کے لیے اطلاع دینے کے لیے باقاعدہ کوئی طریقہ نہ تھا ایک خاص خاص انداز سے صحابہ کرام مسجد میں باجماعت کے لیے اکٹھے ہو جایا کرتے تھے اس طرح جماعت ہو جاتی جب صحابہ کرام کی تعداد زیادہ ہوتی گئی تو نماز باجماعت کے اعلان کے لیے طریقہ کار کو سوچنے لگے۔ بعض کی رائے یہ تھی کہ نماز کے وقت آگ جلا دی جایا کرے اس پر اعتراض ہوا کہ یہ طریقہ یہود کا ہے بعض حضرات نے کہا ناقوس (گھنٹا) بجایا جائے۔ اس طرح سب کو اطلاع ہو جائے گی اس پر یہ اعتراض ہوا کہ یہ طریقہ عیسائیوں کا ہے یہ لوگ اپنی عبادت کے وقت گھنٹے بجاتے ہیں۔ اسلامی اعلان ان سے ممتاز ہونا چاہیئے جس طرح اسلامی عبادتیں ظاہر و معنوی لحاظ سے ممتاز ہیں اسی طرح اعلان کا طریقہ بھی جداگانہ ہونا چاہیئے۔ آگ جلانا سب یہودیوں کا طریقہ نہ سہی لیکن ایک گروہ کا طریقہ یہ ہے کہ آگ جلا دیا کرتے ہیں۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَیْدِ ابْنِ عَبْدِ رَبِّهٖ قَالَ لَمَّا اَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ بِالنَّاقُوْسِ یُعْمَلُ لِیُضْرَبَ بِهٖ لِلنَّاسِ لِجَمْعِ الصَّلٰوةِ طَافَ بِیْ وَاَنَا نَائِمٌ رَجُلٌ یَّحْمِلُ نَاقُوْسًا فِیْ یَدِهٖ فَقُلْتُ یَا عَبْدَ اللّٰهِ اَتَبِیْعُ النَّاقُوْسَ قَالَ وَمَا تَصْنَعُ بِهٖ قُلْتُ نَدْعُوْا بِهٖ اِلَی الصَّلٰوةِ قَالَ اَفَلَا اَدُلُّكَ عَلٰی مَا هُوَ خَیْرٌ مِّنْ ذٰلِكَ فَقُلْتُ لَهٗ بَلٰی قَالَ فَقَالَ اَللّٰهُ اَکْبَرُ اِلٰی اٰخِرِهٖ وَکَذَا الْاِقَامَةَ فَلَمَّا اَصْبَحْتُ اَتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرْتُهٗ

بِمَا رَأَیْتُ . فَقَالَ اِنَّھَا لَرُؤْیَا حَقٌّ اِنْشَآءَ اللّٰہُ اِلٰی آخرہ ۔

ترجمہ: روایت ہے حضرت عبد اللہ ابن زید ابن عبد ربہ سے فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناقوس بنانے کا (عارضی) حکم دینا چاہا تاکہ جماعت نماز کے واسطے لوگوں کے لیے بجایا جائے۔ تو مجھے خواب میں ایک شخص دکھائی دیا جو اپنے ناقوس کو ہاتھ میں اٹھائے ہوئے تھا: میں نے کہا رب کے بندے کیا تو ناقوس بیچتا ہے وہ بولا اس کا تم کیا کرو گے میں نے کہا اس سے نماز کے لیے بلایا کریں گے۔ وہ بولا کیا تمہیں اس سے اچھی چیز نہ بتا دوں۔ میں نے کہا ہاں۔ فرماتے ہیں وہ بولا کہو اللہ اکبر آخر تک اور اس طرح تکبیر جب صبح ہوئی میں حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا جو کچھ دیکھا تھا حضور سے عرض کیا فرمایا بفضلہ تعالٰے یہ خواب سچی ہے۔

جب یہ واقعہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے سنا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ہمراہ کھڑے ہونے کا حکم دیا جو کچھ خواب میں دیکھا ہے انہیں بتاتے جاؤ وہ اذان دیں کیونکہ وہ تم سے بلند آواز ہیں حضرت عبد اللہ بن زید فرماتے ہیں کہ میں حضرت بلال کے ساتھ کھڑا ہو گیا: میں انہیں بتانے لگا وہ اذان دینے لگے۔ فرماتے ہیں یہ اذان حضرت عمر نے اپنے گھر میں سنی تو چادر گھسیٹتے ہوئے نکلے عرض کرنے لگے یا رسول اللہ اس کی قسم جس نے تمہیں حق دے کر بھیجا ہے۔ لَقَدْ رَءَیْتُ مِثْلَ مَا اُرِیَ میں نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا ہے جیسا کہ انہوں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کا شکر ہے۔ (ابو داؤد و ابن ماجہ، دارمی بحوالہ مشکوٰۃ)

معلوم ہوا کہ دوسرے احکام کی طرح حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالٰی نے وحی نہیں بھیجی بلکہ صحابہ رض کے خواب کے ذریعہ اذان کو جاری فرمایا تاکہ عظمت صحابہ کرام شرعی اذان ہمیشہ کے لیے نشانِ عظمت رہے۔ نیز یہ بھی واضح ہو گیا کہ صحابہ کرام کی خوابیں اگر اتنی عظمت والی ہیں تو ان کی بیداریاں کتنی بڑی عزت والی ہوں گی اور ان کی بیداری کے احکام کیسے پاکیزہ ہوں گے دیکھو۔ اذان جیسا اسلامی شعار صحابہ کرام کے خواب کا نتیجہ ہے اور جس خواب کی تصدیق نبوت کے ذریعہ ہو۔ جیسا کہ اذان کے بارے ہے وَاَقَرَّھُمَا عَلٰی ذَالِكَ اور نبی علیہ السلام نے ان دونوں کو اس خواب پر برقرار رکھا۔ قسطلانی ملاحظہ ہو۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وہ خواب جس کا ذکر ہو چکا ہے۔ جس میں حضرت

اسمٰعیل علیہ السلام کے ذبح کا حکم دیا گیا تھا۔قابل حجت ہیں اور صحابہ کرام کے خواب بھی لائق اہتمام ہیں جیسا کہ حضرت عمر اور حضرت عبد اللہ کا اذان والا خواب ہے اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ خواب جس میں ابولہب پر عذاب کی تخفیف کا ذکر آیا ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اِنَّ رِجَالًا مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اُرُوْا لَیْلَۃَ الْقَدْرِ فِی الْمَنَامِ فِی السَّبْعِ الْاَوَاخِرِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَرٰی رُؤْیَاکُمْ قَدْ تَوَاطَئَتْ فِی السَّبْعِ الْاَوَاخِرِ فَمَنْ کَانَ مُتَحَرِّیًا فَلْیَتَحَرَّھَا فِی السَّبْعِ الْاَوَاخِرِ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ کرام کو شب قدر خواب میں دکھائی گئی کہ رمضان کے آخری ہفتہ میں ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں دیکھتا ہوں کہ تمہاری خوابیں آخری ہفتہ پر متفق ہوگئیں تو جو شب قدر تلاش کرے وہ آخری ہفتہ میں تلاش کرے اب ابن قیم کا اس حدیث پر تبصرہ ملاحظہ کریں جس کو ابن قیم نے کتاب الروح صفحہ ۹ پر تحریر فرمایا ہے فَاِذَا تَوَاطَئَتْ رُؤْیَا الْمُؤْمِنِیْنَ عَلٰی شَیْئٍ کَانَ کَتَوَاطُئِ رِوَایَتِہِمْ لَہٗ وَکَتَوَاطُئِ رَأْیِہِمْ عَلَی اسْتِحْسَانِہٖ وَمَا رَاٰہُ الْمُسْلِمُوْنَ حَسَنًا فَھُوَ عِنْدَ اللّٰہِ حَسَنٌ وَمَا رَاٰہُ الْمُسْلِمُوْنَ قَبِیْحًا فَھُوَ عِنْدَ اللّٰہِ قَبِیْحٌ ——— مندرجہ بالا حدیث کو بطور استدلال علامہ ابن قیم نے اختیار کرکے اپنا تبصرہ فرمایا ہے جب اہل ایمان کے خواب کسی شئی پر موافقت کر جائیں تو خوابوں کی موافقت یوں ہے جیسے اہل ایمان کی روایتوں کی موافقت ہو کسی چیز پر۔ اور جیسے اہل ایمان کی رائے کا اجماع ہو اس شئے کے مستحسن ہونے پر۔ اور جس چیز کو مسلمان حسن خیال کریں پس وہ چیز اللہ کے ہاں بھی حسن ہوگی اور ہر وہ چیز جس کو مسلمان قبیح (بری) خیال کریں پس وہ چیز اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی قبیح ہوگی۔ معلوم ہوا کہ اہل ایمان کے خواب پر اتفاق وعمل کا پایا جانا اجماعی روایت اور اتفاقی رائے کی طرح ہوتی ہے۔ مسلمان کا مستحسن امر عند اللہ بھی مستحسن اور کار خیر ہوتا ہے۔

بَابُ التَّوَاطُئِوعَلَى الرُّؤْيَا بخاری میں مندرجہ بالاحدیث لیلۃ القدر والی فتح الباری جز ۱۲ صفحہ ۳۰۸ پر ملاحظہ کریں

وَ يُسْتَفَادُ مِنَ الحَدِيْثِ أَنَّ تَوَافُقَ جَمَاعَةٍ عَلٰى رُؤْيَا وَاحِدَةٍ دَالٌّ عَلٰى صِدْقِهَا وَ صِحَّتِهَا۔ حدیث سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ بےشک کسی جماعت کی موافقت کا ایک خواب پر ہوجانا دلالت کرتا ہے کہ وہ خواب سچا ہے اور صحیح و درست ہے۔

معلوم ہوا کہ منکرین میلا دنبوی کے دلائل وحیلے بری طرح ناکام ہیں اور حسد و بغض کی وجہ سے ان کے سارے علم و فہم نا تمام ہیں۔ یاد رہے ہم نے حدیث تخفیف عذاب کو صرف مرسل ہی کرکے نقل نہیں کیا ہے بلکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ذریعے اس کو حدیث متصل کر کے بھی نقل کیا ہے اور حضرت عباس کا یہ خواب دیکھنا حالت کفر میں ثابت نہیں ہے اور صرف بلادلیل احتمال حالتِ کفر کہہ دینا ناقابل تسلیم ہے۔ حضرت عباس کا جنگ بدر میں کفار کے ساتھ آنا ان کے کفر کو ثابت نہیں کرتا ہے بلکہ مصلحت و مجبوری کی بنا پر آپ کا کافروں کے ساتھ آنا ہو سکتا ہے ملاحظہ کریں۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ خود نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جنگ بدر میں حضرت عباس کو اگر کوئی تم میں سے پائے تو ان کو قتل نہ کریں۔

وَمَنْ لَقِيَ الْعَبَّاسَ بْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَلَا يَقْتُلْهُ فَإِنَّهُ أُخْرِجَ كَرْهًا " اور جس کسی نے عباس بن عبد المطلب کو پایا تو وہ انہیں قتل نہ کرے کیونکہ وہ مجبور کر کے لائے گئے ہیں۔

الکامل فی التاریخ لا بن الا ثیر جلد دوم ص۱۲۸

ہمارے اس دعویٰ پر کہ حضرت عباس جنگ بدر میں آنے سے قبل ہی اسلام لا چکے تھے شہادت یہ ہے کہ جب جنگ بدر میں لڑائی ختم ہو گئی حضرت عباس دوسرے کافر قیدیوں کے ساتھ قیدی ہو کر دوسروں کی طرح ان سے بھی رہائی پانے کے لیے فدیہ طلب کیا گیا۔ ٹال مٹول کو دیکھ کر جب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں اُس مال کی خبر دی جو وہ اُمّ الفضل کو دے آئے تھے۔ تو حضرت عباسؓ نے اس غیب کی خبر کو پا کر کہا، وَالَّذِیْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَاعَلِمَ بِهٖ اَحَدٌ غَيْرِیْ

وَغَيْرُهَا وَاِنِّي لَاَعْلَمُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اور اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا اس غیب کی خبر کو میرے اور ام الفضل کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا تھا اور میں یقیناً جانتا ہوں کہ بیشک آپ اللہ کے رسول ہیں۔ الکامل فی التاریخ جلد دوم صد ۱۳۳

مزید حضرت عباس کے بارے میں ملاحظہ ہو۔

وَحَضَرَ بَيْعَةَ الْعَقَبَةِ مَعَ الْاَنْصَارِ قَبْلَ اَنْ يُّسْلِمَ وَشَهِدَ بَدْرًا مَّعَ الْمُشْرِكِيْنَ مُكْرَهًا فَاُمِرَ فَافْتَدٰى نَفْسَهٗ وَرَجَعَ مَكَّةَ فَيُقَالُ اِنَّهٗ اَسْلَمَ وَكَتَمَ قَوْمَهٗ ذٰالِكَ۔ (اصابہ فی تمیز الصحابۃ)

اور حضرت عباس بیعت عقبہ میں انصار کے ساتھ اسلام لانے سے پہلے حاضر ہوئے اور بدر میں مشرکین کے ہمراہ مجبوری کی حالت میں گئے تھے۔ (قیدی ہوکر) فدیہ ادا کرنے کے حکم دیئے گئے تو انہوں نے اپنے آپ کا فدیہ دیا اور مکہ کی طرف لوٹے تو یہ بات عام کہی جانے لگی کہ عباس پہلے سے مسلمان ہو چکے تھے اور اپنی قوم سے اسلام کو چھپائے رکھا۔ معلوم ہوا کہ حضرت عباس جنگ بدر میں جانے سے قبل ہی مسلمان ہو چکے تھے اور ابولہب کے بارے خواب کو آپ نے جنگ بدر میں جانے کے بعد دیکھا تھا۔ اور ابولہب کا جنگ بدر کے ایک سال بعد مرنا واقع ہوا تھا۔ گویا جنگ بدر کے بعد ایک سال بعد ابولہب مرا۔ اور اس کے بعد حضرت عباس نے حالت اسلام میں ابولہب کو خواب میں دیکھا۔ جس سے ہمارا مدعیٰ واضح ہو گیا کہ حضرت عباس کے خواب پر حالت کفر میں واقع ہونے سے واقعۂ خواب تخفیف عذاب کی اہمیت واضح ہو گئی ہے۔ اور اگر حضرت عباس نے اس خواب کو اسلام لانے سے پہلے دیکھا ہو تو پھر بھی حجت شرعی نہ سہی جیسے کہ ہم بھی حجت شرعیہ کے قائل نہیں ہیں لیکن حضرت عباس کی اس روایت کو بہت سے محدثین وائمہ حضرات نے معتبر مانا ہے۔ جس سے تخفیف عذاب کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے محمد ابن سیرین فرماتے ہیں

فَكُلُّ مَا اَخْبَرَ بِهِ الْمَيِّتُ عَنْ نَفْسِهٖ اَوْعَنْ غَيْرِهٖ فَهُوَ حَقٌّ۔ لِاَنَّهٗ فِيْ دَارِ الْحَقِّ وَخَرَجَ مِنَ الْبَاطِلِ وَمَشْغُوْلٌ عَنْهُ فَلَوْ يَكْذِبُ فِيْمَا بِهٖ يُخْبِرُ (کتاب تعبیر الرؤیا)

جو بات مردہ بتائے وہ حق ہوتی ہے کیونکہ حق کے گھر میں داخل ہے اور باطل سے نکل آیا ہے معلوم ہوا کہ روایت مذکورہ کی اہمیت ناقابلِ ردّ ہے بلکہ اہلِ ردّ قابلِ ردّ ہیں۔

شبہ: میلادِ نبوی کے انعقاد کے منکرین یہ بھی کہا کرتے ہیں کہ میلاد کی محفل کو سب سے پہلے بادشاہ ابو سعید مظفر والیٔ اربل نے منعقد کی ہے۔ لہٰذا میلاد منانا بعد کی پیداوار ہے جو بدعت ہی ہو سکتا ہے۔

ازالۂ شبہ: ہم نے میلاد منانے پر دلائل و شواہد پیش کر دیئے ہیں اس کے بعد شاہ ابو سعید مظفر کا حوالہ دینا ہمارے لیے بطورِ دلیل و شواہد نہیں ہے بلکہ زیادہ سے زیادہ ہم بطورِ تائید اس دور کے علماء حق کو پیش کر سکتے ہیں کہ شاہ ابو سعید کے دور کے جید علماء کرام کا محفل میلاد میں شرکت کرنا اور میلاد کے انعقاد پر کتابیں رسالے لکھنا یہ ثابت کر رہا ہے کہ محفل میلاد منانا امر مستحسن ہے اور کارِ ثواب ہے اور ذریعۂ اظہارِ تشکر و محبت ہے اور اس نیت سے علماء متقدمین رحمۃ اللہ علیہم میلاد شریف مناتے آرہے ہیں۔ رہا یہ کہ شاہ اربل کیسا آدمی تھا؟ اس کے بارے عرض ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی میلاد شریف کی محفل کا اہتمام کرنا۔ یہ ظاہر کر رہا ہے وہ اہلِ محبت و عقیدت تھا اور منکرین میلاد کی نسبت سے کئی درجہ بہتر تھا۔

ابو سعید مظفر کوکری متوفی ۶۳۰ھ ایک جید عالم دین تھا۔ ابو الخطاب بن دحیہ جو حضرت دحیہ کلبی صحابی کی اولاد سے تھے اور جس کے بارے علامہ زرقانی اور ابن خلکان نے کہا کہ وہ بہت بڑے محدث اور مشہور فاضلوں سے تھے اور اس کے لیے ایک کتاب میلاد پاک منانے کے اثبات میں شیخ ابو الخطاب بن دحیہ نے لکھی جس کا نام التنویر فی مولد البشیر النذیر ہے۔ (حسن المقصد فی عمل المولد)

علامہ ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں لکھا کہ كَانَ شَهْماً شُجَاعاً بَطَلاً عَاقِلاً عَالِماً عَادِلاً یہ القاب ملک مذکور کے متعلق ہیں بلکہ اس دور کے علماء کرام اور صوفیاء عظام مظفر کی محفل میلاد میں شرکت کرتے تھے اور سبط ابن جوزی فرماتے ہیں۔

كَانَ يَحْضُرُ عِنْدَهُ فِي الْمَوْلِدِ اَعْيَانُ الْعُلَمَاءِ وَالصُّوفِيَّةِ

محفل ذکر مولد نبوی کی اتنی شہرت ہوگئی تھی کہ اسلامی ملکوں میں میلاد کی محفلیں اہتمام سے شروع ہوکر شوکت اسلام اور محبت رسول کی پیام بن گئیں۔ علامہ سخاوی فرماتے ہیں۔

ثُمَّ لَا زَالَ اَهْلُ الْاِسْلَامِ مِنْ سَائِرِ الْاَقْطَارِ وَالْمُدُنِ الْكِبَارِ يَعْمَلُوْنَ الْمَوْلِدَ وَيَتَصَدَّقُوْنَ فِيْ لَيَالِيْهِ بِاَنْوَاعِ الصَّدَقَاتِ وَيَظْهَرُ عَلَيْهِمْ مِنْ بَرَكَاتِهٖ كُلُّ فَضْلٍ عَمِيْمٍ

پھر ہمیشہ سے اہل اسلام ہر طرف بڑے شہروں میں میلاد کا عمل کرتے رہے اور میلاد کی راتوں میں ہر قسم کے صدقے دیتے رہے اور لوگوں پر میلاد کی برکتوں سے بڑے بڑے فضل ظاہر ہوتے رہے۔

ملا علی قاری حنفی فرماتے ہیں کہ میلاد کا عمل حرمین شریفین زَادَهُمَا اللّٰهُ شَرَفاً وَّتَعْظِيْماً اور ملک مصر۔ اندلس۔ مغربی ممالک، ملک روم۔ ملک عجم اور ملک ہندوستان وغیرہ میں کمال اہتمام واحتشام سے ہوتا ہے اور تمام علماء ومشائخ ان محافل میں شریک ہوتے ہیں اور علماء حرمین شریفین خصوصاً ان ادوار میں محافل میلاد پاک منعقد کرتے تھے۔ جیسا کہ امام قسطلانی۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی، حاجی امداد اللہ مہاجر مکی وغیرھم کی کتابوں میں میلاد نبوی کو منانے کی تائید موجود ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے خود اپنے والد ماجد شاہ عبد الرحیم محدث دہلوی کا باقاعدگی سے ربیع الاول شریف میں محفل میلاد پاک منانا دعوتیں پکانا بیان کیا ہے۔ ملاحظہ ہو انفاس العارفین اور درثمین۔

محفل میلاد شریف کے جواز کے قائلین اکابر علماء متقدمین مصنفین کی جماعت پر نظر ڈالیں۔

علامہ سخاوی۔ علامہ ابو الفرج بن جوزی۔ حافظ شمس الدین جزری۔ حافظ عماد الدین کثیر۔ علامہ ابو الحسن البکری۔ شمس الدین بن ناصر الدین دمشقی۔ امام محقق ولی الدین العراقی۔ شیخ جلال الدین سیوطی۔ محمد ابن عبد الباقی زرقانی۔ حافظ ابن قیم۔ نور الدین علی حلبی۔ مجد الدین فیروز آبادی۔ شیخ دحلان مکی۔ شاہ عبد الحق محدث دہلوی۔ قاضی ابن خلکان۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ شیخ عثمان حسن الدمیاطی الشافعی المقیم بالمسجد الحرام محمد ابن ابی بکر الرئیس مفتی شافعیہ مکہ مکرمہ۔ ابن یحییٰ مفتی حنابلہ مکہ شریف۔ عبد اللہ بن المرحوم عبد الرحمٰن سراج المفسر والمحدث بمسجد حرام۔ سید برزنجی وغیرہم علمائے حرمین شریفین اور بے شمار آئمہ ومحدثین میلاد پاک کی محافل منعقد کرتے اور ان میں شرکت کو محمود و مستحسن سمجھتے تھے۔ (ماخوذ از انوار ساطعہ)

ہم اہل سنت وجماعت اپنے ان اکابرین ملت اسلامیہ کی راہ چل کر محفل میلاد شریف کو کار ثواب سمجھ کر مناتے ہیں۔

تخفیف عذاب

منکرین میلاد نے یہ شبہ بھی پیش کیا ہے کہ ابولہب کافر تھا کافر ہو کر مرا اور کافر کے بارے قرآن پاک میں ہے لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ۝ ترجمہ: "نہ ہلکا ہوگا ان پر سے عذاب اور نہ ان کو مہلت ملے گی۔"

حدیث مذکورا بولہب سے تخفیف عذاب بتا رہی ہے۔

ازالہ: دراصل منکرین حضرات کا یہ شیوہ رہا ہے کہ ہر وہ مقام جہاں فضائل وکمالات شان مصطفے علیہ الصلوٰۃ والسلام ثابت ہورہے ہوں۔ وہاں ان کی کوشش ہوگی کہ اپنے مذہبی وفاداری کے تحت شان اقدس کو گھٹائیں اور اس میں اپنے علمی زور کو صرف کریں۔ ہم اس شبہ کا اہل تحقیق کی عبارت کے ذریعہ ازالہ کرتے ہیں۔

وَقَالَ الْقُرْطُبِيُّ هٰذَا التَّخْفِيفُ خَاصٌّ بِهٰذَا وَبِمَنْ وَرَدَ النَّصُّ فِيهِ وَقَالَ ابْنُ مُنِيرٍ فِي الْحَاشِيَةِ هُنَا قَضِيَّتَانِ اِحْدٰهُمَا مُحَالٌ وَّهِيَ اِعْتِبَارُ طَاعَةِ الْكَافِرِ مَعَ كُفْرِهٖ لِاَنَّ شَرْطَ الطَّاعَةِ اَنْ تَقَعَ بِقَصْدٍ صَحِيْحٍ وَهٰذَا مَفْقُوْدٌ مِّنَ الْكَافِرِ الثَّانِيَةُ اِثَابَةُ الْكَافِرِ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْمَالِ تَفَضُّلًا مِّنَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَهٰذَا لَا يُحِيْلُهُ الْعَقْلُ فَاِذَا تَقَرَّرَ ذٰلِكَ لَمْ يَكُنْ عِتْقُ اَبِي لَهَبٍ لِثُوَيْبَةَ قُرْبَةً وَيَجُوْزُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ اللّٰهُ عَلَيْهِ بِمَا شَاءَ كَمَا تَفَضَّلَ عَلٰى اَبِيْ طَالِبٍ وَّالْمُتَّبَعُ فِيْ ذٰلِكَ التَّوْقِيْفُ نَفْيًا وَّاِثْبَاتًا (قُلْتُ) وَتَتِمَّةُ هٰذَا اَنْ يَّقَعَ التَّفَضُّلُ الْمَذْكُوْرُ اِكْرَامًا لِّمَنْ وَّقَعَ مِنَ الْكَافِرِ الْبِرُّ لَهٗ وَنَحْوُ ذٰلِكَ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

فتح الباری ج ۹ ص ۱۱۹

امام قرطبی نے فرمایا یہ تخفیف عذاب ابولہب کے ساتھ خاص ہے اور اس شخص کیساتھ جس کے حق میں تخفیف عذاب کی نص وارد ہوئی۔ ابن منیر نے حاشیہ میں کہا یہاں دو قضیے ہیں، ایک تو محال ہے وہ یہ ہے کہ کافر کے کفر کے ساتھ اس کی طاعۃ کا اعتبار کیا جائے۔ استحالہ کی وجہ یہ ہے کہ طاعۃ کا معتبر ہونا قصد

صحیح کی شرط سے مشروط ہے اور یہ کافر میں نہیں پایا جاتا ہے۔ دوسرا قضیہ یہ ہے کہ کافر کو اس کے کسی عمل پر بطور تفضل و احسان کوئی فائدہ پہنچانا۔ اور یہ بات بطور عقل محال نہیں ہے اور جب یہ دونوں باتیں ثابت ہوگئیں۔ تو جاننا چاہیئے کہ ابولہب کا ثویبہ کو آزاد کرنا طاعۃ معتبرہ نہ تھی۔ اور اس کے عمل پر اگر اللہ تعالیٰ اپنی مشیت کے مطابق کچھ احسان فرمادے تو یہ ممکن ہے۔ جیساکہ ابوطالب پر احسان فرمایا اور اس مسئلہ میں نفیاً اثباتاً توقیف ہی کی اتباع کی جاسکتی ہے (یعنی تخفیف عذاب کی نفی و اثبات کا قول ورود نص پر موقوف ہے جس کے حق میں جو کچھ نص میں وارد ہوا اس کی اتباع کی جاتے گی)

میں (ابن حجر عسقلانی) کہتا ہوں کہ ابن منیر کی اس تقریر کا تتمہ یہ ہے کہ ابولہب پر تفضل یا اس طرح کسی دوسرے کے حق میں جو احسان اللہ تعالیٰ سے ہوتا ہے وہ اس ذات کے اکرام کے لیے ہوتا ہے جس کے لیے کافر نے کوئی نیک کام کیا ہو۔

معلوم ہوا کہ کافر پر عذاب کا ہلکا نہ ہونا تو قانون الٰہی ہے اس میں شک نہیں ہے لیکن تخفیف عذاب کا نہ ہونے کا قانون برقرار رہتے ہوئے تفضل و احسان فرمانا کسی کافر پر کسی خاص ادا کے پسند آنے پر یہ قانون کے خلاف نہیں ہے جس طرح ابوطالب پر تخفیف عذاب اس لیے ہوئی تھی کہ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی تھی تو اس طرح ابولہب پر تخفیف عذاب اس لیے ہوئی ہے کہ اس نے اپنے بھتیجے کی ولادت کی خوشی میں خوش ہوکر خوشخبری دینے والی ثویبہ لونڈی کو آزاد کیا تھا اور حقیقت ان دونوں واقعوں میں تخفیف عذاب کے ذریعے تفضل بھی ہے اور خاص کر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی خاطر چونکہ ان دونوں چچوں پر تخفیف ہوئی تھی لہٰذا اس میں ہمارے نبی کریم علیہ السلام کی عظمت و اعزاز کا اظہار ہے اور آپ کے اکرام و اجلال کے لیے کافر پر احسان بھی ہے اور اس تخفیف عذاب کا اصل سبب یہ تھا کہ ابولہب کو اس کی لونڈی ثویبہ نے یہ بشارت دی تھی کہ تمہارا بھتیجا پیدا ہوگیا ہے۔ ملاحظہ ہو کَانَتْ ثُوَیْبَۃُ بَشَّرَتْ اَبَا لَھَبٍ بِمَوْلِدِہٖ فَاَعْتَقَھَا۔ کہ ثویبہ نے ابولہب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی بشارت دی تو اس نے ثویبہ کو آزاد کردیا۔ (ابن حجر عسقلانی)

اور بخاری کی روایت میں سقیت فی ہٰذہ کی تشریح میں ابن حجر عسقلانی عبدالرزاق سے نقل کرتے ہیں

وَاَشَارَاِلَی النُّقْرَۃِالَّتِیْ تَحْتَ اِبْہَامِہٖ اوراس روایت کو امام سیوطیؒ نے ابن جزری سے نقل کیا ہے

وَقَدْ رُئِیَ اَبُوْلَھَبٍ بَعْدَ مَوْتِہٖ فِی النَّوْمِ فَقِیْلَ لَہٗ مَاحَالُکَ فَقَالَ فِی النَّارِ اِلَّا اَنَّہٗ یُخَفَّفُ عَنِّیْ کُلَّ لَیْلَۃِ اثْنَیْنِ وَاَمُصُّ مِنْ بَیْنِ اِصْبَعِیْ مَاءً بِقَدْرِ ھٰذَا وَاَنَّ ذٰلِکَ بِاِعْتَاقِی الثُّوَیْبَۃَ عِنْدَ مَا بَشَّرَتْنِیْ بِوِلَادَۃِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَبِاِرْضَاعِھَا لَہٗ ۔ (الحاوی للفتاوٰی ج اول ص۱۹۶)

بے شک ابولہب خواب میں دیکھا گیا اس کے مرنے کے بعد تو کہا گیا کہ تیرا کیا حال ہے اس نے کہا (کہ وہ) آگ میں ہے مگر بیشک مجھ سے ہر شب پیر کو عذاب ہلکا کیا جاتا ہے اور میں اپنی انگلی میں سے پانی چوستا ہوں اس اندازہ کے ساتھ اور بے شک (یہ احسان) میرے ثویبہ کو آزاد کرنے کے سبب سے ہے جس وقت اس نے مجھے نبی کی ولادت کی بشارت دی اور اس ثویبہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلانے کے سبب سے ۔

نواب صدیق حسن قنوجی کی سنیئے ۔

حضرت کو آٹھ بیبیوں نے دودھ پلایا آپ کی ماں نے تین یا آٹھ یا سات دن پھر ثویبہ ،اسلمیہ جاریہ ابولہب نے جسے ابولہب نے وقت بشارت ولادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کر دیا تھا ۔

انتہیٰ بلفظہٖ (الشمامۃ العنبریہ ص۱۳)

اور امام حافظ ابن قیم جوزیہ بھی تخفیف عذاب وحدیث تفضل کو تسلیم کر چکا ہے ۔ وَلَمَّا وُلِدَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَشَّرَتْ بِہٖ ثُوَیْبَۃُ اَبَالَھَبٍ وَکَانَ مَوْلَاھَا وَقَالَتْ قَدْ وُلِدَ اللَّیْلَۃَ لِعَبْدِ اللّٰہِ ابْنٌ فَاَعْتَقَھَا اَبُوْلَھَبٍ سُرُوْرًا بِہٖ ۔ فَلَمْ یُضِعِ اللّٰہُ ذٰلِکَ لَہٗ وَسَقَاہُ بَعْدَ مَوْتِہٖ فِی النُّقْرَۃِ الَّتِیْ فِیْ اَصْلِ اِبْہَامِہٖ (تحفۃ المودود باحکام المولود ص۱۷)

اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے ۔آپ کی ولادت کی بشارت ثویبہ نے ابولہب کو دی اور ابولہب ثویبہ کا مولیٰ تھا اور اس نے کہا بیشک آج رات عبداللہ کا بیٹا پیدا ہوا ہے تو ابولہب نے ثویبہ کو آزاد کر دیا ۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تولد کے سبب خوش ہو کر ۔ تو (اس طرح) اللہ نے اس آزاد کرنے

کو ابولہب کے حق کو ضائع نہ فرمایا۔ اور ابولہب کو مرنے کے بعد سیراب فرماتا ہے اس نقرہ میں جو اس کے انگوٹھے کی جڑ میں ہے۔

حافظ ابن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۴ھ نے بھی اسی روایت کو نقل فرمایا ہے اَعْتَقْتُهَا مِنْ سَاعَتِهٖ فَجُوْزِیَ بِذَالِكَ لِذَالِكَ (البدایہ والنہایہ جلد دوم صـ ۲۷۳) تو اس وجہ سے اس کو یہ جزا دی گئی۔

مندرجہ بالا روایت کو شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج النبوت میں امام غزالی نے احیاء العلوم میں علامہ فاسی نے مطالع المسرات میں امام قسطلانی نے مواہب میں محدث ابن جوزی نے عرف التعریف میں حافظ جلال الدین سیوطی نے الحاوی للفتاوی اور جامعہ ازہر قاہرہ کے علی الجندی نے نفح الازہار فی مولد المختار میں نقل کیا ہے۔ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے بھی امداد الفتاوی میں اس روایت کو تسلیم کیا ہے اور اس کی تردید نہیں کی ہے۔ امداد الفتاوی ج پنجم صـ ۲۵۴

اب ان حوالوں سے ظاہر ہے کہ ابولہب نے نبی کریم علیہ السلام کی ولادت کی خوشی پر اپنی لونڈی ثویبہ کو آزاد کیا تھا اور یہی حق ہے۔

شبہ: میلاد یا معراج نبوی کو منانے میں بعض ناجائز چیزیں بھی شامل ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا میلاد و معراج نبوی جیسی تقریبات ناجائز ہیں۔

ازالہ شبہ: یہ ہے کہ اسلام خرابیوں کو دور کرنے کے لیے آیا ہے اور اچھائیوں اور خوبیوں کو پھیلانے کا درس دیتا ہے۔ دراصل اسلام خوبیوں کا نام ہے۔ اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَةُ۔ دین اسلام نصیحت و خیر خواہی ہے اگر کہیں اچھے کاموں میں خرابی کا کچھ حصہ مل جائے تو وہاں طریقہ کار اور مسنون عمل یہ ہوگا کہ خرابی کو دور کر کے اچھائی۔ کار خیر کو برقرار رکھا جائے گا۔ کیونکہ کار خیر مقصود ہے اور مقصود کو ختم نہیں کیا جا سکتا ہے سر میں پھوڑے نکل آنے سے سر کو دور نہیں کریں گے بلکہ بیماری کا علاج کر کے مقصود صحت سر کو حاصل کرینگے فصل میں غیر مقصودی پودوں کو دور کریں گے۔ یہ نہیں کہ سارے فصل کو ختم کیا جائے۔ کنوئیں میں ناپاکی گرنے سے ناپاکی اور ناپاک پانی کو دور کریں گے۔ ایسا نہیں کہ سارا کنواں گرا دیا جائے یا بند کر لیا جائے۔ نماز میں سہو ہونے سے سجدہ سہو کے ذریعے بھول کی کمی کو دور کریں گے۔ ایسا نہیں کہ اس نماز ہی کو چھوڑ بیٹھیں۔ حج میں جنایت

نقصان واقع ہونے سے دم جنایۃ دے کر حج کے نقصان کو دور کر کے حج ادا کریں گے ایسا نہیں کہ حج ہی کو چھوڑ بیٹھیں۔ اسی طرح جہاد میں شریک افراد کے ساتھ اگر بعض خودغرض یا فسادی قسم کے لوگ۔ یا منافق مل گئے ہوں تو فسادی یا منافقوں کو جہاد سے روکا جائے یا ان کے فساد و فتنہ کی نگرانی کی جائے گی یہ نہ ہو کہ مجاہدین کا ساتھ چھوڑ دیا جائے یا جہاد ہی سے دل برداشتہ ہو جائیں۔ ورنہ جہاد کا فریضہ کیسے پورا کیا جائے گا۔ اور جہاد کی قوت سے اسلام کی شوکت کو کیسے پورا کیا جا سکے گا۔ ضرورتِ جہاد کے وقت مساجد کے اندر تبلیغی نصاب کام نہیں دے گا بلکہ میدان جہاد میں وقت کے موافق۔ تقاضائے ضرورتِ جہاد کے مطابق عمل کرنا ضروری ہوگا۔ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ دشمن کافروں کے مقابلہ کے لیے اپنی پوری طاقت تیار کرو۔ یہ ربانی حکم ہے۔

کعبۃ اللہ میں پچھلے سالوں میں سعودی عوام میں سے فسادی مذہبی جنونیوں نے بیت اللہ کو کنٹرول کیا اور اس کے اندر گھس کر فائرنگ کر کے قبضہ کر لیا تھا۔ سعودی حکومت نے فوجی طاقت کے ذریعے مختلف طریقے استعمال کر کے کھلی فائرنگ کے ذریعہ بیت اللہ کو باغیوں سے آزاد کرا لیا تھا۔ سعودی مذہبی خیر خواہوں کو چاہیئے تھا کہ کہہ دیتے۔ چونکہ بیت اللہ میں فسادی۔ باغی آچکے ہیں لہٰذا بیت اللہ کو چھوڑ دو۔ اس کے اندر ہی نہ جاؤ۔ چونکہ بیت اللہ شریف کو اپنے مفاد کے لیے یا اپنی ذمہ داری کو پورا کرنے کی خاطر فوجی کاروائی کو جائز قرار دیا گیا۔

معلوم ہوا کہ امر خیر میں شر جب داخل ہو جاتے تو خیر کو ترک نہیں کیا جائے گا بلکہ خیر سے شر کو دور کیا جائے گا۔ شر سے مخالفت کی اس لیے ضرورت ہوتی ہے کہ مقصود خیر ہوتا ہے اور شر خیر کی ضد ہے یا مانع ہے۔ اور اگر خیر ہی کو چھوڑ دیا جائے تو پھر خیر کی حمایت نہ ہوگی بلکہ شر کے ساتھ تعاون ہوگا۔ اور قرآن پاک میں آیا ہے تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔

نیکی اور پرہیزگاری پر آپس میں تعاون کرو۔ گناہ اور دشمنی پر آپس میں مدد مت کرو۔

تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔

اچھے کام کا حکم کرو اور برے کام سے روکو۔

اس میں شک نہیں کہ ذکرِ عظمتِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سارا کا سارا خیر ہی ہے اور یہی شریعت کا مطلوب ہے۔ اور میلادِ نبوی اوّل تا آخر ذکر رسول کریم علیہ السلام کا دوسرا نام ہے۔

بحثِ بدعت اور میلادِ نبوی

میلادِ پاک کے منانے والوں پر منکرین میلاد کا آخری ناتمام اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ میلاد منانا بدعت ہے کیونکہ میلاد منانے کی کوئی اصل شریعت میں نہیں ہے اور بدعت ضلالت ہے

اس اعتراض کا جواب تفصیل سے دینا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کیونکہ بحث بدعت پر منکرین میلاد کی اہل سنت وجماعت کے ساتھ عرصہ دراز سے اختلاف آرہا ہے۔ اس لحاظ سے بدعت کی تحقیق اور اپنا نقطہ نظر پیش کرنا ضرور معلوم ہوا رہا یہ کہ میلاد منانے کی اصل شرع میں نہیں ہے یہ بات ہم نے کئی طرح رد کی ہے اور قرآن پاک کی آیات کے عموم واطلاق سے میلاد منانے کا عام فہم استنباط کیا ہے جو کئی صفحات پر حاضر ہے۔ سردست ہم امام وعلامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے الحاوی للفتاوی جلد اول میں رسالہ حسن المقصد فی عمل المولد سے میلاد پر اصل پیش کرتے ہیں۔

پہلی اصل: امام سیوطی نے حافظ ابن حجر سے نقل فرمایا ہے کہ انہوں نے فرمایا۔

وَقَدْ ظَهَرَ لِيْ تَخْرِيْجُهَا عَلٰى اَصْلٍ ثَابِتٍ وَّهُوَ مَاثَبَتَ فِي الصَّحِيْحَيْنِ مِنْ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ فَوَجَدَ الْيَهُوْدَ يَصُوْمُوْنَ يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ فَسَأَلَهُمْ فَقَالُوْا هُوَ يَوْمٌ اَغْرَقَ اللّٰهُ فِيْهِ فِرْعَوْنَ وَنَجّٰى مُوْسٰى فَنَحْنُ نَصُوْمُهٗ شُكْرًا لِلّٰهِ تَعَالٰى فَيُسْتَفَادُ مِنْهُ فِعْلُ الشُّكْرِ لِلّٰهِ تَعَالٰى عَلٰى مَا مَنَّ بِهٖ فِيْ يَوْمٍ مُّعَيَّنٍ مِّنْ اِسْدَاءِ نِعْمَةٍ اَوْدَفْعِ نَقْمَةٍ وَّيُعَادُ ذَالِكَ فِيْ نَظِيْرِ ذَالِكَ الْيَوْمِ مِنْ كُلِّ سَنَةٍ الخ

اور (ولادت مبارکہ) اس کی تخریج میرے لیے ایک اصل ثابت پر ظاہر ہوئی ہے اور وہ روایت صحیحین میں ہے کہ بے شک نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو یہود کو عاشورہ کا روزہ رکھتے ہوئے پایا تو آپ نے ان سے پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ یہ وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق فرمایا

اور موسیٰ علیہ السلام کو نجات دی۔ تو ہم اس یوم عاشورا۔ کا روزہ بطور شکریہ کے اللہ تعالیٰ کے لیے رکھتے ہیں تو اس حدیث سے اللہ تعالیٰ کے لیے فعل شکر کا فائدہ حاصل ہوا اس چیز پر جس کے ذریعہ خاص دن میں اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا ہو نعمت دینے کی صورت میں یا مصیبت دور کرنے سے اور ایسے احسان والے دن میں ہر سال شکر کو دہرایا جائے گا۔ معلوم ہوا کہ جن دنوں میں اللہ تعالیٰ کے احسانات نازل ہو گئے ہوں ان پر شکر کیا جائے اور یوم تشکر منایا جائے۔

وَالشُّكْرُ لِلّٰهِ يَحْصُلُ بِاَنْوَاعِ الْعِبَادَةِ كَالسُّجُوْدِ وَالصِّيَامِ وَالصَّدَقَةِ وَالتِّلَاوَةِ وَاَيُّ نِعْمَةٍ اَعْظَمُ مِنَ النِّعْمَةِ بِبُرُوْزِ هٰذَا النَّبِيِّ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ الخ

اور اللہ تعالیٰ کے لیے شکر عبادت کی کئی قسموں سے حاصل ہوتا ہے جیسے سجدے اور روزے۔ صدقے تلاوت قرآن پاک ہیں اور اس رحمت والے نبی کے ظہور والی نعمت سے بڑی نعمت کونسی ہے۔ ؟ معلوم ہوا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ظہور و ولادت مبارکہ سب نعمتوں سے بڑھ کر نعمت ہے اور اس نعمت پر شکریہ کے طور پر ہم تلاوت، صدقہ اور ذکر خیر سب اچھے کام کرتے رہتے ہیں۔ ہر مباح کام جو خوشی و سرور کا ذریعہ یا رواج ہو اسے شامل کر لیا جائے تو حرج نہیں ہے مکروہ اور حرام کی ہم مخالفت کرتے ہیں۔

دوسری اصل: وَقَدْ ظَهَرَ لِيْ تَخْرِيْجُهٗ عَلٰى اَصْلٍ اٰخَرَ وَهُوَ مَا اَخْرَجَهُ الْبَيْهَقِيُّ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَقَّ عَنْ نَفْسِهٖ بَعْدَ النُّبُوَّةِ مَعَ اَنَّهٗ قَدْ وَرَدَ اَنَّ جَدَّهٗ عَبْدَ الْمُطَّلِبِ عَقَّ عَنْهُ فِيْ سَابِعِ وِلَادَتِهٖ وَالْعَقِيْقَةُ لَا تُعَادُ مَرَّةً ثَانِيَةً فَيُحْمَلُ ذَالِكَ عَلٰى اَنَّ الَّذِيْ فَعَلَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِظْهَارٌ لِلشُّكْرِ عَلٰى اِيْجَادِ اللّٰهِ اِيَّاهُ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ وَتَشْرِيْعٌ لِاُمَّتِهٖ كَمَا كَانَ يُصَلِّيْ عَلٰى نَفْسِهٖ لِذَالِكَ فَيُسْتَحَبُّ لَنَا اَيْضًا اِظْهَارُ الشُّكْرِ بِمَوْلِدِهٖ بِالْاِجْتِمَاعِ وَاِطْعَامِ الطَّعَامِ وَنَحْوِ ذَالِكَ مِنْ وُجُوْدِ الْقُرُبَاتِ وَاِظْهَارِ الْمَسَرَّاتِ

اور میرے ہاں میلاد منانے کی تخریج دوسری اصل پر ظاہر ہوئی ہے اور یہ وہ روایت ہے جس کو امام بیہقیؒ نے حضرت انسؓ سے بیان کیا ہے کہ بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان نبوت کے بعد اپنے

آپ کا عقیقہ دیا ہے حالانکہ وارد ہوا ہے کہ بیشک آپ کے دادا حضرت عبد المطلب آپ کا عقیقہ آپ کی پیدائش کے ساتویں روز ادا کر چکے تھے۔ اور عقیقہ دوبارہ نہیں دیا جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عقیقہ اس بات پر محمول کیا جائے گا۔ کہ وہ عقیقہ جو آپ نے دیا تھا وہ اظہار شکر ہے اللہ تعالیٰ کا آپ کو رحمتِ عالم بنانے پر اور اپنی اُمت کے لیے اس شکر کو جائز قرار دینے کے لیے جیسے کہ آپ اپنے آپ پر سلام و رحمت اسی شکر و تشریع کے لیے بھیجا کرتے تھے تو ہمارے لیے بھی اظہار شکر آپ کی ولادت پر اجتماع سے کھانا کھلانے سے وغیرہ کار خیر سے مسرتوں کے اظہار سے مستحب ہوگیا۔

معلوم ہوا کہ میلاد کی محفلیں بے اصل نہیں ہیں بلکہ آئمہ دین نے میلاد کی محفلوں کے لیے اصل شرعی کو پایا ہے۔ لہٰذا بدعت سیئہ کی رٹ لگانا ہی بے اصل ثابت ہوگیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ابولہب کے خواب کے بارے میں جس میں تخفیف عذاب کا ذکر آیا ہے وہ بھی میلاد کے لیے اصل عظیم ہے جس کا تفصیلی بیان ہو چکا ہے۔

مخالفینِ میلاد کو یاد رہے کہ ان کا یہ کہنا کہ میلاد کی اصل کا انہیں علم نہیں ہے۔ اس لیے وہ میلاد نہیں مناتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ساری خرابی علم کی کمی کی وجہ سے ان میں آگئی ہے تو اس سے میلاد منانے کی خرابی کیسے پیدا ہوگئی ہے۔ امام سیوطی نے بہت پیارا جواب دیا ہے۔ نفی العلم لا یلزم منہ نفی الوجود کسی شئے کا علم نہ ہونے سے لازم نہیں آتا ہے کہ اس شئے کا وجود ہی نہ ہو۔ اسی طرح عدم نقل سے نقلِ عدم بھی لازم نہیں آتا ہے۔

ہم نے جو دو اصل پیش کیے ہیں۔ یہ استنباطی طور پر میلاد منانے پر اور انعقاد میلاد کے مستحب ہونے پر دلیل ہیں۔ لہٰذا میلاد منانا بدعت نہیں ہے۔

تیسری اصل: یہ ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر شان اذکارِ حسنہ سے ہے بلکہ آپ کا ذکر ذکرِ الٰہی ہے۔ شفاء شریف میں رفعت ذکر کے بیان میں ہے۔ ابنِ عطاء کی روایت میں ہے وَقَالَ اَیْضاً جَعَلْتُكَ ذِکْراً مِنْ ذِکْرِیْ فَمَنْ ذَکَرَكَ ذَکَرَنِیْ۔ (فرمان الٰہی ہے) میں نے تجھے اپنا ذکر بنالیا۔ تو جس نے تیرا ذکر کیا اس نے میرا ذکر کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر

اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ ذکر کے لیے اجتماع کا ثبوت۔

فَاذْكُرُونِيْ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ۔ پس تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا اور تم میرا شکر ادا کرو۔ اور ناشکری نہ کریں اور ظاہر ہے کہ حضور کا ذکر اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔

لَا يَقْعُدُ قَوْمٌ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا حَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ غَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَنَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيْمَنْ عِنْدَهٗ۔ (رواہ مسلم از مشکوٰۃ شریف ص۱۹۷)

ترجمہ: جو قوم ذکر الٰہی کے لیے بیٹھتی ہے ملائکہ ان پر چھا جاتے ہیں رحمت الٰہی ان کو ڈھانپ لیتی ہے۔ سکینہ ان پر نازل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے خاص قریبی فرشتوں میں ان کا ذکر فرماتا ہے۔

اس حدیث میں اجتماعی ذکر کا بیان ہے۔ جس کو محفل ذکر کہتے ہیں۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا مَرَرْتُمْ بِرِيَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوْا قَالُوْا وَمَا رِيَاضُ الْجَنَّةِ قَالَ حِلَقُ الذِّكْرِ۔

(رواہ الترمذی از مشکوٰۃ شریف ۱۹۸)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم جنت کے باغوں پر گذرو تو ان سے میوہ و پھل چنو صحابہ نے عرض کیا جنتی باغوں سے کیا مراد ہے فرمایا ذکر کی مجلس۔ اس سے ثابت ہوگیا کہ ذکر کے لیے عقدِ مجلس باعثِ رحمت و برکت ہے اور اس میں شک نہیں ہے کہ محفلِ میلاد اذکارِ حسنہ سے ہے۔ علامہ ابن حجر کے ہاں انعقادِ محفل سنت ہے۔ محفلِ میلاد شریف کو حدیث سے ثابت فرماتے ہیں بشرطیکہ ناجائز چیزوں سے پاک ہو۔ وَالْقِسْمُ الثَّانِيْ سُنَّةٌ تَشْمَلُهُ الْاَحَادِيْثُ الْوَارِدَةُ فِي الْاَذْكَارِ الْمَخْصُوْصَةِ وَالْعَامَّةِ كَقَوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقْعُدُ قَوْمٌ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ تَعَالٰى اِلَّا حَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَنَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْمَنْ عِنْدَهٗ رَوَاهُ مُسْلِمٌ (ایضاً) وَرُوِيَ اَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِقَوْمٍ جَلَسُوْا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ تَعَالٰى وَيَحْمَدُوْنَهٗ عَلٰى اَنْ هَدَاهُمْ لِلْاِسْلَامِ اَتَانِيْ جِبْرَئِيْلُ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يُبَاهِيْ بِكُمُ الْمَلَائِكَةَ وَفِي الْحَدِيْثَيْنِ اَوْضَحُ دَلِيْلٍ عَلٰى فَضْلِ الْاِجْتِمَاعِ عَلَى الْخَيْرِ وَالْجُلُوْسِ لَهٗ وَاَنَّ الْجَالِسِيْنَ عَلٰى خَيْرٍ كَذٰلِكَ يُبَاهِي اللّٰهُ بِهِمُ الْمَلَائِكَةَ وَتَنْزِلُ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ وَتَغْشَاهُمُ الرَّحْمَةُ وَيَذْكُرُ

ھُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی بِالثَّنَاءِ عَلَیْھِمْ بَیْنَ الْمَلَائِکَۃِ فَاَیُّ فَضَائِلَ اَجَلُّ مِنْ ھٰذِہٖ۔

(فتاویٰ حدیثیہ صـ١٠٩)

ترجمہ: اور قسم ثانی یعنی میلاد مبارک کی وہ محافل جو عورتوں مردوں کے ناجائز اختلاط و اجتماع وغیرہ منکرات و محرمات سے ہوں ایسی محفلیں سنت ہیں اور اذکار عامہ و خاصہ کے باب میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں وہ ان محافل کو شامل ہیں جیسے کہ حضور کی یہ حدیث کہ جو کوئی قوم ذکر الہٰی کے لیے بیٹھتی ہے فرشتے اس پر چھا جاتے ہیں رحمت حق اس کو ڈھانپ لیتی ہے سکینہ اس پر نازل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے مقربین میں ان کا ذکر فرماتا ہے اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا۔ نیز ایک اور حدیث روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس قوم کے لیے فرمایا جو ذکر الہٰی کے لیے مجلس بناتی ہے اور اس پر حمد الہٰی بجالاتے ہیں کہ اس نے انہیں اسلام کی رہنمائی فرمائی۔ ان کے حق میں حضور نے فرمایا کہ میرے پاس جبرائیل علیہ السلام آئے انھوں نے خبر دی کہ اللہ تعالےٰ تمہارے ساتھ ملائکہ پر فخر فرماتا ہے۔ ان دونوں حدیثوں میں بڑی روشن دلیل ہے اس اجتماع کی فضیلت پر جو نیکی کے لیے ہو اور اس میں بیٹھنے پر اور اس پر کہ بھلائی کے کام کے لیے بیٹھنے والے ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ملائکہ پر فخر کرتا ہے اور ان پر سکینہ نازل ہوتی ہے اور ان پر رحمت چھا جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ ملائکہ کے درمیان ان کا ذکر ثنا کے ساتھ فرماتا ہے اس سے برتر کون سی فضیلتیں ہیں۔

علامہ ابن حجر نے تصریح فرمادی کہ میلاد پاک کی وہ محفلیں جو حرام کاموں سے پاک ہوں ان کا انعقاد کرنا سنت ہے اور احادیث سے ثابت ہے اور یہ رحمت و برکت کے سبب ہیں۔

اکابر وہابیہ نے انعقادِ مجلس کو جائز قرار دیا تھا

مولوی عزیز الرحمٰن مفتی دیوبند کا فتویٰ جس پر مولوی محمود الحسن مولوی مرتضیٰ حسن مولوی انور شاہ مولوی اشرف علی صاحبان کی تصدیقیں بھی ہیں اس میں لکھا ہے۔

وَالْاِحْتِفَالُ بِذِکْرِ الْوِلَادَۃِ الشَّرِیْفَۃِ اِنْ کَانَ خَالِیًا مِّنَ الْبِدْعَاتِ الْمُرَوَّجَۃِ فَھُوَ جَائِزٌ بَلْ مَنْدُوْبٌ کَسَائِرِ اَذْکَارِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ (تتمہ جلد رابع فتاویٰ امدادیہ صـ٣٢٠)

یعنی میلاد شریف کی محفل منانا اگر بدعات مُروّجہ سے خالی ہو تو جائز ہے بلکہ مندوب ہے. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے باقی اذکار کی مثل.

معلوم ہوا کہ محفل میلاد کے انعقاد پر اعتراض بے جا ہے اصل میں یہ میلاد کی محفلیں ذکرِ شانِ مصطفےٰ علیہ الصلوۃ والسلام کی مجلسیں ہوتی ہیں.

هَلِ الْاِجْتِمَاعُ لِلْبِدَعِ الْمُبَاحَةِ جَائِزٌ جَوَابُهٗ نَعَمْ هُوَجَائِزٌ ص۱۰۹

کیا بدعاتِ مباحہ کے لیے اجتماع جائز ہے جواب اس کا یہ ہے کہ ہاں جائز ہے

معلوم ہوا کہ امر مباح کے لیے بھی اہتمام و تداعی جائز ہے بشرطیکہ خواص و عوام شرکا، کا امر مباح کے بارے میں یہ عقیدہ نہ ہو جائے کہ یہ کام واجب ہے اور یہ فرض علماء کرام کا ہوتا ہے کہ وہ مستحب و مستحسن یا مباح کاموں کو تقریر و تحریر کے ذرائع سے واضح کرتے رہیں کہ ہم مستحب و مستحسن یا مباح سمجھ کر فلاں کام کرتے ہیں اور اسے واجب نہیں جانتے ہیں. خداوند کریم کا فضل و کرم ہے کہ علماء اہل سنت وجماعت محفل میلاد شریف اور گیارھویں شریف. محرم شریف اور ایصال ثواب کی تمام محافل. معراج شریف. شب برأت کے پروگراموں کو واجب نہیں سمجھتے ہیں بلکہ مستحب و مستحسن سمجھ کر تحریروں و تقریروں میں بار بار ذکر کرتے رہتے ہیں اور فرقہ وہابیہ کو ہمارے مسلک سے بے خبری نہیں ہے اصل میں وہ اپنا مسلکِ بدعت کو ہماری طرف منسوب کرتے ہیں تاکہ ہمارے الزامات سے وہ اس طرح سے اپنے آپ کو بچا سکیں. جیسے کہ وہابیہ کی گستاخیوں کو جب اہل سنت وجماعت کے علماء کرام نے گرفت میں لے کر وہابیہ پر فتوے لگا دیئے تو وہابیہ نے اپنے بچاؤ کے لیے اپنے گناہوں اور لغزشوں کو اہل سنت وجماعت کی طرف منسوب کرنا شروع کر دیا. یہ طریقۂ کار وہابیہ کی خصوصی مذہبی علامت ہے. ہم اہلسنت وجماعت جب کوئی مستحب کارِ خیر کرتے ہیں تو وہابیہ اس کو اہتمام و تداعی کہہ کر بدعت قرار دیتے ہیں اور جب وہابیہ خود امرِ مباح بھی کرتے ہیں تو بہت اہتمام و تداعی کے باوجود بھی وہ بدعت نہیں ہوتا ہے. جیسے دستار بندی کے جلسے و تبلیغی اجتماع اور صد سالہ دار العلوم دیوبند کی تقریبات وغیرہا نہ واجب ہیں نہ سنت ہیں بلکہ امر مباح ہیں باوجود اس کے ان پر اہتمام و تداعی کی انتہاء کر لیتے ہیں.

یاد رہے کہ اجتماع کا قیام کوئی دین و اعتقاد کا نام نہیں ہے یعنی ہم جو محافلِ میلاد النبوی، معراج، شب برأت یا نزولِ قرآن، غزوہ بدر وغیرہ قائم کرتے ہیں ہم ان امور کے لیے اجتماع کو اصولِ دین سمجھ کر اہتمام نہیں کرتے ہیں بلکہ امر عادی سمجھ کر ان کا انعقاد کرتے ہیں کہ عادت کا تقاضا ہے کہ اتنے اہم امور کی یاد تازہ کرنے کے لیے یا ان اسلامی تاریخوں کے واقعات و حقیقت کو سمجھنے کے لیے اجتماع کا اہتمام کرنا عادت کی ضرورت ہے اجتماع کو سنت مؤکدہ یا واجب کے طور پر بھی نہیں کرتے ہیں اور اس طرح سے اجتماع کا نہ اصولِ دین سے تصادم آتا ہے اور نہ احکام شرعیہ سے تعارض آتا ہے۔ کیونکہ غیر مشروع امر کو مشروع کا اعتقاد رکھنا شرعاً ممنوع ہے لیکن کسی امر مباح کو عادت کے طور پر کر لینا ممنوع نہیں ہے۔ صرف معین وقت میں اسلامی تہواروں کو ضروری منعقد کرنا بھی اہل سنت کا نہ عقیدہ ہے۔ اور نہ ہی معمول ہے نہ ہی کسی معتبر تحریر میں اس کا ثبوت ہے۔ مخصوص وقت میں انعقاد کو ہم شرعی امر تصور ہی نہیں کرتے ہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ امر عادی سمجھتے ہیں اور مخصوص وقت میں انعقاد محافل میں اسلامی تہواروں کی اہمیت زیادہ ذہنوں میں بیٹھ جایا کرتی ہے۔ ہم انعقاد اجتماع و محافل کو تبلیغ اسلامی کے لیے حیلہ و وسیلہ بناتے ہیں اجتماع و مجالس کو تبلیغ کے لیے غنیمت سمجھتے ہیں جیسے تبلیغی و دیوبندی و جماعت اسلامی کے اجتماعات مخصوص مقاصد کے لیے اہتمام پذیر ہوتے ہیں، ہمارا تمام اجتماعات دینیہ سے صرف ذکر الٰہی کرنا۔ عقائد و احکام شرعیہ کو سیکھنا اور محبت رسول علیہ السلام کا اظہار کرنا مقصود ہوتا ہے ہم اسی نیت کے ساتھ امید رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے مجالس کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے گا۔ لا تقنطوا من رحمۃ اللہ پر ہمارا عمل ہے۔ عجب اتفاق ہے کہ عرب کے وہابی کہتے ہیں کہ بارہ ربیع الاول کی تاریخ میلاد متعین نہیں ہے۔ نو ربیع الاول کی بھی روایت ہے۔ لہٰذا بارہ کو کیوں مناتے ہیں اور برصغیر کے وہابی کہتے ہیں کہ وقت معین کر کے اس قسم کے مجالس منعقد کرنا بدعت ہے اب اہل سنت حیران ہیں کہ کس کی بات کو قابلِ اعتبار سمجھ کر جواب دیا جائے اصل میں دونوں کی باتیں ایک دوسرے کو رد کرتی ہیں عرب کے وہابی تعین پر زور دیتے ہیں اور ان کے پیروکار ہندوستان کے وہابی عدمِ تعینِ وقت کو ضروری سمجھتے ہیں دونوں میں کسی کی بات درست نہیں ہے درست یہ ہے کہ وقت مخصوص کے فوائد الگ ہیں اور غیر مخصوص کے فوائد الگ ہیں لہٰذا مخصوص و غیر مخصوص سب اوقات میں دینی مقاصد کے لیے اجتماعات کا اہتمام

کرنا جائز ہے اور یہی اہل سنت وجماعت کا معمول ہے دراصل منکرین میلاد عادت وعبادت میں فرق نہیں کرتے ہیں ہم محفل میلاد کا انعقاد بطور عبادت کے نہیں کرتے ہیں بلکہ میلاد نبوی کو کار خیر سمجھ کر اس کے لیے انفرادی طور کے بجائے کثرتِ منافع کے حصول کے باعث اجتماع کو امر عادی یا تقاضاء عادت سمجھتے ہیں اور یہ اجتماع ایسی پیاری عادت ہے جو سراسر نیک اور نفع بخش عادت ہے اور اس سے برکات وفوائد سب کو ملتے ہیں، اور اسلامی منافع اور برکات حاصل کرنا شریعت میں مطلوب ومقصود ہوتے ہیں۔

شبہ: یہ بھی یاد رہے کہ ہم پر منکرین میلاد کا یہ بھی الزام ہے کہ ہم صرف ایک رات خاص میں میلاد منالیتے ہیں اور پھر سال بھر خاموش ہوجاتے ہیں۔

ازالہ شبہ: ہم جواباً عرض کرتے ہیں کہ یہ الزام خود منکرین پر واقع ہوتا ہے کہ چلو فرض کر لو کہ ہم سال میں ایک دن ذکر خیر کرتے ہیں یہ بھی بڑی اچھی بات ہے جو اہل سنت کو نصیب ہے۔ لیکن جب میلاد نبوی کا اس دن تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ مخالفین کے لیے وہ دن مصیبت کا دن ہوتا ہے شرمندگی سے اپنا منہ چھپائے رکھتے ہیں۔ ساتھ ہی یہ الزام سراسر جھوٹا ہے کہ صرف سال میں ایک دن میلاد کرتے ہیں بلکہ اہل سنت وجماعت کے مسلک میں شامل ہے کہ میلاد نبوی کا زیادہ سے زیادہ قدر واہتمام کیا جائے۔ کسی خاص دن میں میلاد کر کے اس کار خیر کو ختم نہ کیا جائے بلکہ سال بھر کسی نہ کسی جگہ یہ سلسلہ جاری رکھا جائے اور یہی وجہ ہے کہ اہل سنت وجماعت میلاد نبوی کو اکثر وبیشتر ایام میں مناتے آرہے ہیں بلکہ ہمارے ہاں میلاد کا انعقاد نہ تو کسی خاص شہر سے خاص ہے چاہے مدینۃ المنورہ ہو۔ نہ یہ سلسلہ کسی خاص دن کے ساتھ مختص ہے بلکہ سال بھر ذکرِ حبیبِ خدا کو جاری رکھنا چاہیئے تاکہ تبلیغ کے ساتھ ساتھ حقوق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خبرداری نصیب ہوتی رہے۔ لیکن ربیع الاوّل کے ماہ میں محفل میلاد کے انعقاد اس لیے بہتر ہے کہ عوام وخواص زیادہ سے زیادہ انعقاد محافل کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اس طرح سے اس جوش وخروش واشتیاق سے دینی فائدہ اٹھانا علما کے لیے آسان ہوجاتا ہے اور ان محافل کے ذریعے دعوت تبلیغ کے فریضہ کو ادا کرنا ہم غنیمت سمجھتے ہیں۔

ان مقاصد خیر کے حصول کا ذریعہ انعقاد محافلِ میلاد نبوی کا انکار اصل میں حاسد وغافل ہی کر سکتے ہیں۔

ولادتِ باسعادت کب اور کیسے ہوئی تھی

تحقیق وبصیرت رکھنے والے حضرات نے فرمایا ہے کہ ربیع الاوّل کے ماہ کی بارہ تاریخ تھی دوشنبہ علیٰ (پیر) کا مبارک دن تھا صبح صادق کے طلوع کی نورانی گھڑی تھی جس میں رات کا اندھیرا منہ چھپا رہا تھا، دن کا اجالا چھا رہا تھا واقعہ اصحابِ فیل کے تقریباً پچاس دن گذر گئے تھے بمطابق بیس اگست ۵۷۰ء کسریٰ نوشیروان کے عہد حکومت میں سرزمین مکۃ المکرمہ کے اندر سردار مکہ عبدالمطلب کی پاک دامنہ بہوحضرت آمنہ خاتون کے بابرکت سادہ سے مکان میں ختم نبوت کا تاجدار نورانی رسول اکرم کا ظہور ہوا۔ یاد رہے آفتاب ہدایت وصداقت کے طلوع کے لیے صبح صادق ہی وقت مناسب تھا جس کا نصف النہار پرسے استواء چالیس سال بعد ہوگا واللہ اعلم۔

حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ جب میں حضرت عبدالمطلب قریشی ہاشمی کے بیٹے حضرت عبداللہ کی زوجیت میں وابستہ ہوکر سسر کے دولت خانۂ اقدس وشعور میں آگئی تھی تو رحمت دوعالم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور میرے اندر منتقل ہوا۔ اس نور محمدی کی یہ شان تھی کہ

مَا شَعَرْتُ اَنِّیْ حَمَلْتُ بِہٖ وَلَا وَجَدْتُ لَہٗ ثِقْلًا کَمَا تَجِدُ النِّسَآءُ وَاَتَانِیْ آتٍ وَّاَنَا بَیْنَ النَّائِمِ وَالْیَقْظَانِ وَقَالَ ھَلْ شَعَرْتِ اَنَّکِ حَمَلْتِ؛ فَکَاَنِّیْ اَقُوْلُ مَا اَدْرِیْ وَقَالَ اِنَّکِ حَمَلْتِ بِسَیِّدِ ھٰذِہٖ الْاُمَّۃِ وَنَبِیِّھَا فَذَالِکَ یَوْمُ الْاِثْنَیْنِ۔ الوفا صفحہ ۸۸ ابن جوزی

فرماتی ہیں کہ مجھے یہ شعور رہی نہ ہوسکا کہ میں ان سے بارآور ہوچکی ہوں جیسے کہ دوسری عورتیں بوجھ محسوس کیا کرتی ہیں حمل کے ایام بڑے سکون سے گذرے جب ولادت کا وقت آیا تو وہی فرشتہ جس نے مجھے پہلے خوشخبری سنائی تھی وہ آیا اس نے مجھے کہا کیا تجھے کوئی شعور ہے کہ آپ بارآور ہوچکی ہیں تو میں نے گویا کہا کہ میں نہیں سمجھتی۔ تو اس نے کہا تم یہ کہو کہ میں اللہ واحد سے اس کے لیے ہر حاسد کے شر سے پناہ مانگتی ہوں۔ حضرت آمنہ فرماتی ہیں کہ ولادت باسعادت کے وقت میں نے ایک نور دیکھا جس کی روشنی سے شام کے محلات چمک اٹھے یہاں تک کہ میں ان کو دیکھ رہی تھی اور آپ سے ایک نور ظہور پذیر ہوا جس

نے سارے گھر کو نور ہی نور بنا دیا تھا۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف کی والدہ الشفا فرماتی ہیں کہ جب سیدہ آمنہ کے ہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا تو آپ کو میں نے اپنے ہاتھوں میں لیا۔ اس وقت میں نے ایک آواز سنی جو کہ رہی تھی رَحِمَکَ رَبُّکَ تیرا رب تجھ پر رحم فرمائے۔ حضرت شفاء فرماتی ہیں فَاَضَاءَ لِیْ مَا بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ حَتّٰی نَظَرْتُ اِلٰی بَعْضِ قُصُوْرِ الشَّامِ۔ اس نور مجسم کے ظاہر ہونے پر میرے سامنے مشرق و مغرب میں روشنی پھیل گئی یہاں تک کہ میں نے شام کے بعض محلات کو دیکھا حضرت شفاء بیان فرماتی ہیں کہ جب میں لیٹ گئی تو اس وقت اندھیرا چھا گیا اور مجھ پر رعب و کپکپی کی حالت طاری ہو گئی اور میرے دائیں جانب سے روشنی ہوئی تو میں نے کسی کہنے والے کو سنا جو پوچھ رہا تھا۔ تم اس بچے کو کہاں لے گئے تھے تو جواب ملا کہ میں انہیں مغرب کی طرف لے گیا تھا پھر وہی اندھیرا پڑا اور وہی رعب لرزہ براندام واقع ہوا پھر بائیں جانب سے روشنی ہوئی میں نے غور سے سنا کہ کوئی پوچھ رہا ہے تم انہیں کہاں لے کر گئے تھے جواب ملا کہ میں نے انہیں مشرق کی طرف لے گیا تھا۔ اب دوبارہ نہیں لے جاؤنگا آپنے یہ حالات دیکھ کر دل میں ان رازوں کو رکھا اور یہ انتظار کر رہی تھیں کہ کسی دن کو عجیب واقعہ رُونما ہوگا۔ یہ وقت آیا کہ رسول اکرم کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا اور میں ان لوگوں میں شامل تھی جو سب سے پہلے حضور اکرم پر ایمان لائے۔ حضرت شفاء کی یہ سعادت ولادت باسعادت کی خدمات کے صلے میں انہیں نصیب ہوئی۔

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا ولادت باسعادت کے بارے فرماتی ہیں کہ جب آپ زمین پر تشریف لائے تو آپ زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھے تھے۔ اور آپ آسمان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اور آپ کی ناف کٹی ہوئی تھی یہ آپ کی ولادت باسعادت کی ابتدائی کرامات اور خصوصیات تھیں جس کے عجیب اسرار و رموز تھے۔ ولادت باسعادت کے مبارک وقت کے حالات کو عثمان بن ابی العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ فاطمہ بنت عبداللہ بیان کرتی ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت آمنہ کے پاس موجود تھی تو اس وقت یہ دیکھا کہ تمام گھر نور سے بھر گیا اور یہ دیکھا کہ آسمان کے ستارے جھکے آتے ہیں یہاں تک کہ مجھ کو یہ گمان ہوا کہ یہ ستارے مجھ پہ آگریں گے (فتح الباری ج صـ۴۲۶)

یادرہے کہ ستاروں کے جھکنے سے اشارہ ملتا ہے کہ اب عنقریب نور نبوت کے باعث زمین سے کفر و شرک کی تاریکیاں کافی مقدار میں دور ہو جائیں گی اور اسلام کے انوار و ہدایات سے زمین منور ہو جائے گی کوئی شخص اسلام کو قبول کرے یا نہ کرے۔ اسی لیے قرآن پاک میں آیا ہے۔

قَدْ جَاءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتَابٌ مُّبِيْنٌ يَهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ ۔

ترجمہ: تحقیق تمہارے پاس اللہ کی جانب سے ایک نور ہدایت اور ایک روشن کتاب آئی ہے جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ ایسے شخصوں کو ہدایت فرماتا ہے جو رضاحق کے طلب گار ہوں اور اپنی توفیق سے ان کو ظلمتوں سے نکال کر نور کی طرف لے جاتا ہے یہ آیت ان کرامات کی تصدیق کرتی ہے کہ آپ نورانی ہیں اور یہ کہ آپ کے ذریعے ظاہر و باطن کا نور و فیضان تقسیم ہوتا ہے۔

عثمان بن ابی العاص کی روایت کی تائید حضرت عرباض بن ساریہ سے ہوتی ہے جس کو مسند احمد۔ مستدرک حاکم نے بیان کیا ہے اور ابن حسان نے اس روایت کو صحیح کہا ہے حضرت عرباض بن ساریہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ نے ولادت باسعادت کے وقت ایک نور دیکھا جس سے شام کے محل روشن ہو گئے آپ کی ولادت پر نور کا نکلنا اور اس سے آس پاس کے ماحول کے علاوہ شام کے محلات تک کا روشن ہونا یہ بتا رہا تھا کہ آپ کی ظاہری حیات ہی میں شام تک کے تمام علاقے پر اسلام کی حکومت ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہو گیا تھا اور شہر بصریٰ کا بھی روشن ہونا اس اشارہ سے تھا کہ شام سے پہلے بصریٰ میں نور اسلام پھیل گیا تھا اور اسے پہلے فتح کیا گیا اور معراج کی رات میں بھی آپ کو مکہ سے مسجد اقصیٰ تک لے جا کر پھر آسمانوں کی سیر اس لیے کرائی گئی تاکہ قبل از وقت یہ ظاہر ہو جائے کہ شام پر اسلام کا جھنڈا آپ کی ظاہری حیات میں لگایا جائے گا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب عراق سے ہجرت فرمائی تو شام ہی کی طرف گئے تھے اور قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا آسمان سے نزول بھی شام ہی میں جامع دمشق کے منارۂ شرقیہ پر ہوگا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کے قریب شام کی طرف ہجرت کی ترغیب دی ہے اور حدیث میں آیا ہے کہ چالیس ابدال میں سے تیس ابدال کہ

جو تبیس کے تبیس قدم ابراہیمی پر ہیں کا مرکز شام ہی ہے ۔ اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ شام کو شرف قبولیت دوسرے ممالک سے زیادہ حاصل ہے ۔ یہ بھی ایک روایت ہے جس کو یعقوب بن سفیان باسناد حسن حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک یہودی مکہ میں بغرض تجارت رہتا تھا ۔ جس شب میں آپ کا ظہور ہوا تو قریش کی مجلس سے پوچھنے لگا کہ آج کی رات میں کوئی لڑکا پیدا ہوا ہے قریش نے کہا کہ ہمیں اس کا علم نہیں یہودی نے کہا کہ تم سب تحقیق کر لو پھر مجھے بتانا ۔ آج کی رات میں اس امت کا نبی پیدا ہوا ہے اس کے دونوں شانوں کے درمیان ایک علامت ہے یعنی مہر نبوت ہے تو قریش اس کی بات سن کر گھروں کی طرف گئے ۔ اور گھر والوں سے دریافت کیا کہ آج رات حضرت عبد المطلب کے خاندان میں عبد المطلب کا لڑکا پیدا ہوا ہے ؟ تو بتلایا گیا ہاں ۔ انہوں نے جا کر یہودی سے کہا کہ ایک لڑکا عبد اللہ بن عبد المطلب کا پیدا ہوا ہے یہودی نے کہا کہ مجھ کو بھی چل کر دکھلاؤ یہودی نے جب آپ کے دونوں شانوں کے درمیان کی علامت (مہر نبوت) کو دیکھا تو بے ہوش ہو کر گر پڑا جب ہوش میں آیا تو لوگوں نے پوچھا تمہیں کیا ہو گیا تھا اس یہودی نے کہا کہ آج سے نبوت بنی اسرائیل سے چلی گئی ۔ اے قریش تم خوشیاں مناؤ اس نومولود مسعود کی برکتوں سے مشرق و مغرب میں تمہاری عزت کی شہرت ہوگی ۔ (الوفاء) اس روایت کے راوی یعقوب بن سفیان حافظ الحدیث ثقہ و مستند ہیں ۔ (زرقانی صـ۱۲۰ ج ا فتح الباری ج ۶ ص ۴۲۵)

اسی طرح کا واقعہ یثرب (مدینۃ المنورہ) میں پیش آیا تھا وہ یہ کہ حضرت حسان بن ثابت رضؓ فرماتے ہیں کہ میں تقریباً آٹھ سال کا ہوں گا کہ ایک یہودی کو صبح سویرے مدینہ منورہ میں زور زور سے چلاتے ہوئے سُنا وہ پکار رہا تھا اے گروہ یہود (سب میرے پاس آؤ) جب وہ سارے اس کے پاس اکٹھے ہو گئے تو لوگوں نے یہودی سے پوچھا تم نے ہمیں کیوں بلایا ہے اس نے کہا وہ ستارہ جس کا طلوع ہونا احمد مجتبیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی ولادت باسعادت کی علامت و دلالت ہے وہ آج رات طلوع ہو گیا ہے ۔

حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ یہودی سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ میں تشریف آوری کے وقت پر موجود تھا ۔ مگر حسد و عناد کفر و ضلالت کی وجہ سے مشرف باسلام نہ ہوا ۔ اصل میں ہدایت انہیں نصیب ہوتی ہے جو حسد و عناد سے دور ہوں اور عدل و انصاف تحقیق و حقیقت کے متلاشی ہوں

حضرت عبد المطلب فرماتے ہیں کہ جس رات (کی صبح) آپ کی ولادت ہوئی تھی اس رات میں کعبہ میں تھا میں نے بتوں کو دیکھا کہ سب بت اپنی اپنی جگہ سے سر کے بل گرے پڑے اور (کعبۃ المعظمہ سے یہ آواز آرہی کہ وُلِدَ الْمُصْطَفَى الْمُخْتَارُ الَّذِي تَهْلِكُ بِيَدِهِ الْكُفَّارُ وَيُطَهِّرُ مِنْ عِبَادَةِ الْاَصْنَامِ وَيَأْمُرُ بِعِبَادَةِ الْمَلِكِ الْعَلَّامِ الْمُصْطَفَى الْمُخْتَارُ کی ولادت ہوگئی جن کے ہاتھوں کافر ہلاک ہوجائیں گے۔ اور بتوں کی عبادت سے پاک کریں گے اور علم والے بادشاہ کی عبادت کا حکم دینگے جس رات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی ایوان کسریٰ لرزاٹھا اور اس کے چودہ کنگرے گر گئے بحیرۂ ساوہ خشک ہوگیا اور آتش کدہ فارس کی آگ بجھ گئی۔ حالانکہ قبل ازیں ہزار سال سے روشن تھی اور ایک لمحہ کے لیے بھی اس کو بجھنے نہیں دیا گیا تھا۔ اور دریائے ساوہ خشک ہوگیا۔ (الوفاء)

آپؐ جب ولادت باسعادت پاگئے تو آپ ختنہ شدہ تھے۔ یعنی آپ مختون تھے۔ حاکم کہتے ہیں کہ آپؐ کے مختون پیدا ہونے میں احادیث متواتر ہیں۔ اور مختون اس لیئے تاکہ آپ کا ستر نہ کھلنے پائے اور آپ کی عظمت شان ابتدا ہی سے ظاہر ہو۔ آپ کی ولادت باسعادت سے قبل شیاطین آسمانوں پر چلے جانے اور کاہنوں کو بعض غیب کی خبریں دے دیتے تھے اور وہ لوگوں کو کچھ اپنی طرف سے ملاکر بتادیا کرتے تھے۔ ولادت باسعادت کے بعد آسمانوں پر ان کا آنا جانا بالکل بند کر دیا گیا اور آسمانوں کی حفاظت شہاب ثاقب سے کر دی گئی تاکہ وحی وغیر وحی میں خلط ملط ہوجانے کا اندیشہ ہی نہ رہے۔

محل کسریٰ کا پھٹ جانا اور چودہ کنگروں کا گرنے میں اشارہ تھا کہ چودہ حکمرانوں کے بعد ملک فارس خادمانِ اسلام کے قبضہ میں آجائے گا۔ فارس کے آتش کدے کا بجھنا اور بحیرۂ ساوہ جو کہ ہمدان اور قسم کے درمیان واقع ہے اس کا خشک ہوجانے میں اشارہ تھا کہ ان دونوں مقامات پر شرک وبت پرستی وآتش پرستی ہوا کرتی تھی اسلام آنے کے بعد یہاں سے شرک کا خاتمہ ہوجائے گا۔ اور اسلام کا دور دورہ رہے گا۔ جس پر تاریخ شاہد ہے۔

حضرت عباس فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم مختون و ناف بریدہ پیدا ہوئے اور آپ کا بدن مبارک بالکل پاکیزہ اور کستوری کی تیز بو کی طرح خوشبودار تھا۔ آپ کا چہرہ چودھویں کے

چاند کی طرح نورانی تھا اور آپ کی آنکھیں قدرتی طور پر سرمگین دونوں شانوں کے درمیان مُہرِ نبوّت درخشاں تھی، آپ کی والدہ نے آپ کے دادا عبدالمطلب کو جو اس وقت خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے پیغام بھیجا وہ جلدی تشریف لائے وہ حضرت کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور بیت اللہ شریف میں لے جا کر آپ کے لیے صدق دل سے دعاء کی اور اللہ تعالیٰ کی اس نعمت عظمیٰ کا شکریہ ادا کیا آپ کے چچا ابولہب کی لونڈی ثویبہ نے ابولہب کو تولد شریف کی خبر دی تو اس نے اس خوشی میں ثویبہ کو آزاد کر دیا۔

حضرت اسحاق بن عبداللہ حضرت آمنہ سے راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب پیدا ہوئے تو نہایت لطیف تھے اور پاک صاف تھے جسم اطہر پر کسی قسم کی آلائش اور گندگی نہ تھی۔ (زرقانی ج ۱ ص ۲۴۴)

ولادت باسعادت کے ساتویں روز عبدالمطلب نے آپ کا عقیقہ کیا اور اس تقریب سعید میں تمام قریش کو دعوت دی اور آپ کا نام مُحَمَّدٌ تجویز کیا۔ قریش نے کہا کہ اے "ابوالحارث" جو کہ آپ کی کنیت ہے آپ نے ایسا نام کیوں رکھا جو آپ کے آباؤ اجداد اور آپ کی قوم میں سے اب تک کسی نے نہیں رکھا۔ حضرت عبدالمطلب نے کہا کہ میں نے یہ نام اس لیے رکھا کہ اللہ کے آسمان میں اللہ کی مخلوق میں اس مولود کی حمد اور ثناء ہوا کرے۔ (خصائص کبریٰ ج ۱ ص ۵۰ زرقانی بشرح مؤطا امام مالک ج ۴ ص ۲۷۱ وغیرہ۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے مبارکہ قرآن وسنت اور کتب سماویہ وغیرہ میں بہت وارد ہوئے ہیں تقریباً ایک ہزار تک تعداد بیان ہوئی ہے ہمارا مقصد اس وقت اس خاص نام میں جو خاص تقریب عقیقہ میں تجویز ہوا۔ دراصل یہ نام حضرت عبدالمطلب کو ایک خواب کے اندر بھی الہام ہوا تھا۔ اور اب بھی جب وقت آپہنچا تو قریش کے مجمع میں بھی آپ کے قلب میں اسی نام محمد کا القاء ربانی تھا اس لیے اس نام کو رکھا گیا۔ (از نووی شرح مسلم باب اسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم ج ۲ ص ۲۶۱)۔

مُحَمَّدٌ کا اصل مادہ حمد ہے حمد اصل میں کسی کے اخلاق حمیدہ اور اوصاف پسندیدہ اور کمالات اصلیہ اور فضائل حقیقیہ اور محاسن واقعیہ کو محبت اور عظمت کے ساتھ بیان کرنے کو کہتے ہیں اور تحمید جس سے مُحَمَّدٌ مشتق ہے وہ باب تفعیل کا مصدر ہے جس کی وضع ہی مبالغہ اور تکرار کے لیے ہوئی ہے لہٰذا محمد جو تحمید کا اسم مفعول ہے اس کے یہ معنی ہوں گے کہ وہ ذات ستودہ صفات کہ جن کے

واقعی اور اصلی کمالات اور محاسن کو محبت اور عظمت کے ساتھ کثرت سے بار بار بیان کیا جائے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ محمد کے معنی یہ ہیں کہ جس میں خصائل حمیدہ اور اوصاف محمودہ علی وجہ الکمال پائے جاتے ہوں۔ لہٰذا محمد آپ کا نام مبارک ذی شان ہے کہ بار بار خالق بھی تعریف کرتا رہے گا اور مخلوق بھی بار بار سراہتے رہیں گے۔ آپ کا نام اَحْمَدُ بھی قرآن مجید میں آیا ہے۔ یہ دو معنوں میں مراد ہے اسم تفضیل کے معنیٰ یہ ہوگا کہ سب سے زیادہ اللہ کی تعریف کرنے والے۔ اس میں شک نہیں کہ آپؐ مخلوق میں سب سے بڑھ کر خدا کی تعریف کرنے والے تھے اور اسم مفعول کے معنے میں سب سے زیادہ تعریف کیے گئے بیشک مخلوق میں سب سے زیادہ آپ کو سراہا گیا امت کا نام حمادین ہے یعنی سب سے زیادہ تعریف کرنے والے اور بوقت شفاعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ من جانب اللہ ایسے محامد اور محاسن اللہ تعالیٰ کے بیان کریں گے۔ جو سوائے آپ کے کسی رسول پر نہ کسی فرشتے پر ان کا انکشاف ہوگا۔ اور اسم محمد کی حقیقت کا مظاہر قیامت میں اس طرح بھی ہوگا کہ آپ کو مقام محمود اور لواء حمد عطا ہوگا۔ اور اس وقت میدان حشر میں تمام اوّلین وآخرین جمع ہوں گے اور آپ کی حمد اور ثناء کریں گے۔ اس وقت پوری طرح اسم محمد کی حقیقت کھل جائے گی۔ عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا (سُہیلی کی روض الانف شرح سیرت ابن ہشام میں تفصیل ہے)

اس دن اس ارشاد ربانی کا مشاہدہ و مظاہرہ علی وجہ الکمال ہوگا۔ ولادت باسعادت سے متعلق یہ ابتدائی کرامات و برکات کا باحوالہ اجمالی ذکر ہے تاکہ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مناسبت سے اس مقالہ کا پڑھنے والا جہاں اہمیت انعقاد محافل میلاد پاک پڑھے گا تو اس کے آخر میں اجمالاً احوال و واقعات ولادت باسعادت بھی پڑھیں تاکہ مدعیٰ اور اس کے دلائل دونوں سے محظوظ ہو سکے۔

ولادت باسعادت کب ہوئی

اس کے بارے میں بعض نے کہا کہ ۲، ربیع الاوّل کی تاریخ تھی۔ کسی نے ربیع الاوّل کی دس تاریخ ذکر کی ہے بعض نے ۹ ربیع الاوّل کو بیان کیا ہے بعض کا دعویٰ ہے کہ ۸ ربیع الاوّل کو ولادت کا واقع ہونا راجح ہے۔

ہمارا موقف یہ ہے کہ دوشنبہ سوموار کے روز ۱۲ ربیع الاول عام فیل کو حضور اکرم کی ولادت باسعادت ہوئی تھی اور یہی تحقیق بھی ہے اور اہل اسلام کا دنیا بھر میں بارہ ربیع کو ولادت باسعادت منانے کا معمول بھی رہا ہے اہل حرمین شریفین (سعودی حکومت سے پہلے) بھی اسی تاریخ کو میلاد پاک کی محافل کا انعقاد کرتے رہے۔ اس موقف پر چند مستند اور تحقیقی حوالے پیش کرتے ہیں۔

۱۔ علامہ ابن خلدون جو کہ علم تاریخ اور فلسفہ تاریخ کے عظیم محقق و امام ہیں فرماتے ہیں ثُمَّ وُلِدَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْفِيْلِ لِاثْنَتَيْ عَشَرَةَ لَيْلَةً خَلَتْ مِنْ رَبِيْعِ الْاَوَّلِ لِاَرْبَعِيْنَ سَنَةً مِنْ مُلْكِ كِسْرٰى اَنُوْشِيْرَوَانْ۔ (حوالہ ابن خلدون ج ۱ ص ۱۸۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ کی ولادت باسعادت عام الفیل کو ماہ ربیع الاول کی بارہ تاریخ کو ہوئی۔

۲۔ دوسرے عظیم مفسر اور محقق مورخ امام ابن جریر طبری نے فرمایا۔ وُلِدَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ عَامَ الْفِيْلِ لِاثْنَتَيْ عَشَرَةَ لَيْلَةً مَضَتْ مِنْ شَهْرِ رَبِيْعِ الْاَوَّلِ

(حوالہ ج ۲ ص۔ ۱۲۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سوموار کے روز ۱۲ ربیع الاوّل کو عام الفیل میں ہوئی۔

۳۔ تیسرے سیرت نگاری کے امام حضرت علامہ ابن ہشام متوفی ۲۱۲ھ نے اپنی کتاب سیرۃ النبویہ میں فرماتے ہیں۔ وُلِدَ رَسُوْلُ اللّٰهِ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ لِاثْنَتَيْ عَشَرَةَ لَيْلَةً خَلَتْ مِنْ شَهْرِ رَبِيْعِ الْاَوَّلِ عَامَ الْفِيْلِ (حوالہ السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوموار کے روز بارہ ربیع الاوّل کو عام الفیل میں پیدا ہوئے۔

۴۔ چوتھے حضرت علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی مشہور شخصیت ہیں جو تاریخ و سیاست کے اہل تحقیق ہیں۔ فرماتے ہیں۔ لِاَنَّهٗ وُلِدَ بَعْدَ خَمْسِيْنَ يَوْمٍ مِنَ الْفِيْلِ وَبَعْدَ مَوْتِ اَبِيْهِ فِيْ يَوْمِ الْاِثْنَيْنِ الثَّانِيْ عَشَرَ مِنْ شَهْرِ رَبِيْعِ الْاَوَّلِ۔ (حوالہ اعلام النبوت ص۱۹۲)

فیل کے واقعہ کے پچاس روز بعد اور اپنے والد کے وصال ہونے کے بعد آپ سوموار کے روز بارہ ربیع الاوّل کو پیدا ہوئے۔

۵- پانچویں علامہ محمد الصادق ابراہیم عرجون ازہری نے فرمایا وَقَدْ صَحَّ عَنْ طُرُقٍ كَثِيْرَةٍ اَنَّ مُحَمَّدًا عَلَيْهِ السَّلَامُ وُلِدَ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ لِاثْنَتَيْ عَشَرَةَ مَضَتْ مِنْ شَهْرِ رَبِيْعِ الْاَوَّلِ عَامَ الْفِيْلِ فِيْ زَمَنِ كِسْرٰى نُوْشِيْرَوَان وَيَقُوْلُ اَصْحَابُ التوفيقات التاريخة اَنَّ ذٰلِكَ الْمُوَافِقُ الْكَمَلَ لِلْعِشْرِيْنَ مِنْ شَهْرِ اَغُسْطُسْ سنة ۵۷۰ بَعْدَ مِيْلَادِ الْمَسِيْحِ عَلَيْهِ السَّلَامُ

(حوالہ محمد رسول اللہ ج جلد اوّل)

یہ بات کئی صحیح ذرائع سے ثابت ہو چکی ہے کہ بیشک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بروز سوموار بارہ ربیع الاوّل عام الفیل کو نوشیروان کسریٰ کے عہد میں پیدا ہوئے۔ اہل تطبیق علماء کے قول کے مطابق یہی تاریخ ۲۰ اگست ۵۷۰ عیسوی کے موافق بنتی ہے

۶- چھٹے علامہ محمد رضا جو مشہور محقق مصری گذرے ہیں انہوں نے فرمایا۔ وُلِدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ فَجْرِ يَوْمِ الْاِثْنَيْنِ لِاثْنَتَيْ عَشَرَةَ لَيْلَةً مَضَتْ مِنْ رَبِيْعِ الْاَوَّلِ عِشْرِيْنَ اغسطس ۵۷۰ وَاَهْلُ مَكَّةَ يَزُوْرُوْنَ مَوْضِعَ مَوْلِدِهٖ فِيْ هٰذَا الْوَقْتِ

(حوالہ محمد رسول اللہ ص ۱۹ ج ۲)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بوقت فجر بروز سوموار بارہ ربیع الاول مطابق ۲۰ اگست ۵۷۰ عیسوی کو پیدا ہوئے اور اہل مکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ کے مقام ولادت کی زیارت کے لیے اسی تاریخ کو جایا کرتے تھے۔ موجودہ سعودی حکومت کے قائم ہونے سے پہلے یہی معمول تھا جو بصورت جلوس دور دراز سے مسلمان اہتمام کے ساتھ جایا کرتے تھے۔ ملاحظہ ہو۔ الاعلام، باعلام بیت اللہ الحرام ص ۱۹۶

۷- ساتویں مشہور مفسر و محدث مورخ علامہ ابن کثیر نے فرمایا۔

وُلِدَ صَلَوٰةُ اللهِ عَلَيْهِ وَسَلَامُهٗ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ لِمَا رَوَاهُ مُسْلِمٌ فِيْ صَحِيْحِهٖ مِنْ حَدِيْثِ غَيْلَانَ بْنِ جَرِيْرٍ عَنْ اَبِيْ قَتَادَةَ اَنَّ اَعْرَابِيًّا قَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَقُوْلُ فِيْ صَوْمِ يَوْمِ الْاِثْنَيْنِ فَقَالَ ذَاكَ يَوْمٌ وُلِدْتُ فِيْهِ وَاُنْزِلَ عَلَيَّ فِيْهِ (السيرة النبوية الى ان) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ وُلِدَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ

وَاسْتُنْبِئَ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَخَرَجَ مُهَاجِرًا مِّنْ مَّكَّةَ إِلَى الْمَدِيْنَةِ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَ قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَتُوُفِّيَ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَرَفَعَ الْحَجَرَ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ

(السیرۃ النبویہ جلد اوّل ابوالفداء اسمٰعیل بن کثیر)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت بروز سوموار ہوئی امام مسلم نے اپنی صحیح مسلم میں غیلان بن جریر کے واسطہ سے ابو قتادہ سے روایت کیا ہے کہ ایک اعرابی نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوموار کے روزہ کے بارے آپ کیا فرماتے ہیں تو آپ نے فرمایا اس دن کو میری ولادت ہوئی اسی دن مجھ پر وحی نازل ہوئی۔ سوموار کے دن آپ کی بعثت ہوئی اور اسی سوموار کو مکہ سے مدینہ کو ہجرت فرمائی۔ آپ کا وصال بھی سوموار کو ہوا۔ اور بروز سوموار آپ نے حجر اسود کو دیوار کعبہ میں رکھا تھا۔

مزید فرماتے ہیں وَهٰذَا مَالَا خِلَافَ فِيْهِ اَنَّهٗ وُلِدَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ۔ اور سوموار ہی کو آپ کی ولادت باسعادت ہوئی اور اس میں کسی قسم کا خلاف نہیں ہے۔ یعنی یہ بالاتفاق ہے کہ سوموار کو ولادت باسعادت ہوئی۔

پھر آپ نے فرمایا ثُمَّ الْجُمْهُوْرُ عَلٰى اَنَّ ذٰلِكَ كَانَ فِيْ شَهْرِ رَبِيْعِ الْاَوَّلِ۔ پھر جمہور اس پر ہیں کہ آپ کی ولادت ربیع الاول ہی میں ہوئی۔ گویا جمہور اہل تحقیق نے ربیع الاول میں ولادت باسعادت کو تسلیم کیا ہے۔ آٹھ تاریخ کا قول ابن حزم سے منقول ہے۔ لیکن ابن اسحاق نے بارہ ربیع الاول ہی کو لیا ہے۔ اس پر انہوں نے یہ روایت بطور نص پیش کی ہے۔

عَنْ جَابِرٍ وَّابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهُمَا قَالَ: وُلِدَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْفِيْلِ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ الثَّانِيْ عَشَرَةَ مِنْ شَهْرِ رَبِيْعِ الْاَوَّلِ وَفِيْهِ بُعِثَ وَفِيْهِ عُرِجَ بِهٖ اِلَى السَّمَاءِ، وَفِيْهِ هَاجَرَ وَفِيْهِ مَاتَ وَهٰذَا هُوَ الْمَشْهُوْرُ عِنْدَ الْجُمْهُوْرِ۔

حضرت جابر اور ابن عباس رضی عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام الفیل بروز سوموار ۱۲ ربیع الاول میں پیدا ہوئے اور اسی روز مبعوث ہوئے اور اسی سوموار میں آسمان کی طرف

عروج ہوا۔ اور اسی روز آپ نے ہجرت فرمائی اور سوموار ہی کو آپ کا وصال ہوا اور یہی جمہور کے نزدیک مشہور ہے۔ اس روایت کو ابو بکر بن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں صحیح اسناد کے ساتھ نقل کیا ہے۔

۸۔ آٹھویں علامہ ابن جوزی بارہ ربیع الاول کو یوم میلاد قرار دیا ہے۔ وُلِدَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمَ الْاِثْنَیْنِ لِعَشْرٍ خَلَوْنَ مِنْ رَبِیْعِ الْاَوَّلِ عَامَ الْفِیْلِ وَقِیْلَ لِلَیْلَتَیْنِ خَلَتَا مِنْہُ قَالَ ابْنُ اِسْحَاقَ وُلِدَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمَ الْاِثْنَیْنِ عَامَ الْفِیْلِ لِاِثْنَتَیْ عَشَرَۃَ لَیْلَۃً مَضَتْ مِنْ شَہْرِ رَبِیْعِ الْاَوَّلِ۔ (الوفاء لابن جوزی)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بروز سوموار دس ربیع الاول کو عام الفیل میں پیدا ہوئے اور یہ بھی کہا گیا کہ ربیع الاول کی دو تاریخ تھی۔ امام ابن اسحاق نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بروز سوموار بارہ ربیع الاول عام الفیل کو پیدا ہوئے۔

۹۔ شیخ الاسلام علامہ ابن حجر عسقلانی شارح بخاری نے فرمایا۔ آپ کی ولادت پیر کے دن جب ربیع الاول کی بارہ راتیں گزر چکی تھیں ہوئی۔

۱۰۔ امام غزالی نے فرمایا ۱۲ ربیع الاول کو ولادت باسعادت ہوئی تھی۔ (حوالہ فقہ السیرت ص ۶۰)

۱۱۔ ڈاکٹر محمد عبدہ یمانی نے اپنی کتاب علموا اولادکم محبۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اپنی اولاد کو سرکار دو عالم کی محبت سکھاؤ) (صفحہ ۹۹) میں فرمایا ۱۲ ربیع الاول کو ولادت باسعادت ہوئی تھی۔ اس کتاب کا تیسرا ایڈیشن وزارت اعلام سعودی عرب نے ۱۹۸۷ء میں شائع کیا ہے۔

۱۲۔ مصر کے مشہور ڈاکٹر محمد حسین ہیکل نے (حیات محمد) میں لکھا ہے اکثریت کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت بارہ ربیع الاول کو ہوئی۔

۱۳۔ احمد بن محمد ابی بکر بن عبدالملک بن احمد قسطلانی المصری الشافعی رحمۃ اللہ علیہ مواہب لدنیہ میں رقم طراز ہیں۔

مشہور قول یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیر کے روز بارہویں ربیع الاول کو پیدا ہوئے اس

قول پر اہل مکہ کا عمل ہے کہ وہ لوگ اس وقت میں مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرتے تھے ۔

۱۴۔ امام المغازی محمد بن اسحٰق نے فرمایا ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیر کے روز بارہ ربیع الاوّل عام الفیل کو جلوہ افروز ہوئے ۔ نقوش (رسول نمبر جلد گیارہ)

۱۵۔ سیرت خاتم الانبیاء از مفتی محمد شفیع صاحب ۔ سید سلیمان ندوی رحمت عالم میں نواب سید محمد صدیق حسن خاں (اہلحدیث) نے الشمامۃ العنبریہ میں حضرت شاہ ولی اللہ نے سرور المحزون ترجمہ نور العیون میں ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے سیرت سرور عالم میں بارہ ربیع الاول ہی کو ترجیح دی ہے ۔

۱۶۔ امام ابوزہرہ رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے مشہور مؤرخ فرماتے ہیں ۔ اَلْجَمْهَرَةُ الْعُظْمٰى مِنْ عُلَمَاءِ الرِّوَايَةِ عَلٰى اَنَّ مَوْلِدَهٗ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ فِىْ رَبِيْعِ الْاَوَّلِ مِنْ عَامِ الْفِيْلِ فِىْ لَيْلَةِ الثَّانِىْ عَشَرَ مِنْهُ وَقَدْ وَافَقَ مِيْلَادُهٗ بِالسَّنَةِ الشَّمْسِيَّةِ نِيْسَانَ اَغُسْطُسْ ۔

(حوالہ : خاتم النبیین مؤلفہ ابوزہرہؒ)

روایت کے علماء کی بڑی کثرت اس بات پر ہے کہ آپ کا یوم میلاد عام الفیل کو بارہ ربیع الاول ہے اور آپکا یوم میلاد سن شمسی نیسان اگست کے موافق ہے ۔

مزید فرمایا کہ جمہور علماء نے روایت پر انحصار کیا ہے ، دوسری سب تاریخیں عقل کے سہارے پر مبنی ہیں اور روایات مشہور نہ بھی ہوں ان کے مقابلہ میں عقل کو ترجیح نہیں ہوتی بلکہ روایت کو عقل پر ترجیح ہوتی ہے ۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ حدیث وسیرت کے امام ہیں آپ نے فرمایا کہ جمہور علماء اہل سیر وتواریخ اس پر ہیں کہ آپ کی ولادت باسعادت عام الفیل کو چالیس یا پچپن روز بعد ہوئی ۔ دوسرا قول سب اقوال سے زیادہ صحیح ہے ۔ مشہور یہی ہے کہ ربیع الاول کا مہینہ تھا اور بارہ ربیع الاول تھی اس پر سب علماء نے اتفاق کیا ہے ۔ (مدارج النبوت)

یاد رہے کہ بروز سوموار بارہ ربیع الاول عام الفیل کو عید یوم المیلاد منانا ان روایات وتحقیقات سے ثابت ہے بہتر یہی ہے کہ اس بارہ ربیع الاوّل کو عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو منایا جائے ۔ اکابرین امت مسلمہ

اسی تاریخ کو میلاد النبی مبارک مناتے رہے زیادہ اجتماع کی نسبت سے عیدین کی طرح بارہ ربیع الاول کو منانا زیادہ موجب برکت ہے یورپ امریکہ وغیرہ غیر مسلم ملکوں میں ہفتہ اتوار کو تعطیل کی وجہ سے انعقاد محفل میلاد ہوتا ہے یہ بھی درست ہے لیکن اگر مسلمان بارہ ربیع الاوّل ہی کو اجتماعی طور پر متحد ہو کر عید میلاد منائیں گے. تو اس کے لیے تعطیل کی سہولت حاصل ہے اور اس میں مذہبی فوائد بھی زیادہ ہیں.

میلاد شریف کی رات، لیلۃ القدر سے افضل ہے

اس میں شک نہیں کہ زمان و مکان ہو یا اشخاص ہوں یا دوسری مخلوق ہو ان میں کسی کو کوئی شرف و عظمت اپنی ذات کے لحاظ سے حاصل نہیں کیونکہ ہر شئ کسی کمال میں حقیقی بلا واسطہ طور پر خود مختار نہیں ہے بلکہ جس طرح مخلوق کا وجود و ہستی اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا نتیجہ ہیں ایسے ہی اشخاص و زمان و مکان وغیرہ کے فضائل و کمالات بھی عطائے ربانی کے وظائف و ثمرات ہیں. ہر شئ اپنے وجود اور اپنے کمال میں اللہ کی حاجتمند و نیازمند ہے.

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (۲۶ آل عمران)

ترجمہ: اے اللہ ملک کا مالک تو جسے چاہے سلطنت دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے ساری بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے بیشک تو سب کچھ کر سکتا ہے.

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ

عزت اللہ اور رسول اور ایمان والوں کے لیے ہے

گو ظاہری طور باذن الٰہی انبیاء کرام اور اولیاء کرام بھی بعض تکوینی امور میں تصرف فرماتے رہے کیونکہ یہ حضرات رب حقیقی کے نائب رہے اور مرضی الٰہی کے تابع ہیں اور حقیقی طور پر تکوینی امور میں اللہ تعالٰی

ہی متصرف حقیقی ہے وہ جس کو چاہے جو چاہے عنایت فرمانے والا ہے ۔ اشخاص ومکان وزمان کی نشانیں اللہ تعالےٰ کی شانوں کے آیئنے ہیں ۔ اور علامتیں ہیں ۔

جس جس چیز کی نسبت اللہ تعالیٰ ورسول اکرم اور قرآن مجید کی طرف ہوئی وہی عزت وعظمت والی ہوگئی ۔ اس لحاظ سے ہمارا مسلک ہے کہ شب میلاد پاک لیلۃ القدر سے افضل وبہتر ہے ۔ اس کو آپ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مَا ثَبَتَ بالسنۃ کی روشنی میں ملاحظہ کریں ۔

خلاصہ یہ ہے کہ شب میلاد مبارک لیلۃ القدر سے بلاشبہ افضل ہے اس لیے کہ میلاد کی رات خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی رات ہے اور شب قدر حضور کو عطا کی گئی ہے ظاہر ہے کہ جس رات کو ذات مقدسہ سے شرف ملا وہ اس رات سے ضرور افضل ہوگی جو آپ کو دیئے جانے کی وجہ سے شرف والی ہے اور یہ کہ لیلۃ القدر نزول ملائکہ کی وجہ سے مشرف ہوئی اور لیلۃ المیلاد بنفس نفیس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور مبارک سے شرف یاب ہوئی اور اس لیے بھی کہ لیلۃ القدر میں حضور کی امت پر فضل واحسان ہے اور لیلۃ المیلاد میں تمام موجودات عالم پر اللہ تعالیٰ نے فضل واحسان فرمایا کیونکہ رحمۃ لِلعالمِین ہیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی نعمتیں تمام خلائق اہل سمٰوٰت والارضین پر تمام ہوگئیں

(ماثبت بالسنہ ص۸۰ ، بحوالہ میلاد النبی)

یہی دلائل مواہب لدنیہ میں علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے تفصیلی طور پر بیان کیے ہیں ۔ معلوم ہوا کہ جس تاریخ میں کوئی اعلیٰ کام ہوجائے وہ تاریخ تا قیامت افضل رہتی ہے جیسے شب قدر میں ایک بار قرآن مجید آچکا ۔ مگر یہ رات قیامت تک افضل رہے گی ۔ لہٰذا شب میلاد پاک اور شب معراج وغیرہ ہمیشہ افضل رہیں گی ۔ نیز یہ بھی واضح ہوا کہ بزرگ چیزوں کی طرف نسبت ہوجانے سے بزرگی حاصل ہوجاتی ہے ۔ جیسے شب قدر کو یہ فضیلت قرآن کی نسبت سے ہے اصحاب کہف کے کتے کو ان بزرگوں کی طرف منسوب ہوکر عزت نصیب ہوئی ۔ اور مقام ابراہیم ۔ اور آب زمزم ۔ صفا ومروہ کو بترتیب حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور حضرت بی بی ہاجرہ رضی اللہ عنہم کی طرف نسبت سے دائمی عزت ومرتبہ حاصل ہوا ۔

اہل سنت و جماعت ہر دور میں برکت والی تاریخوں کو اس لیے مناتے ہیں: تاکہ ہم بھی برکتیں اور پاک نسبتیں حاصل کرتے رہیں اور اسلامی یادگار کو زندہ رکھ کر نئی نسل کو اسلام کی حسین ترین تاریخ و شوکت سے آگاہ رکھ سکیں.

میلاد النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر مزید تحقیق کے لیے مندرجہ ذیل لٹریچرز کو مطالعہ کریں

۱- جامع الاثار فی مولد النبی المختار — مصنف: حافظ محمد بن عبد اللہ القیسی الشافعی المعروف ناصر الدین الدمشقی (متوفی ۸۴۲ھ)

۲- المورد الھنی فی المولد السنی — 〃 حافظ عبد الرحیم بن الحسینی المعروف بالحافظ العراقی متوفی ۸۰۸ھ

۳- المورد الروی فی المولد النبوی — 〃 امام ملا علی القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ

۴- مولد النبیّ — 〃 عبد الرحمٰن بن ابی الحسن ابن الجوزی ۵۹۷ھ

۵- نطق الہلال بارخ ولادۃ الحبیب و الوصال — مصنف: امام احمد رضا خان فاضل اہل سنت

۶- التنویر فی مولد البشیر النذیر — 〃 از امام محدث حافظ ابن دحیہؒ

۷- حسن المقصد فی عمل المولد فی الحاوی للفتاوی — از امام جلال الدین سیوطیؒ

۸- میلاد مصطفےٰ — از ڈاکٹر شیخ سید محمد علوی مالکی مکی

۹- میلاد النّبی — از علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ

۱۰- خصوصی عید میلاد النبی نمبر ضیائے حرم لاہور نومبر- دسمبر ۱۹۸۹ء وغیرہا.

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بحثِ بدعت

یاد رہے کہ مطلق بدعت کے دو معنے ہیں ایک معنی لغوی ہے دوسرا معنی شرعی ہے بدعت کے لغوی معنے ہیں نئی چیز، نیا کام، انوکھا۔ اسی لغوی معنے کے اعتبار سے بدعت کے لیے قرآن پاک میں صفت مشبہ کا کلمہ آیا ہے اَللّٰہُ بَدِیۡعُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ اللہ آسمانوں اور زمینوں کا ایجاد کرنے والا ہے ابداع کی جب اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت ہو تو اس کے معنے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا کسی شئے کو بلا واسطۂ آلہ اور مادہ کے اور بلا اعتبار زمان و مکان کے ایجاد کرنا ہوتا ہے ایجاد کی یہ صورت اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ممکن ہے اور کسی غیر کیلئے نہیں (قاموس القرآن) دوسری جگہ قرآن پاک میں اس طرح آیا ہے قُلۡ مَاکُنۡتُ بِدۡعًا مِّنَ الرُّسُلِ۔ فرما دو کہ میں نیا رسول نہیں ہوں۔

اب ہم لغوی بدعت کے اُردو میں ایجاد کرنا۔ نیا بنانا۔ انوکھا کے معنوں میں مراد لیں گے بدعت کے لغوی معنے کو امام نووی بیان فرماتے ہیں قَالَ النَّوَوِیُّ اَلۡبِدۡعَۃُ کُلُّ شَیۡئٍ عُمِلَ عَلٰی غَیۡرِ مِثَالٍ سَبَقَ۔ (بحوالہ مرقات شرح مشکوٰۃ باب الاعتصام)

بدعت ہر وہ کام ہے جو بغیر گذری مثال کے کیا جاوے۔ اب بدعت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بدعت تین معنوں میں استعمال ہوتی ہے ہر وہ نیا کام جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری حیات کے بعد ایجاد ہوا ہو دوسرا معنی یہ ہے کہ ہر وہ بات یا کام جو سنت کے خلاف ہو اور سنت کو اٹھانے

والا ہو یعنی دافعِ سنت ہو. تیسرا معنیٰ یہ ہے کہ وہ تمام عقائد جو بعد نبی کریم علیہ السلام کے پیدا ہوئے ہوں اور نصوص سے ثابت نہ ہوں. اگر بدعت کا پہلا معنیٰ مراد لیا جائے تو ہر نیا کام یا نئی بات نہ بدعت حسنہ و اچھی بدعت ہو سکتی ہے اور نہ ہی بدعت سیئہ و بری بدعت ہو سکتی ہے. بلکہ بعض نئے کام بدعت حسنہ ہوتے ہیں اور بعض نئے کام بدعت سیئہ ہوتے ہیں. جس کی تفصیل آ رہی ہے اور بدعت کا دوسرا اور تیسرا معنیٰ اگر مراد لیے جائیں تو اس میں شک نہیں ہے کہ بدعت چاہے خلاف سنت و دافع سنت ہو یا ایسے عقائد ہوں جو اسلام میں موجود نہ ہوں یہ دونوں معنے بدعت سیئہ میں شامل رہیں گے.

یہیں سے بعض لوگوں کو دھوکا لگا ہے کہ انہوں نے بعض بزرگوں کی عبارات میں دیکھا کہ ہر بدعت سیئہ ہوتی ہے تو بس یہی رٹ لگانا شروع کر دیا کہ ہر بدعت بُری ہوتی ہے حالانکہ ان بزرگوں کی بدعت سے وہ بدعت مراد ہے جو رافع سنت ہو یا وہ عقائد ہیں جو بعد میں ایجاد ہوئے ہوں. ورنہ بہت سے اچھے کاموں کو بدعت سیئہ کہنا پڑے گا اور یہ سراسر غلط ہے کہ اچھے کو بُرا کہا جانے لگے اور حدیث شریف کے اس جملہ سے یہ نتیجہ اخذ کرنا "کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ" کہ ہر بدعت بری ہوتی ہے یہ ان کا غلط نتیجہ ہے بلکہ اس جملہ میں بدعت سے وہ بُرے عقائد مراد ہیں جو بعد کے ایجاد ہوئے ہیں اگر ہماری اس تقسیم بالا کو نظر انداز کر لیا جائے تو پھر احادیث ہوں یا کہ اقوال ہوں سب آپس میں متعارض ہو کر ٹکرا جانے لگیں گے اور یہ معمہ اہل بدعت کی طرف سے ہی پیدا ہوا ہے کیونکہ اہل بدعت نے بدعت کی ایسی تعریف کر دی ہے کہ وہ تعریف ہی بدعت سیئہ ہو کر رہ گئی ہے.

بدعت شرعی بدعت کے شرعی معنی ہیں ایسے عقائد یا ایسے اعمال جو نبی کریم کے زمانہ یعنی ظاہری حیات طیبہ میں نہ ہوں بعد میں ان کو ایجاد کیا گیا ہو. بدعت کے شرعی معنی کے لحاظ سے بھی بدعت کی دو قسمیں ہیں، بدعت اعتقادی اور بدعت عملی، بدعت اعتقادی ان برے عقائد کا نام ہے جو نبی کریم کے ظاہری حیات کے بعد ایجاد کر لیے گئے ہوں اسکی مثالیں جبریہ. قدریہ مرجیہ. منکرین حدیث. خارجی. رافضی وغیرہ کے عقائد بدعت اعتقادی میں شامل ہیں کیونکہ یہ سب بعد میں پیدا کیے گئے ہیں اور دونوں مذاہب والے حضرات اپنے ایجاد کیے ہوئے عقائد کو اسلامی عقائد سمجھتے ہیں دیوبندی حضرات کے اکثر عقائد بارہویں صدی کی پیداوار ہیں جو خود وہابیت کی پیداوار ی

میں اختیار کیئے گئے ہیں۔

بدعت سیئہ

بدعت سیئہ کے بارے حدیث میں آیا ہے مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا ھٰذَا مَالَیْسَ مِنْہُ فَھُوَ رَدٌّ جو شخص ہمارے اس دین میں وہ عقیدے ایجاد کرے جو دین میں نہ ہوں وہ مردود ہیں (مشکوٰۃ باب الاعتصام)

اس حدیث میں گو مَا موصولہ عام ہے چاہے عقیدے ہوں یا اعمال ہوں۔ لیکن عقیدے ہم اس لیے مراد لیتے ہیں کہ حقیقۃً دین عقائد کا نام ہے اور اعمال فروع ہوتے ہیں اس لیے اگر کسی شخص کے اعمال شریعت کے خلاف ہوں فرائض و واجبات کی پابندی نہیں کرتا ہے یا حرام کا ارتکاب کرتا ہے تو اسے ہم فاسق کہتے ہیں لیکن اُسے کافر یا بے دین نہیں سمجھتے ہیں۔ ہاں اگر عقائد قطعیہ یقینیہ کا انکار کرتا ہے تو کافر قطعی قرار پائے گا اور اگر عقائد ظنیہ کا انکار کرتا ہے تو اُسے گمراہ خیال کیا جائے گا ہماری اس بات کی تائید ملا علی قاریؒ کے اس کلام سے ہوتی ہے وَالْمَعْنٰی اَنَّ مَنْ اَحْدَثَ فِی الْاِسْلَامِ رَایاً فَھُوَ مَرْدُوْدٌ عَلَیْہِ اَقُوْلُ فِیْ وَصْفِ ھٰذَا الْاَمْرِ اِشَارَۃٌ اِلٰی اَنَّ اَمْرَ الْاِسْلَامِ کَمَلَ معنیٰ یہ ہیں کہ جو اسلام میں ایسا عقیدہ نکالے کہ دین سے نہیں ہے وہ اس پر ردّ ہے میں کہتا ہوں کہ ھٰذَا الْاَمْر کے وصف میں اس طرف اشارہ ہے کہ اسلام کا معاملہ مکمل ہو چکا ہے اس تشریح سے واضح ہو گیا کہ حدیث میں مَا سے دین مراد ہے اور جس بدعت کو رد کیا گیا ہے اس سے برے عقیدے مراد ہیں۔

بداعتقاد کے بارے میں حضرت ابن عمر کا ارشاد ملاحظہ ہو آپ سے کسی نے عرض کیا کہ فلاں شخص نے آپ کو سلام کہا ہے تو ابن عمر نے فرمایا بَلَغَنِیْ اَنَّہٗ قَدْ اَحْدَثَ فَاِنْ کَانَ اَحْدَثَ فَلَا تُقْرِئْہُ مِنِّی السَّلَامَ۔ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ وہ شخص بدعتی ہو گیا ہے اگر ایسا ہو تو اس کو میرا اسلام نہ کہو بدعتی ہو جانے کی وجہ یہ بیان فرمائی۔ یَقُوْلُ یَکُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ خَسْفٌ وَّمَسْخٌ اَوْقَذْفٌ فِیْ اَھْلِ الْقَدْرِ۔ حضور علیہ السلام فرماتے تھے کہ میری امت میں زمین میں دھنسنا صورت بدلنا یا پتھر برسنا ہوگا۔ قدریہ لوگوں میں۔ (مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ وہ شخص تقدیر کا منکر ہو گیا تھا اس وجہ سے اس کو بدعتی کہا گیا ہے فقہ حنفی کا مشہور فتاویٰ درمختار کتاب الصلوٰۃ باب الامامۃ میں ہے۔

وَمُبْتَدِعٍ اَیْ صَاحِبِ بِدْعَةٍ وَهِیَ اعْتِقَادُ خِلَافِ الْمَعْرُوْفِ عَنِ الرَّسُوْلِ

بدعتی امام کے پیچھے نماز مکروہ ہے بدعت اس عقیدے کے خلاف اعتقاد رکھنا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے معروف ہیں۔ درالمختار کی عبارت سے وضاحت ہو گئی کہ بدعت نئے اور برُے عقائد کو بھی کہتے ہیں گو خلاف سنّتِ ثابتہ اعمال پر بھی بدعت کا اطلاق آیا ہے لیکن اعمال خلاف سنت پر اتنی سخت وعیدیں اور سزاؤں کا ذکر نہیں آسکتا ہے۔ احادیث میں جن سخت وعیدوں کا ذکر آیا ہے اس سے مراد وہ عقائد ہیں جو بعد میں ایجاد ہوئے ہیں۔ فتاویٰ رشیدیہ جلد اوّل کتاب البدعات صفحہ ۹۰ میں ہے۔ جس بدعت میں ایسی شدید وعید ہے وہ بدعت فی العقائد ہے جیساکہ روافض خوارج کی بدعت ہے۔ فتاویٰ رشیدیہ کی اس عبارت سے ہماری تائید ہو گئی ہے اور جس حدیث میں آیا ہے کہ جس شخص نے اہل بدعت کی تعظیم کی اس نے اسلام کے ڈھانے میں مدد دی۔ تو اس سے مراد بدعت اعتقادیہ والے بدعتی ہیں۔ کیونکہ بدعت عملی۔ کرنے والے کی عزت کرنے سے اسلام کی عمارت کو ڈھانے کی وعید کا وارد ہونا متصور نہیں ہو سکتا۔

بدعت عملی

بدعت عملی ایسے کاموں کو کہتے ہیں جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ پاک کے بعد ایجاد ہوئے ہوں چاہے وہ کام دنیاوی ہوں یا دینی ہوں پھر اس میں یہ قید بھی نہیں ہے کہ صرف صحابہ کرام کے زمانہ کے بعد ایجاد ہوا ہو۔ نہیں بلکہ صحابہ کرام کے زمانہ میں عمل بدعت کو ایجاد کیا گیا ہو یا صحابہ کرام کے زمانہ کے بعد ایجاد ہوا ہو۔ ملاحظہ ہو۔

وَفِی الشَّرْعِ اِحْدَاثُ مَالَمْ یَکُنْ فِیْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ بدعت شریعت میں اس کام کا ایجاد کرنا ہے جو کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں نہ ہو۔ (حوالہ مرقات شرح مشکوٰۃ باب الاعتصام)

بدانکہ ہر چیز پیدا شدہ بعد از پیغمبر علیہ السلام بدعت است (ترجمہ) جو کام حضور علیہ السلام کے بعد

پیدا ہو وہ بدعت ہے۔ (اشعۃ اللمعات باب الاعتصام)

آپ ملاحظہ کریں کہ ان دونوں عبارتوں میں نہ تو دینی کام کی قید کا ذکر ہے اور نہ ہی زمانہ صحابہ کرام کی پابندی کا لحاظ ہے بلکہ یہ عبارتیں عام ہیں کہ چاہے دینی کام ہو یا دنیاوی کام۔ اس کے بدعت ہونے کا معیار یہ ہے کہ وہ کام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری حیات کے بعد ایجاد ہوا ہو چاہے صحابہ کرام کے زمانہ میں ہو یا بعد میں ہوا ہو۔ وہ کام بدعت ہی قرار پائے گا صرف فرق یہ ہے کہ عرف عام میں صحابہ کرام کے ایجاد کیے ہوئے کاموں کو سنت صحابہ کہتے ہیں صحابہ کرام کے افعال و اعمال کو بدعت نہیں کہتے ہیں۔ لیکن یہ صرف عرف عام کے لحاظ سے ہے ورنہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تراویح کی باقاعدہ جماعت مقرر فرما کر ارشاد فرمایا نِعْمَةُ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ یہ تو بہت ہی اچھی بدعت ہے۔ اب فعل صحابی کو بدعت حسنہ بولا گیا ہے لیکن یہ عرف میں نہیں بلکہ اصل کے اعتبار سے کہا گیا ہے۔

بدعت عملی دو قسم ہے

بدعت عملی دو قسم ہے بدعت حسنہ بدعت سیئہ۔ بدعت حَسنہ کی تعریف ہے کہ ہر وہ نیا کام جو کہ کسی سنّت کے خلاف نہ ہو۔ جیسے محفل میلاد کا انعقاد کرنا۔ دینی مدارس کو قائم کرنا اور نئے نئے عمدہ کھانے تیار کرنا۔ پریس میں قرآن پاک دینی اسلامی لٹریچرز کو چھپوانا وغیرہ یہ سب بدعت حسنہ میں شامل ہیں۔

بدعت سیئہ ہر وہ کام جو کسی سنت کے خلاف ہو یا سنت کو مٹانے والا ہو۔ اس کی مثال عربی کے بجائے دوسری زبانوں میں خطبہ جمعہ وعیدین کا پڑھنا وغیرہ یہ بدعت سیئہ ہے۔

بدعت حسنہ وسیئہ پر احکام شرعیہ کا اطلاق اس طرح سے ہوگا۔

بدعت حسنہ کبھی جائز یا مستحب یا واجب ہوتی ہے اور بدعت سیئہ کبھی مکروہ تنزیہی ہوتی ہے کبھی مکروہ تحریمی اور بعض صورتوں میں حرام ہوتی ہے ہم نے جو مطلق بدعت کی دو قسمیں بیان کی ہیں ایک بدعت حسنہ دوسری بدعتِ سیئہ اس کی دلیل یہ ہے وَکُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ حدیث مبارک کے تحت شیخ عبدالحق محدث دہلوی تشریح فرماتے ہیں " وآنچہ موافق اصول وقواعد سنت اوست و

قیاس کردہ شدہ است آں را بدعت حسنہ گویند وآنچہ مخالف آں باشد باعث ضلالت گویند۔ جو بدعت کہ اصول اور قوانین سنت کے موافق ہے اور اس سے قیاس کی ہوئی ہے اس کو بدعت حسنہ کہتے ہیں اور جو اس کے خلاف ہے اس کو بدعت ضلالہ وگمراہی کہتے ہیں۔ (اشعۃ اللمعات جلد اول باب الاعتصام)

اس عبارت سے واضح ہوگیا کہ مطلق بدعت دو قسم کی ہے۔ بدعت حسنہ جو اصول وقواعد سُنّت کے موافق اور اس سے قیاس کی ہوئی ہو اور جو قواعد واصول یا سنت کے خلاف ہو وہ بدعت سیئہ ہے معلوم ہوا جب تک قواعد وسنت سے موافقت ہوگی یا سنت پر قیاس ہو تو بدعت حسنہ ہے اور ان سے مخالفت کی صورت میں بدعت سیئہ ہے لہٰذا ہر بدعت گمراہی نہیں ہے

حدیث مشکوٰۃ باب العلم مَنْ سَنَّ فِی الْاِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهٗ اَجْرُهَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهٖ مِنْ غَیْرِ اَنْ یَّنْقُصَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَیْئٌ وَّمَنْ سَنَّ فِی الْاِسْلَامِ سُنَّةً سَیِّئَةً فَعَلَیْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ غَیْرِ اَنْ یَّنْقُصَ مِنْ اَوْزَارِهِمْ شَیْئٌ ترجمہ:- جو کوئی اسلام میں اچھا طریقہ جاری کرے اس کو اس کا ثواب ملے گا اور اس کا بھی جو اس پر عمل کریں گے۔ اور ان کے ثواب سے کچھ کم نہ ہوگا۔ اور جو شخص اسلام میں بُرا طریقہ جاری کرے اس پر اس کا گناہ بھی ہے۔ اور ان کا بھی جو اس پر عمل کریں اور ان کے گناہ میں بھی کچھ کمی نہ ہوگی

معلوم ہوا کہ اسلام میں کار خیر ایجاد کرنا ثواب کا باعث ہے اور بُرے کام نکالنا گناہ کا سبب ہے اور یہ بھی واضح ہوگیا کہ حدیث میں حسنہ اور سیئہ کے کلموں سے بدعت کی دو قسمیں ثابت ہوگئیں جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ حدیث مذکور قواعد اسلام سے ہے۔ ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی کے مقدمہ میں ہے۔ قَالَ الْعُلَمَاءُ هٰذِهٖ اَحَادِیْثُ مِنْ قَوَاعِدِ الْاِسْلَامِ وَهُوَ اَنَّ کُلَّ مَنِ ابْتَدَعَ شَیْئًا مِّنَ الشَّرِّ کَانَ عَلَیْهِ مِثْلُ وِزْرِ مَنِ اقْتَدٰی بِهٖ فِیْ ذَالِكَ وَکُلَّ مَنِ ابْتَدَعَ شَیْئًا مِّنَ الْخَیْرِ کَانَ لَهٗ مِثْلُ اَجْرِ کُلِّ مَنْ یَّعْمَلُ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ

ترجمہ: علماء فرماتے ہیں کہ یہ حدیثیں اسلام کے قانون ہیں کہ جو شخص کوئی بُری بدعت ایجاد کرے اس پر اس کام میں ساری پیروی کرنے والوں کا گناہ ہے اور جو شخص اچھی بدعت نکالے اس کو قیامت تک

کے سارے پیروی کرنے والوں کا ثواب ہے اس عبارت سے معلوم ہوا کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں اچھی بدعت جس پر ثواب ہے اور بری بدعت جو کہ گناہ ہے اور حدیث مذکور قواعد اسلام کی حیثیت رکھتی ہے نہ کسی خاص جزئی سے خاص ہے اور نہ ہی کسی زمانہ سے خاص ہے۔

اب مطلق بدعت کی دوسری قسم بدعت سیئہ کہ جس کے بارے ہم نے کہا تھا کہ بُری بدعت وہ ہے جو سنت کے خلاف ہو اس دعویٰ کی دلیل یہ ہے۔

مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَالَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ ۔ (مشکوٰۃ باب الاعتصام)

جو شخص ہمارے اس دین میں کوئی ایسی شی نکالے جو کہ دین سے نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔ دین سے نہیں ہے کا معنی یہ ہے کہ وہ دین کے خلاف ہے اور ہمارے اس موقف کی تائید اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث کی شرح سے ہوتی ہے۔

" ومراد چیزے است کہ مخالف ومغیّر آن باشد" اس سے مراد وہ چیز ہے جو کہ دین کے خلاف یا دین کو بدلنے والی ہو۔ معلوم ہوا کہ مَالَیْسَ مِنْهُ سے مراد ہر وہ چیز ہے جو دین کے مخالف ہو اور دین کے موجودہ حصہ کو بدلنے والی ہو۔ ہم نے جو دعویٰ کیا ہے کہ بری بدعت دین وسنت کے خلاف ہوتی ہے اور سنّت کو اٹھانے والی ہوتی ہے اس کی دلیل یہ ہے۔ مَااَحْدَثَ قَوْمٌ بِدْعَةً اِلاَّ رُفِعَ مِثْلُهَا مِنَ السُّنَّةِ فَتَمَسُّكٌ بِسُنَّةٍ خَيْرٌ مِّنْ اِحْدَاثِ بِدْعَةٍ ۔ کوئی قوم بدعت نہیں ایجاد کرتی ہے مگر اتنی سنت اٹھ جاتی ہے۔ لہٰذا سنّت کو لینا بدعت کے ایجاد کرنے سے بہتر ہے اس کی شرح میں اشعۃ اللمعات کی عبارت سے ہمارے بیان کی وضاحت ہوتی ہے۔

وچوں احداثِ بدعت رافع سنت است ہمیں قیاس اقامتِ سنّت قاطع بدعت خواہد بود۔ اور جب بدعت نکالنا سنت کو مٹانے والا ہے تو سنت کو قائم کرنا بدعت کو مٹانے والا ہوگا۔ نتیجہ حدیث مذکور اور اس کی شرح سے واضح ہے کہ بدعت سیئہ وہی ہوگی کہ جس سے سنّت مٹ جائے۔ یعنی جو رافع سنّت ہو۔ اور بدعت حسنہ وہ ہوتی ہے جو قاطعِ بدعت ہو۔ دونوں قسموں کو بری بدعت کہنا بہت بُری بات ہے۔

مطلق بدعت کی قسمیں اور ان کی اقسام

مطلق بدعت کی دو قسمیں ہیں بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ۔ پھر بدعت حسنہ کی پھر تین قسمیں ہیں۔ بدعت واجبہ بدعت مستحبہ اور بدعت جائز اور بدعت سیئہ کی صرف دو قسمیں ہیں بدعت حرام۔ اور بدعت مکروہ۔ اس تفصیل کی تائید ملاحظہ ہو۔

اَلْبِدْعَةُ وَاجِبَةٌ كَتَعَلُّمِ النَّحْوِ وَتَدْوِيْنِ اُصُوْلِ الْفِقْهِ وَاِمَّا مُحَرَّمَةٌ كَمَذْهَبِ الْجَبَرِيَّةِ وَاِمَّا مَنْدُوْبَةٌ كَاِحْدَاثِ الرَّوَابِطِ وَالْمَدَارِسِ وَكُلِّ اِحْسَانٍ لَمْ يُعْهَدْ فِي الصَّدْرِ الْاَوَّلِ وَكَالتَّرَاوِيْحِ اَيْ بِالْجَمَاعَةِ الْعَامَّةِ وَاِمَّا مَكْرُوْهَةٌ كَزَخْرَفَةِ الْمَسَاجِدِ وَاِمَّا مُبَاحَةٌ كَالْمُصَافَحَةِ عَقِيْبَ الصُّبْحِ وَالتَّوَسُّعِ بِلَذِيْذِ الْمَاكِلِ وَالْمَشَارِبِ

(شامی جلد اول صد ۳۹۳)

بدعت یا تو واجب ہے جیسے علم نحو کا سیکھنا اور اصول فقہ کا جمع کرنا اور یا حرام ہے جیسے جبریہ مذہب اور یا مستحب ہے جیسے مسافر خانوں اور مدرسوں کا ایجاد کرنا اور ہر وہ اچھی بات جو پہلے زمانہ میں نہ تھی اور جیسے عام جماعت سے تراویح پڑھنا اور یا مکروہ ہے جیسے مسجدوں کو فخر یہ زینت دینا اور یا مکروہ ہے جیسے فجر کی نماز کے بعد مصافحہ کرنا اور عمدہ عمدہ کھانوں اور شربتوں میں وسعت کرنا۔

معلوم ہوا کہ نہ ہر بدعت حسنہ ہے اور نہ ہر بدعت سیئہ ہے بعض اچھی بدعت ہے اور بعض بری بدعت ہے۔

اب فقہ حنفی کا مشہور فتاویٰ شامی جلد اول کتاب الصلوٰۃ باب الامامۃ ملاحظہ ہو۔

اَيْ صَاحِبِ بِدْعَةٍ مُحَرَّمَةٍ وَّاِلَّا فَقَدْ تَكُوْنُ وَاجِبَةً كَنَصْبِ الْاَدِلَّةِ وَتَعَلُّمِ النَّحْوِ وَمَنْدُوْبَةً كَاِحْدَاثِ نَحْوِ رِبَاطٍ وَّمَدْرَسَةٍ وَّكُلِّ اِحْسَانٍ لَمْ يَكُنْ فِي الصَّدْرِ الْاَوَّلِ وَمَكْرُوْهَةً كَزَخْرَفَةِ الْمَسَاجِدِ وَمُبَاحَةً كَالتَّوَسُّعِ بِلَذِيْذِ الْمَاكِلِ وَالْمَشَارِبِ وَالثِّيَابِ كَمَا فِيْ شَرْحِ الْجَامِعِ الصَّغِيْرِ۔ ترجمہ: حرام بدعت والے کے پیچھے نماز مکروہ ہے ورنہ بدعت تو کبھی واجب ہوتی ہے جیسے کہ دلائل قائم کرنا اور علم نحو سیکھنا اور کبھی مستحب جیسے مسافر خانہ اور

مدرسے اور ہر وہ اچھی چیز جو کہ پہلے زمانہ میں نہ تھی ان کا ایجاد کرنا اور کبھی مکروہ جیسے کہ مسجدوں کی فخریہ زینت اور کبھی مباح جیسے عمدہ کھانے شربتوں اور کپڑوں میں وسعت کرنا اسی طرح جامع صغیر کی شرح میں ہے ہماری پیش کردہ دونوں عبارتوں سے معلوم ہوا کہ مطلق بدعت کی پانچ قسمیں ہیں۔ بعض بدعت جائز بعض ناجائز ہے۔ بعض بدعت ضروری ہوتی ہے اور بعض بدعت حرام ہوتی ہیں۔ علم فقہ اور قرآن کریم کا جمع کرنا اور قرآن پاک پر اعراب و حرکات لگانا قرآن پاک کی طباعت کرنا اسلامی دارالعلوموں کو بنانا درس نظامی کا نصاب متعین کرنا یہ سب چیزیں اچھی بدعت میں شامل ہیں۔

علامہ ابن حجر نے بھی بدعت کی پانچ قسمیں بیان فرمائی ہیں۔

واجب۔ مستحب۔ مباح۔ حرام۔ مکروہ ملاحظہ فرمائیں۔

يَعْنِي الْوُجُوْبَ وَالنَّدْبَ الخ وَطَرِيْقُ مَعْرِفَةِ ذٰلِكَ اَنْ تُعْرَضَ الْبِدْعَةُ عَلٰى قَوَاعِدِ الشَّرْعِ فَاَيُّ حُكْمٍ دَخَلَتْ فِيْهِ فَهِيَ مِنْهُ فَمِنَ الْبِدَعِ الْوَاجِبَةِ تَعَلُّمُ النَّحْوِ الَّذِيْ يُفْهَمُ بِهِ الْقُرْاٰنُ وَالسُّنَّةُ وَمِنَ الْبِدَعِ الْمُحَرَّمَةِ مَذْهَبُ نَحْوِ الْقَدْرِيَّةِ وَمِنَ الْمَنْدُوْبَةِ اِحْدَاثُ نَحْوِ الْمَدَارِسِ وَالْاِجْتِمَاعِ لِصَلٰوةِ التَّرَاوِيْحِ وَمِنَ الْبِدَعِ الْمُبَاحَةِ الْمُصَافَحَةُ بَعْدَ الصَّلٰوةِ وَ مِنَ الْبِدَعِ الْمَكْرُوْهَةِ زَخْرَفَةُ الْمَسَاجِدِ وَالْمَصَاحِفِ اَيْ بِغَيْرِ الذَّهَبِ وَاِلَّا فَهِيَ مُحَرَّمَةٌ وَفِي الْحَدِيْثِ كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَّكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ وَهُوَ مَحْمُوْلٌ عَلَى الْمُحَرَّمَةِ لَا غَيْرُ وَحَيْثُ حَصَلَ فِيْ ذٰلِكَ الْاِجْتِمَاعِ لِذِكْرٍ اَوْ صَلٰوةِ التَّرَاوِيْحِ اَوْ نَحْوِهَا مُحَرَّمٌ وَّجَبَ عَلٰى كُلِّ ذِيْ قُدْرَةٍ اِلنَّهْيُ عَنْ ذٰلِكَ۔ (فتاوی حدیثیہ ص ١٠٩)

اور اس کی معرفت کا طریقہ یہ ہے کہ بدعت کو شریعت کے قواعد پر پیش کیا جائے گا تو وہ جس کے تحت میں داخل ہو گئی وہی اس کا حکم ہے پس بدعات واجبہ سے اتنی نحو کا سیکھنا ہے جس سے قرآن و حدیث سمجھ لیا جائے اور بدعات محرمہ (حرام) سے مذہب قدریہ وغیرہ کا ہے اور بدعات مستحبہ سے مدرسوں وغیرہ کا بنانا اور نماز تراویح کے لیے جمع ہونا ہے اور بدعات مباحہ سے نماز کے بعد مصافحہ کرنا ہے اور بدعات مکروہہ سے مساجد و مصاحف کا نقش و نگار ہے اگر سونے سے نہ ہو ورنہ حرام ہے اور حدیث

شریف میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی آگ میں ہے اس سے حرام بدعت مراد ہے نہ کہ دوسرے اقسام۔ اور جہاں کہیں ذکر یا نماز تراویح وغیرہ کے اجتماع میں کوئی حرام کام ہونے لگے تو ہر قدرت رکھنے والے شخص پر اس کا روکنا واجب ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ میں مندرجہ ذیل تشریح فرماتے ہیں۔

وبعض بدعتہا است کہ واجب است چنانکہ تعلم وتعلیم صرف ونحو کہ بداں معرفت آیات واحادیث حاصل گردد وحفظ غرائب کتاب وسنت و دیگر چیز ہائے کہ حفظ دین وملت براں موقوف بود وبعض مستحسن ومستحب مثل بنائے رباطہا و مدرسہ وبعض مکروہ مانند نقش ونگار کردن مساجد ومصاحف بقول بعض۔ وبعض مباح مثل فراخی طعامہائے لذیذ ولباسہائے فاخرہ بشرطیکہ حلال باشند وباعث طغیان وتکبر ومفاخرت نہ شوند ومباحات دیگر کہ درزمانہ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نہ بودند۔ چنانکہ غربال ومانند آں وبعض حرام چنانکہ مذاہب اہل بدع واہوا برخلاف سنت وجماعت (اشعۃ اللمعات جلد ۱ ص ۱۳۵)

ترجمہ: بعض بدعت واجب ہیں جیسے صرف ونحو کا سیکھنا سکھانا کہ جن سے آیات واحادیث کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور کتاب وسنت کی غرائب وغیرہ کا یاد کرنا اور دوسری چیزیں کہ جن پر دین وملت کی حفاظت موقوف ہے اور بعض بدعت مستحب ومستحسن ہیں جیسے مسافر خانوں اور مدرسوں کا بنانا اور بعض بدعت مکروہ ہیں جیسے بقول بعض کے مساجد ومصاحف کے نقش ونگار اور بعض بدعت مباح ہیں جیسے لذیذ قسم کے کھانے اور عمدہ قسم کے لباس کی فراخی جب حلال ہوں اور طغیان وتکبر اور مفاخرت کا سبب وباعث نہ ہوں اور دوسری مباح چیزیں جو زمانہ اقدس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں نہ تھیں جیسا کہ چھلنی اور اس کی مثل اور بعض بدعت حرام ہیں جیسے اہل بدع اور اہوا کے وہ مذاہب باطلہ جو اہل سنت وجماعت کے خلاف ہوں۔

صاحب الطریقۃ المحمدیہ بدعت کی اس تقسیم کے قائل ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

إِنَّ الْبِدْعَةَ قَدْ تَكُوْنُ مُبَاحَةً كَاسْتِعْمَالِ الْمُنْخُلِ وَالْمُوَاظَبَةِ عَلَى أَكْلِ لُبِّ الْحِنْطَةِ وَ

الشَّبْعِ مِنْهُ وَقَدْ تَكُوْنُ مُسْتَحَبَّةً كَبِنَاءِ الْمَنَارَةِ وَالْمَدَارِسِ وَتَصْنِيْفِ الْكُتُبِ بَلْ قَدْ تَكُوْنُ وَاجِبَةً كَنَظْمِ الدَّلَائِلِ لِرَدِّ شُبَهِ الْمَلَاحِدَةِ وَنَحْوِهِمْ الخ

بیشک بدعت کبھی مباح ہوتی ہے جیسے چھلنی کو استعمال کرنا اور گندم کے مغز کے کھانے پر ہمیشگی کرنا اور اس سے سیر ہونا۔ اور کبھی بدعت مستحب ہوتی ہے جیسے مناروں اور مدرسوں کا بنانا اور کتابوں کو تصنیف کرنا اور کبھی بدعت واجب ہوتی ہے جیسے اہل سنت وجماعت کے مخالف ملحدوں وغیرہ کے شبہات کے رد کے لیے دلائل کو جمع کرنا ہے

اب صاحب مجمع البحار کی تحقیق ملاحظہ فرمائیں۔

هِيَ نَوْعَانِ بِدْعَةُ هُدًى وَبِدْعَةُ ضَلَالَةٍ فَمِنَ الْاَوَّلِ مَاكَانَ تَحْتَ عُمُوْمِ مَانَدَبَ الشَّارِعُ اِلَيْهِ وَحَضَّ عَلَيْهِ فَلَا يُذَمُّ بِوَعْدِ الْاَجْرِ عَلَيْهِ بِحَدِيْثِ مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً وَّفِيْ ضِدِّهٖ مَنْ سَنَّ سُنَّةً سَيِّئَةً وَّمِنَ الثَّانِيْ مَاكَانَ بِخِلَافِ مَا اُمِرَ بِهٖ فَيُذَمُّ وَيُنْكَرُ عَلَيْهِ (مجمع البحار جلد اول ص۸)

بدعت دو قسم کی ہے ایک بدعت ہدیٰ اور دوسری بدعت ضلالت، بدعتِ ہدیٰ اس عموم میں داخل ہے جس کو شارع نے مستحب کیا اور اس پر ترغیب دلائی تو وعدہ اجر کی وجہ سے اس پر مذمت نہ کی جائے گی۔ بوجہ اس حدیث من سن سنۃ حسنۃ کے اور اس کی ضد من سن سنۃ سیئۃً کے اور دوسری قسم یعنی بدعت ضلالت وہ ہے جو مامور بہ کے خلاف ہے تو اس پر مذمت کی جائے گی اور انکار کیا جائے گا۔

ہماری نقل کی ہوئی عبارتوں سے واضح ہو گیا کہ علماء عظام وفقہاء کرام کے نزدیک بدعت کی دو قسمیں ہیں بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ پھر ان کی اپنی الگ الگ قسمیں ہیں بدعت حسنہ میں واجب، مستحب، مباح ہیں اور بدعت سیئہ میں حرام مکروہ شامل ہوئے۔ لہٰذا نہ ہر بدعت اچھی ہے اور نہ ہی ہر بدعت بری ہے اور مجمع البحار کی عبارت سے مزید قانون سامنے آیا کہ شریعت میں جس چیز کو مستحب قرار دیا گیا ہے اس کے عموم میں ہر وہ کام داخل ہو گا جو جائز و مستحب قسم کا ہو اور بدعت

سیئہ میں وہ چیزیں شامل ہوں گی جو مامور بہ کے خلاف ہوا اور اس کی مذمت وارد ہوئی ہو اب سیئہ میں حرام۔ مکروہ شامل ہو جائیں گے اور یہ قاعدہ حدیث کے عموم سے لیا گیا ہے۔ لہٰذا میلاد نبوی کے انعقاد کی محفلیں کم از کم بدعت حسنہ کے عموم میں شامل ہیں اور میلاد شریف منانے پر اجر کی امید ہے اور قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا کے عموم کے تحت بھی میلاد شریف کا منانا داخل ہے اور میلاد شریف کے منانے کو حرام و مکروہ کہنے والے کو چاہیئے کہ وہ اس کے حرام و مکروہ ہونے پر ایسی مستقل دلیل پیش کریں جس میں مامور بہ کے خلاف ہونے پر بطور نص کے ثابت ہو اور یہ کام آج تک مخالفین سے نہ ہو سکا ہے اور نہ ہی کبھی ہو سکے گا۔

نتیجہ: اس طرح امر مستحسن کے ضمن میں ایصال ثواب کی تمام محفلیں آتی ہیں جیسے چھٹی شریف گیارھویں شریف۔ تیجہ۔ دسواں۔ چالیسواں بزرگ علماء و اولیاء کرام کے عرس اور لیلۃ القدر اور شب برأت اور معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم منانے کے پروگرام نیز محرم الحرام کا یوم عاشورہ کا انعقاد یہ سب امور مستحسنہ میں شامل ہیں اور بدعت حسنہ اور ایصال ثواب کے حصے ہیں۔

ہماری تقسیم بدعت جو بیان کی گئی ہے گمراہی نہیں ہے بلکہ حدیث سے ثابت ہے ملاحظہ کریں۔

مَنِ ابْتَدَعَ بِدْعَةً ضَلَالَةً لَا يَرْضَاهَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ كَانَ عَلَيْهِ مِنَ الْاِثْمِ مِثْلُ آثَامِ مَنْ عَمِلَ بِهَا لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ اَوْزَارِهِمْ شَيْئًا ۔ (رواہ الترمذی، مشکوۃ شریف ص۳۰)

یعنی جو شخص گمراہی کی بدعت پیدا کرے جس سے اللہ و رسول راضی نہیں ہیں بقدر ان لوگوں کے گناہوں کے جو بدعت پر عمل کریں اس کے ایجاد کرنے والے پر گناہ ہے اور ان کے گناہوں سے بھی کچھ کم نہ ہوگا۔

اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ جس بدعت کے ساتھ خداوند کریم اور رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ناراضگی کی قید لگی ہوئی ہے اس سے صرف بدعت ضلالت مراد ہے یعنی بری بدعت مراد ہے مطلق بدعت کو ضلالت و گمراہی نہیں کہہ سکتے ہیں۔

اسی مقصد کے موافق شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی بھی تشریح ہے۔ کسے کہ بدعت پیدا کند بدعت ضلالت کہ راضی نیست ازاں خدا و رسول خدا بخلاف بدعت حسنہ کہ دروے مصلحت دین تقویت

وترویج آں باشند۔ (اشعۃ اللمعات صفحہ ۱۱۶ ج ۱)

ترجمہ: جو کوئی بدعت ضلالت پیدا کرے جس سے خدا و رسول خدا علیہ الصلوٰۃ والتسلیم راضی نہیں ہیں بخلاف بدعت حسنہ کہ اس میں دینی مصلحت کی تقویت اور ترویج حاصل ہوتی ہے۔

اب مزید معلوم ہوا کہ میلاد وغیرہ کی محفلیں ہم اس لیے کرتے ہیں کہ ان چیزوں سے جو مقاصد حاصل ہوتے ہیں وہ بے اصل نہیں ہیں بلکہ ان پر دلائل موجود ہیں جن سے وہ ثابت ہیں مثلاً محفل میلاد سے ذکر و تعظیم رسول علیہ السلام مقصود ہے اور یہ مقصد دلائل سے ثابت ہے اسی طرح تیجہ۔ دسواں۔ چالیسواں۔ عرس وغیرہ امور کی محفلیں اس لیے ہم کرتے ہیں۔ کہ ان سے ایصالِ ثواب مقصود ہوتا ہے اور ایصال ثواب اہل سنت وجماعت کے نزدیک دلائل سے ثابت ہے۔ اور اچھے مقاصد کے ذرائع بھی اچھے ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان امور مستحسنہ کو بدعت ضلالت کہنا بجائے خود ضلالت و گمراہی کا فتویٰ ہے۔

شُبہ: ہر وہ چیز جو امور دینی میں سے نہ ہو اور لوگ اس کو امر دینی سمجھنے لگیں اس کو بدعت حقیقی اور بدعت شرعی کہتے ہیں اور یہ بدعت ہمیشہ مذموم ہی ہوتی ہے۔

(از: سیف یمانی صفحہ ۹ راہ سنت باب جنت رسالہ سنت و بدعت وغیرہا)

ازالۂ شبہ: ہم جواباً عرض کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو دینی کام ایجاد ہو گئے ہوں صرف اس کو ہی بدعت ضلالت کہنا۔ یہ فرقہ وہابیہ کا مشہور دھوکا ہے بلکہ ذاتی اختراع ہے کیونکہ مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا ھٰذَا مَالَیْسَ مِنْہُ فَھُوَ رَدٌّ جو شخص ہمارے اس امر میں کوئی نئی بات نکالے وہ مردود ہے۔

امرنا سے صرف دینی کام مراد لینا غلط ہے کیونکہ دوسری حدیث میں آیا ہے کُلُّ مُحْدَثٍ بِدْعَۃٌ۔ ہر نیا کام بدعت ہے اس حدیث میں کل محدثٍ آیا ہے جس کا مطلب ہے ہر نیا کام بدعت ہے چاہے دینی ہو یا دنیاوی ہو اور یہ حدیث کل محدثٍ بدعۃ فی امرنا والی حدیث کی تفسیر کرتی ہے اور اس کی تشریح پہلے گذر چکی ہے ہمارے بیان کردہ حوالے مرقات۔ شامی۔ اشعۃ اللمعات وغیرہا۔ میں بیان ہو گیا ہے کہ صرف دینی کام بدعت نہیں ہوتے ہیں بلکہ دنیاوی کام بھی بدعت ہوتے ہیں۔ فی امرنا ھٰذا سے اگر دینی کام ہی

مراد ہوں تو پھر دینی کاموں میں بہت سی چیزیں ایسی داخل ہو جائیں گی۔ جو نبی کریم علیہ السلام کے زمانہ میں تو نہ ہوں گی اور نہ ہی صحابہ کرام و تابعین و تبع تابعین کے زمانہ میں پائی گئی ہوں گی اس کے باوجود تم ان کاموں کو امور مستحسنہ اور کار ثواب سمجھو گے۔ جیسے قرآن پاک کو تیس پاروں میں تقسیم کرنا اور رکوعات۔ حرکات اعراب لگانا اور سنہری جلدوں کو بنوانا اور عمدہ ترین طباعت کرانا اور پریس کے ذرائع سے چھپوانا۔ احادیث مبارکہ کو کتابی شکل میں جمع کرنا۔ اور راویوں کی سندوں کو بیان کرنا اور احادیث پر تعدیل وجرح کرنا۔ صحیح و حسن ضعیف معضل۔ مدلس وغیرہا قسموں میں احادیث کو درجے دے دینا۔ گویا کہ اصولِ حدیث کا فن تو بالکل ہی قرونِ ثلٰثہ کے بعد وجود میں لایا گیا تھا۔

فقہ: فقہ جو کہ چار مذاہب حنفی۔ شافعی۔ مالکی۔ حنبلی کے تیار کردہ شرعی قوانین ہیں اور دنیا بھر میں ان پر عمل ہو رہا ہے لیکن قرونِ ثلاثہ میں بالکل ان کی موجودہ ہیئت کذائیہ۔ تفصیلی صورت موجود نہیں تھی۔ اسی طرح اصول فقہ کی ہیئت کذائیہ اس کے قواعد و ضابطے اور تصانیف پورا فن قرونِ ثلاثہ میں نہیں تھا نماز کی نیت زبان سے کرنا بھی قرون ثلاثہ میں نہیں تھا۔

جماعت تراویح پر ہمیشگی کرنا بھی بدعت ہے کیونکہ حضرت امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود ہی حکم دیتے ہیں کہ تراویح کو با جماعت ادا کریں اور خود ہی ارشاد فرماتے ہیں۔ نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ یہ بڑی اچھی بدعت ہے۔ حج کا فریضہ بذریعہ ٹرین۔ ہوائی جہازوں اور بحری جہازوں اور موٹر گاڑیوں کے ذرائع سے سفر کر کے ادا کرنا بھی کار ثواب میں شامل ہیں حالانکہ یہ سب ذرائع قرون ثلاثہ میں نہیں تھے اسی طرح آلات حرب موجودہ سائنسی ٹیکنالوجی دور کا اسلحہ میزائل۔ ٹینک۔ راکٹ۔ مختلف قسم کے بم زہریلے اسلحے وغیرہا یہ سب چیزیں قرون ثلاثہ میں ان کا نام ونشان نہ تھا اس کے باوجود ان کا استعال کرنا اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ کے ضمن میں داخل ہوتے ہیں بلکہ ان ذرائع کو استعال کرنا اور ان میں کمال و برتری حاصل کرنا مسلمانوں پر فرض بنتا ہے تاکہ عالم اسلام اور اسلام کا تحفظ کر سکیں۔ بدعت بدعت کی رٹ لگانے والے تحقیق سے کام لیں اور وہ اپنے بڑوں کی کمزوریوں کی پیروی نہ کریں اور ہر جدید دور کی نزاکتوں اور ضروریات کو محسوس کر کے اہل اسلام اور اسلام کے تحفظ کے لیے اجتماعی قوت سے سوچیں۔ اسی طرح چاروں سلسلے

قادریہ۔ نقشبندیہ۔ چشتیہ۔ سہروردیہ وغیرہا۔ یہ بالکل ہی اپنے ناموں کے ساتھ قرون ثلاثہ میں موجود نہیں تھے حالانکہ دنیا بھر کے اکثر اولیاء کرام و علماء عظام علیہم الرحمۃ ان سلسلوں کے ساتھ وابستہ رہے ہیں اور یہ سب سلسلے حق و صواب ہیں۔

نوٹ: دنیا بھر میں آج کل ترقی وارتقاء کا زور ہے مادیات کا عروج ہے مواصلات کے ذرائع معاشرتی ذرائع معاشی وسائل ہر نئے دور کی عالمی سیاست کا شعور وغیرہا۔ امور ترقی پہ جارہے ہیں کوئی انسان ایسا نظر نہیں آئے گا کہ وہ ان ذرائع میں سے کچھ نہ کچھ چیز استعمال میں نہ لاتا ہو چاہے دنیاوی کاموں کے لیے استعمال کریں یا دینی کاموں کے لیے استعمال کریں، حالانکہ یہ ذرائع ہیئت کذائیہ اور موجودہ صورتحال کے ساتھ قرون ثلاثہ میں موجود نہیں تھے۔ بلکہ اسلام کے نشر و اشاعت کے لیے اکثر یہ چیزیں استعمال ہورہی ہیں اور سب ہی ان کو اچھا سمجھ کر استعمال کرتے رہتے ہیں اور اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ اور عملوں کے ثواب کا دار و مدار نیت پر ہے اور مَارَاٰهُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللهِ حَسَنٌ جس کسی چیز کو ایمان والے اچھا خیال کریں اور جس چیز کو مومن اچھے سمجھتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی اچھی ہے حدیث میں آیا ہے کہ میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی۔ ان احادیث سے یہ فائدہ نکلا کہ ایمان والے جس چیز کو اچھا جانیں اور اس پر اکٹھے ہوجائیں اور اچھی نیت سے کار ثواب سمجھ کر اسے کریں تو ایسے کام اچھے ہوں گے اور کار ثواب ہوں گے۔ لہٰذا مندرجہ بالا وہ تمام چیزیں اور اہل سنت و جماعت کے تمام معمولات سب امور مستحسنہ میں داخل ہیں ہم نے صاف کہہ دیا ہے کہ بدعت سیئہ وہی کام ہوسکتا ہے جو سنت و مامور بہ کے خلاف ہو اور کسی کام کو حرام و مکروہ ثابت کرنے کے لیے واضح دلیل ضروری ہے ورنہ بغیر کسی دلیل کے حرام و مکروہ کا فتویٰ لگانا حرام و مکروہ ہوگا۔ ملاحظہ ہو ردالمحتار کی عبارت۔

بِاَنَّهَا مَا اُحْدِثَ عَلٰى خِلَافِ الْحَقِّ الْمُتَلَقّٰى عَنْ رَّسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عِلْمٍ اَوْ عَمَلٍ اَوْ حَالٍ بِنَوْعِ شُبْهَةٍ وَّاسْتِحْسَانٍ وَّجَعْلَ دِيْنًا قَوِيْمًا وَّصِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا (شامی ص ۳۹۳ جلد اول)

ترجمہ: بدعت اس نئی ایجاد کی ہوئی چیز کو کہتے ہیں جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے حاصل کی ہوئی شریعت کے مخالف ہو۔ ایجاد کی ہوئی چیز عام ہے عقیدہ ہو یا عمل یا حال اور یہ مخالفت کسی شبہ اور استحسان کی وجہ

سے ہو۔

معلوم ہوا کہ بری بدعت وہی ہوسکتی ہے جو سنّت کے خلاف ہو اور اس کو دین کا حصّہ سمجھا گیا ہو۔ بلاشک اہل سنت وجماعت کے معمولات بے اصل و بے دلیل نہیں ہیں اور نہ ہی کسی سنت کے رافع ہیں۔ لہٰذا میلاد و معراج وغیرہا معمولات کا انعقاد بدعت سیئہ میں شامل نہیں ہیں اور ہم ان امور مستحسنہ کو عبادت سمجھ کر نہیں کرتے ہیں۔ بلکہ کارخیر و ثواب سمجھ کر کرتے ہیں دونوں باتوں میں بڑا فرق ہے اہتمام ثواب حاصل کرنے کی خاطر کرتے ہیں نہ کہ عبادت سمجھ کر اہتمام کیا جاتا ہے ہم ان معمولات کو اعتقاد و عبادت کے طور پر نہیں کرتے ہیں بلکہ باعث ثواب سمجھ کر کرتے ہیں۔

سوال: حضرت سیدنا امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ کے قول میں نعمت البدعۃ ہذہ۔ صلوٰۃ تراویح جماعت کے ساتھ ادا کرنے کو مشاہدہ فرماکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ اچھی بدعت ہے اس قول میں بدعت سے بدعت لغوی مراد ہے۔

جواب: اس قول میں بدعت سے بدعت لغوی مراد لینے پر دلیل کی ضرورت ہے۔ دعوی بلادلیل قابلِ سماعت نہیں ہوتا ہے۔ ہم اس قول میں بدعت سے بدعت شرعیہ مراد لیتے ہیں۔ اس کی تائید ہم شارحین حدیث سے پیش کرتے ہیں۔ صحیح بخاری کے معتبر شارحین علامہ قسطلانی اور علامہ ابن حجر نے اپنی شرحوں میں بالاتفاق وضاحت کی ہے کہ اس قول میں بدعت لغوی مراد نہیں ہے بلکہ بدعت شرعی مراد ہے ملاحظہ ہو سَمَّاهَا بِدْعَةً (۱) لِاَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَسُنَّ لَهُمُ الْاِجْتِمَاعَ لَهَا (۲) وَلَا كَانَتْ فِيْ زَمَنِ الصِّدِّيْقِ (۳) وَلَا اَوَّلَ اللَّيْلِ (۴) وَلَا كُلَّ لَيْلَةٍ (۵) وَلَا هٰذَا الْعَدَد

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تراویح کو جماعت کے ساتھ ادا کرنے کو (پانچ وجہ سے) بدعت کہا ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے اجتماع (باجماعت) تراویح کو مسنون نہیں ٹھہرایا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ نہ ہی جماعت تراویح حضرت صدیق اکبر کے زمانہ میں تھی۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ نہ رات کے پہلے حصہ میں یہ نماز تھی۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ نہ ہی ساری رات تراویح تھیں۔

پانچویں وجہ یہ ہے کہ نہ ہی یہ عدد تھا۔

وَالْبِدْعَةُ وَاجِبَةٌ وَّمَنْدُوْبَةٌ وَّمُبَاحَةٌ وَّمَكْرُوْهَةٌ وَّمُحَرَّمَةٌ وَّحَدِيْثُ كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ مِّنَ الْعَامِّ الْمَخْصُوْصِ وَقَدْ رَغَّبَ فِيْهَا بِهَا عُمَرُ بِقَوْلِهٖ (نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هَاذِهٖ) وَهِيَ كَلِمَةٌ تَجْمَعُ الْمَحَاسِنَ كُلَّهَا كَمَا اَنَّ بِئْسَ تَجْمَعُ الْمَسَاوِيَ كُلَّهَا۔

اور بدعت واجب۔ مستحب۔ مباح۔ مکروہ اور حرام قسم کی ہوتی ہے اور حدیث ہر بدعت گمراہی ہے اس حدیث سے عام مخصوص (سیئہ) مراد ہے اور نعمت البدعۃ کا کلمہ تمام محاسن کو شامل ہے جیسے بئس کا کلمہ تمام برائیوں کو شامل ہوتا ہے عبارت مذکورہ سے صاف ظاہر ہو گیا کہ قولِ عمر رضی اللہ عنہ میں بدعت سے بدعت شرعی مراد ہے اور پانچ وجہوں سے بدعت شرعی کو بیان کیا ہے اور یہ سب وجہیں شرعی امور سے متعلق ہیں لغت سے متعلق نہیں ہیں۔ قسطلانی اس مقام پر ملاحظہ ہو۔ جزء ثالث۔ ابن حجر رحمہ نے فتح الباری جزء رابع میں فرماتے ہیں اس حدیث کے متعلق۔

اَلْبِدْعَةُ اَصْلُهَا مَا اُحْدِثَ عَلٰى غَيْرِ مِثَالٍ سَابِقٍ، وَفِي الشَّرْعِ مُقَابِلُ السُّنَّةِ فَتَكُوْنُ مَذْمُوْمَةً ۔ وَالتَّحْقِيْقُ اَنَّهَا اِنْ كَانَتْ مِمَّا تَنْدَرِجُ تَحْتَ مُسْتَحْسَنٍ فِي الشَّرْعِ فَهِيَ حَسَنَةٌ وَاِنْ كَانَتْ مِمَّا تَنْدَرِجُ تَحْتَ مُسْتَقْبَحٍ فِي الشَّرْعِ فَهِيَ مُسْتَقْبَحَةٌ وَاِلَّا فَهِيَ مِنْ قِسْمِ الْمُبَاحِ وَقَدْ تَنْقَسِمُ اِلَى الْاَحْكَامِ الْخَمْسَةِ۔

بدعت اصل میں وہ چیز ہے جو بغیر سابق مثال کے پیدا کی گئی ہو اور شرع میں سنت کے مقابل بدعت ہوتی ہے۔ تو یہ بدعت مذمومہ ہو گئی اور تحقیق یہ ہے کہ بدعت اگر شرع کے مستحسن میں داخل ہو تو وہ بدعت حسنہ ہے اور اگر بدعت شرع کے قبیح میں داخل ہو تو وہ بدعت مستقبحہ (بری) ہے ورنہ پس وہ مباح کی قسم سے ہے اور بدعت پانچ قسموں کی طرف تقسیم ہوتی ہے معلوم ہوا کہ قولِ عمرؓ میں بدعت سے بدعت شرعیہ مراد ہے اور ہر بدعت گمراہی و بری نہیں ہوتی ہے بلکہ بدعت کی پانچ قسمیں ہیں۔ قسطلانی باب امامۃ المفتون والمبتدع کے تحت بدعت لغوی اور شرعی کی تعریف یوں

کرتے ہیں۔

وَالْبِدْعَةُ لُغَةً كُلُّ شَيْءٍ عُمِلَ عَلٰى غَيْرِ مِثَالٍ سَابِقٍ وَّشَرْعًا اِحْدَاثُ مَا لَمْ يَكُنْ لَّهٗ اَصْلٌ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهِيَ عَلٰى قِسْمَيْنِ بِدْعَةُ ضَلَالَةٍ وَّهِيَ الَّتِيْ ذَكَرْنَا وَبِدْعَةٌ حَسَنَةٌ وَّهِيَ مَا رَاٰهُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَسَنًا وَّلَا يَكُوْنُ مُخَالِفًا لِّلْكِتَابِ اَوِالسُّنَّةِ اَوِالْاَثَرِ اَوِالْاِجْمَاعِ وَالْمُرَادُ هُنَا الْبِدْعَةُ الضَّلَالَةُ ۔

بدعت لغت میں ہر وہ شئی ہے جو بغیر سابق مثال کے اس پر عمل کیا گیا ہو. شرع میں ایسی چیز کو پیدا کرنا جسکی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اصل نہ ہو اور بدعت دو قسم ہے بدعت ضلالت یہ وہ ہے جو ہم نے ذکر کر دی ہے اور بدعت حسنہ یہ وہ ہے جس کو ایمان والے اچھا جانیں اور وہ کتاب یا سنت یا اثر یا اجماع کے خلاف نہ ہو اور مراد یہاں بدعت ضلالت ہے۔

معلوم ہوا کہ ہر بدعت ضلالت نہیں ہوتی ہے بلکہ بعض بدعت حسنہ بھی ہوتی ہے اور بدعت حسنہ کتاب و سنت واثر واجماع سے ٹکراتی نہیں ہے اور بدعت لغوی ویسے بھی مراد نہیں ہو سکتی ہے اس لیے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے تراویح گھر پر پڑھی تھی. اور یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دور میں بھی ایسا ہی ہوتا رہا. نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مواظبت کے خلاف امر کو بدعت لغویہ نہیں کہہ سکتے ہیں بلکہ تراویح کا باجماعت اجراء امر شرعی ہے امر لغوی نہیں ہے اگر رمضان میں تراویح کی جماعت اور صلوٰۃ تراویح رمضان میں بدعتِ شرعیہ نہ تھی تو پھر علماء کا اختلاف کیوں واقع ہوا اور تعداد رکعات میں اختلاف کیوں ہوا اور طریقۂ ادا میں اختلاف کیونکر ہوا. اگر تراویح سے متعلق سب امور سنت ثابتہ تھیں تو تراویح و طریقۂ ادا اور تعداد رکعات میں اختلاف واقع نہ ہوتا بلکہ سب کا اتفاق ہوتا اور اس طرح نہ ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نعمت البدعۃ ہاتہ کہنے کی ضرورت پیش آتی۔

زرقانی شرح موطا جزو اول میں صـ ۲۱۴ میں نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ ہَاتِہٖ پر فرماتے ہیں۔ وَهٰذَا تَصْرِيْحٌ مِّنْ عُمَرَ بِاَنَّهٗ اَوَّلُ مَنْ جَمَعَ النَّاسَ فِيْ قِيَامِ رَمَضَانَ عَلٰى اِمَامٍ وَّاحِدٍ، لِاَنَّ الْبِدْعَةَ

مَا ابْتَدَأَ بِفِعْلِهَا الْمُبْتَدِعُ وَلَمْ يَتَقَدَّمْهُ غَيْرُهُ فَابْتَدَعَهُ عُمَرُ وَتَابَعَهُ الصَّحَابَةُ وَالنَّاسُ اِلٰى هَلُمَّ جَرًّا۔ وَهٰذَا يُبَيِّنُ صِحَّةَ الْقَوْلِ بِالرَّاْيِ وَالْاِجْتِهَادِ فَسَمَّاهَا بِدْعَةً۔ اِنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَسُنَّ الْاِجْتِمَاعَ لَهَا، وَلَا كَانَتْ فِي زَمَنِ الصِّدِّيْقِ وَهُوَ لُغَةً مَا اُحْدِثَ عَلٰى غَيْرِ مِثَالٍ سَبَقَ، وَتُطْلَقُ شَرْعًا عَلٰى مُقَابِلِ السُّنَّةِ وَهُوَ مَالَمْ يَكُنْ فِي عَهْدِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ تَنْقَسِمُ اِلَى الْاَحْكَامِ الْخَمْسَةِ وَحَدِيْثُ كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ عَامٌّ مَخْصُوْصٌ۔ حضرت عمر کا قول تصریح ہے کہ سب سے پہلے لوگوں کو قیام رمضان میں ایک امام پر آپ نے جمع فرمایا تھا۔ کیونکہ بدعت وہ امر ہے جسے ایجاد کرنے والا اس کا فعل شروع کرے اور اس سے پہلے اس فعل کو دوسرے کسی نے نہ کیا ہو۔ قیام رمضان ایک امام پر جمع کرنے کا فعل صرف آپ ہی نے کیا تھا آپ کے بعد صحابہ کرام اور دوسرے لوگ اب تک کرتے آرہے ہیں یہ واضح کرتا ہے کہ آپ کی رائے اور اجتہاد درست ہے اسی لیے آپ نے اسے بدعت نام دیا کیونکہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے تراویح کے لیے اجتماع کو سنت نہیں فرمایا تھا اور نہ زمانہ صدیق میں ایسا ہوا اور لغت میں بدعت وہ ہے جو سابق مثال کے بغیر ایجاد ہو اور بدعت کا اطلاق شرع میں سنت کے مقابل پر ہوتا ہے یہ وہ ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ ہو۔ پھر بدعت پانچ احکام کی طرف تقسیم ہوتی ہے اور حدیث کل بدعۃ ضلالۃ عام مخصوص ہے کُلُّ مُحْدَثَۃٍ بِدْعَۃٌ کے بارے میں امام ابی صحیح مسلم جز ثالث ۱۵۳ میں فرماتے ہیں۔

مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهٗ اَجْرُهَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ الخ والی حدیث مُخَصِّصْ ہے وَهٰذَا الْحَدِيْثُ مُخَصِّصٌ لِعُمُوْمِ حَدِيْثِ، كُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهٗ اَجْرُهَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا الخ والی حدیث مخصص ہے اس حدیث کے عموم کے لیے کُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ اور دونوں مُحْدَثوں مَنْ سَنَّ سُنَّةً سَيِّئَةً اور کُلُّ مُحْدَثَۃٍ سے مراد ہی بِدَعٌ، المحدثات الباطلة. مُحْدَثَاتِ باطلہ مراد ہیں اور وَيَدْخُلُ فِيْ حَدِيْثِ مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً الْبِدَعُ الْمُسْتَحْسَنَةُ اور مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً سے تمام نئی مستحسن چیزیں

مراد ہیں۔

معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بدعت شرعیہ مراد لی ہے اور ہر بدعت ضالہ نہیں ہوتی ہے جب تک کہ بدعت خلاف کتاب و سنت اور خلاف اثر و اجماع نہ ہو اور رافع سُنّت نہ ہو اور نہ اس کی اصل ہو نہ وہ اشارۃً مستنبط ہو۔

سوال: جو کام نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے نہ کیا ہو اور نہ آپ سے اس طرح کا فعل ثابت ہو جس طرح تم کرتے ہو تو اس طرح کرنا حرام ہے ضلالت ہے۔

جواب: اہل بدعت۔ بدعت کی جامع تعریف سے عاجز ہیں آج تک بدعت کی تعریف پر آخری فیصلہ نہ کر سکے اسی لیے کئی تاویلیں اور کئی طرح کی قیدیں اپنی طرف سے اضافہ کرتے رہتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جس جس چیز کو وہ بدعت و حرام کہہ دیتے ہیں جو واقع کے خلاف ہو تو اپنی خواہش کی پیروی کرتے ہوئے بدعت کی طرف داری میں قیدیں بڑھانے میں مصروف رہتے ہیں جو لوگ مسلمانوں کے خیر خواہی کے راستے تنگ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے راستے تنگ فرما دیتا ہے۔

یاد رہے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جب کسی شئ کو ترک فرمایا ہے تو اس کی کئی وجہیں ہوتی ہیں کبھی کسی شئ کو ترک کرنا عادت کے طور پر تھا۔ جیسے ضب (گوہ) کے کھانے کو ترک فرمایا کبھی ترک نسیان کی وجہ سے تھا۔ جیسے صلوٰۃ میں سہو کا واقع ہو جانا تھا اور کبھی ترک کرنا کسی امر کو اس خوف کی وجہ سے تھا کہ کہیں یہ امر امت پر فرض نہ ہو جائے۔ جیسے صلوٰۃ تراویح کا ترک تھا اور کبھی ترک عدم فکر کی وجہ سے تھا۔ جیسے جمعہ کا خطبہ آپ کھجور کے تنے کے ساتھ ٹیک لگا دیا کرتے تھے اس لیے کہ آپ کی توجہ منبر بنانے کی طرف نہ تھی پھر اس پر صحابہ کرام کے عرض کرنے پر اجازت دے دی تھی اور کبھی ترک فعل اس لیے واقع ہوا تھا کہ بعض صحابہ کرام کے قلوب میں تغیر واقع ہونے کا خوف محسوس فرماتے تھے جیسے آپ کا حضرت عائشہ صدیقہ سے فرمانا۔ لَوْلَا حَدَاثَةُ قَوْمِكِ بِالْكُفْرِ لَنَقَضْتُ الْبَيْتَ ثُمَّ بَنَيْتُهُ عَلٰى أَسَاسِ اِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَمَا فِي الصَّحِيْحَيْنِ۔ اگر تیری قوم کفر (چھوڑنے) پر نئی نہ ہوتی تو میں کعبہ کو توڑ دیتا پھر اس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد پر تعمیر کرتا۔

اب ظاہر ہے کہ صرف ترک امر تنہا اس بات پر دلیل نہیں کہ وہ کام حرام تھا۔ یا اس کو حرام کرنا مطلوب تھا بلکہ ترک امر کے ساتھ ساتھ نص دلیل قطعی بھی ضروری ہے جو دلالت کرے کہ امر متروک شرعاً محظور و ممنوع ہے ورنہ صرف ترکِ امر حرام ہونے پر حجّت نہیں بن سکتا ہے۔ بلکہ ترک شئ سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس فعل کا ترک مشروع وجائز ہے۔ ترک مفید تحریم نہیں ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

وَمَا اٰتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۔

اور جو تمہیں رسول دیں تو اسے لو اور جس سے تم کو روکیں تو باز رہو

معلوم ہوا کہ ممنوع وہی چیز ہوگی جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روکیں گے ورنہ نہیں۔ اور اس آیت میں یہ نہیں آیا وَمَا تَرَكَهُ فَانْتَهُوْا اور جس چیز کو وہ چھوڑ دیں اس سے باز رہو نہی اور ترک ہیں فرق ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَمَرْتُكُمْ فَأْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَمَا نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ فَاجْتَنِبُوْا فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جس چیز کا تمہیں حکم کروں اس کو کرو جتنی طاقت رکھ سکو اور جس چیز سے روکوں تو بچو

معلوم ہوا کہ حرام ہونے کے لیے نہی کا آنا ضروری ہے اور اس میں یہ نہیں آیا وَمَا تَرَكْتُهُ فَاجْتَنِبُوْهُ جس کام کو چھوڑ دوں اس سے بچو۔ معلوم ہوا کہ صرف ترکِ شئ تحریمِ شئ پر دلالت نہیں کرتا ہے

(۳) اصول فقہ میں آیا ہے کہ سنت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول، فعل، تقریر کو کہتے ہیں۔ لیکن کسی سنت کے بارے یہ نہیں آیا کہ نبی کا ترک بھی سنت ہے اور یہ ترک تحریم پر دلالت کرتا ہے۔

(۴) ترک کئی انواع کا احتمال رکھتا ہے سوائے تحریم کے - امام شافعیؒ نے فرمایا كُلُّ مَالَهُ مُسْتَنَدٌ مِّنَ الشَّرْعِ فَلَيْسَ بِبِدْعَةٍ وَّلَوْ لَمْ يَعْمَلْ بِهِ السَّلَفُ، جس چیز کی سند شرع سے ہو وہ بدعت نہیں ہوتی اگرچہ اس کا عمل سلف نے نہ کیا ہو۔

ترک کی تفصیل ذکر ہو چکی ہے اور نہی کی تعریف یہ ہے

وَمِنْهُ النَّهْيُ وَهُوَ قَوْلُهُ اَيِ الْقَائِلِ لِغَيْرِهٖ عَلٰى سَبِيْلِ الْاِسْتِعْلَاءِ لَا تَفْعَلْ (از نور الانوار)

اور خاص کی قبیل سے نہی بھی ہے اور کسی کا دوسرے کو تعلی کے طور پر لا تفعل (نہ کر) کہنا نہی کہلاتا ہے جس طرح امر کا صیغہ کئی معنوں کے لیے آتا ہے ایسے ہی نہی کا صیغہ بھی کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے اس کی تفصیل اصول فقہ میں ہے بہرحال ترک محض نہی نہیں ہے۔ لہذا کسی شئ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا محض ترک کر لینا شرعاً ممنوع نہیں ہو سکتا ہے جب تک آپ منع نہ فرمائیں۔

مسئلہ بدعت و بیس تراویح از نواب صدیق حسن خان (غیر مقلد اہلحدیث)

اور جو کام اصل اس کی یا مثل اس کے اصل شریعت سے ثابت ہے۔ گو وہ کام بعینہٖ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہ ہوا ہو وہ بدعت نہیں، حکماً سنت میں داخل ہے جیسے ۲۰ رکعت تراویح کی جماعت۔ (تمیمۃ الصبی فی ترجمہ اربعین من احادیث النبی صلے اللہ علیہ وسلم)

مذکورہ عبارت سے معلوم ہو گیا کہ ہر وہ کام جو بعینہٖ اور بہیئتہٖ کذائیہ موجودہ صورت میں حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہ ہو لیکن اس کی اصل یا مثل اس کے اصل شریعت سے ثابت ہو تو وہ کام سنت میں حکماً داخل ہے بدعت سیئہ نہیں ہے لہٰذا مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً الخ حدیث اصل شرعی ہے ہر امر خیر کے لیے اور ہر امر خیر گو بعینہٖ زمانہ حضور نبی کریم صلی اللہ وآلہ وسلم میں نہ ہو وہ اس حدیث کے تحت حکماً سنت ہے شرعاً ممنوع نہیں ہے

حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَعْظَمَ الْمُسْلِمِيْنَ فِي الْمُسْلِمِيْنَ جُرْمًا مَنْ سُئِلَ عَنْ شَيْئٍ لَمْ يُحَرَّمْ عَلَى النَّاسِ فَحُرِّمَ مِنْ اَجْلِ مَسْئَلَتِهٖ متفق علیہ

از مسلم و بخاری و مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مسلمانوں میں سب سے بڑا مجرم وہ شخص ہے جو کسی ایسی چیز کے متعلق پوچھ گچھ کرے جو لوگوں پر حرام نہ کی گئی تھی۔ اس کی پوچھ گچھ کی وجہ سے حرام کر دی گئی۔

معلوم ہوا کہ اصل میں چیز حرام نہ تھی بلکہ حلال و مباح تھی۔ اگر اصل میں حرام یا ناجائز ہوتی تو پوچھنے کو حرام کرانے کا سبب کیوں اس حدیث میں ٹھہرایا گیا ہے تو واضح ہو گیا کہ اصل میں چیزیں حلال و

مباح ہوتی ہیں جب تک اس پر کوئی حرمت والی دلیل شریعت میں وارد نہ ہو۔ اس حدیث پر یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ یہ حدیث باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ کے تحت لائی گئی ہے۔ لہٰذا اس سے مراد وہی چیز ہے جو کتاب وسنت سے اسکی اباحت ثابت ہو۔ کیونکہ اعتصام بہ کتاب وسنت کے تحت حدیث کے لانے کا یہ مطلب نہیں کہ جو چیز پہلے کتاب وسنت سے ثابت تھی۔ پھر سوالات کے باعث حرام کردی گئی۔ بلکہ اعتصام بالکتاب وسنت کا تعلق حدیث کے اس مضمون سے ہے کہ جو چیزیں حرام نہیں کی گئی ہیں ان کو سوال کے ذریعے حرام نہ کرائی جائیں یہی کتاب وسنۃ کا اعتصام ہے اور وہ چیزیں اصل میں جائز ومباح ہیں کیونکہ اس کی تفسیر دوسری آیت میں آئی ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَاءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ وَاِنْ تَسْئَلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلَ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا

اے ایمان والو ان چیزوں کے متعلق نہ پوچھو کہ جو اگر تم پر ظاہر کردی جاویں تو تمہیں ناگوار ہوں اور اگر تم ان کی بابت پوچھوگے جبکہ قرآن اتر رہا ہے تو تم پر ظاہر کردی جاویں گی۔ اللہ نے ان کی معافی دے دی یعنی جن چیزوں کو قرآن نے ذکر نہیں کیا ہے وہ معافی کے مرتبہ میں ہیں یعنی حلال ومباح کے درجہ میں ہیں۔ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا کے قانون کے تحت مسکوت عنہا چیزوں میں داخل ہوں گی۔

اگرچہ عام اہل حدیث توقف کے قائل ہیں لیکن ان کی اپنی مرضی کا مسلک ہے ہم ان کے مسلک کے بارے اتنا کہیں گے کہ اکثر اصحاب حنفیہ اور اکثر اصحاب شافعیہ کا موقف زیادہ درست ہے جو اصل اشیاء میں اباحت وحلت کے قائل ہیں اور یہ ہم نقل کرچکے ہیں کہ حرمت وحلت کی دلیل ونص کا وارد نہ ہونا ہی تخییری حکم کے تحت داخل ہوکر مباح قرار دیا جاتا ہے۔

حدیث بالا کی شرح دوسری حدیث میں موجود ہے۔

الحلال مَا اَحَلَّ اللّٰهُ فِىْ كِتَابِهٖ وَالْحَرَامُ مَاحَرَّمَ اللّٰهُ فِىْ كِتَابِهٖ وَمَاسَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ مِمَّا عَفٰى۔ حلال وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں حلال فرمادے وہ حلال ہے اور حرام وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حرام فرمایا اور جس سے خاموشی ہو وہ معاف ہے

معلوم ہوا کہ جن اشیاء کو قرآن وسنت میں ذکر نہیں کیا گیا وہ معاف و حلال ہیں اور اسکو اباحت اصلیہ بھی کہتے ہیں

نیل الاوطار جلد ۸ صد ۱۱۳ میں الفاظ اس طرح نقل ہیں وَهُوَحَلَالٌ فَلَا يَزَالُوْنَ يَسْأَلُوْنَهٗ عَنِ الشَّيْئِ حَتّٰى يُحَرَّمَ عَلَيْهِمْ اور وہ چیز حلال ہوتی تھی۔ لوگ بار بار اس کے بارے میں سوال کرتے تو وہ ان پر حرام کر دی جاتی۔ ان الفاظ سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ سوال سے قبل حلت کے درجہ میں ہے بعد سوال ورود شرع کے باعث حرام کر دی گئی اور یہی ہمارا مدعیٰ ہے۔

یاد رہے وَمَا سَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ مِمَّا عَفٰى والی روایت میں ایک راوی سیف بن ہارون پر ضعیف ہونے کے ساتھ جرح کی جاتی ہے۔ حالانکہ راوی کے ضعف سے مضمون کا ناقابل عمل ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ یہ وہاں ہوگا جہاں مضمون صرف اور صرف راوی ضعیف کی روایت پر منحصر ہو اور اگر مضمون آیات واحادیث کی عبارت و دلالت اور اشارت وغیرہا سے ثابت ہو تو ضعف روایت ضعف مضمون پر دلالت نہیں کرے گا۔ اب وَمَا سَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ مِمَّا عَفٰى کا مضمون اور خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا اور آیت عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا اور قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْمَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا۔ اور مسئلہ اصل اشیاء میں اباحت اکثر حنفیہ وشافعیہ کے اتفاق سے ثابت ہے۔ لہٰذا اصل مضمون پر اعتراض نہیں ہو سکتا ہے اور حدیث ہذا تائید کر رہی ہے کہ مسکوت عنہ مباح و معاف ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ دلیل حرمت کا وارد نہ ہونا اباحت وحلت حکم تخییری میں شامل ہے

مسلم شریف میں بروایت جریر ابن عبد اللہ رضی اللہ عنہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ مَنْ سَنَّ فِي الْاِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهٗ اَجْرُهَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهٖ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّنْقُصَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْئٌ وَمَنْ سَنَّ فِي الْاِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّنْقُصَ مِنْ اَوْزَارِهِمْ شَيْئٌ۔ (مشکوٰۃ کتاب العلم)

ترجمہ: جو کوئی اسلام میں اچھا طریقہ ایجاد کرے تو اس کو ایجاد کا ثواب بھی ملے گا اور جتنے لوگ اس پر عمل کریں گے ان سب کا ثواب ملے گا۔ عاملین کے ثوابوں سے کچھ کم نہ ہو گا اور جو کوئی اسلام میں

براطریقہ ایجاد کرے تو اس پر اپنا گناہ بھی ہوگا اور جتنے لوگ اس پر عمل کریں گے۔ ان سب کا گناہ بھی اور ان عاملوں کے گناہ سے کچھ کم نہ ہوگا یہ حدیث بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ پر عبارۃً دلالت کر رہی ہے اور سند کے لحاظ سے بھی یہ حدیث معتبر ہے۔ اور اس حدیث کی وجہ سے علماء محققین اور فقہاء کرام نے بدعت کی پانچ قسمیں نکالی ہیں۔ جس کا ذکر تفصیلاً ہو چکا ہے اور اس حدیث کو ان ہی الفاظ سے قابل سند و استنباط ٹھہرایا ہے۔

نیز اس حدیث سے ظاہر ہے کہ بدعت حسنہ وہی قرار دی جائے گی جس کا ذکر قرآن و سنت میں نہ ہو اور بہ نیت حسنہ ہر امر خیر پر ثواب کا وعدہ بیان فرمایا گیا ہو۔ یہ حدیث اپنی عبارت میں عام ہے اس میں تخصیص کی گنجائش نہیں ہے اور اس حدیث کے عموم کو تسلیم کیا گیا ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ سے مراد بدعت سیئہ ہے جس پر وزر و سزا واقع ہوگی اور اس کی تفسیر حدیث کل بدعة ضلالة ہر بدعت گمراہی ہے تفسیر کر رہی ہے اور احادیث کے مضامین ایک دوسرے کی تفسیر بیان کرتے ہیں اور ایک دوسرے سے تکمیل اخذ کرتے ہیں اور بدعت سیئہ وہی ہے جو اصل شرعی کے تحت داخل نہ ہو۔ تفسیر ایسی نہیں ہونا چاہیئے جو اہل فکر و نظر علماء حق کے بیان کے خلاف ہو احادیث کا عموم اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کے احوال و اعمال یہ ظاہر کر رہے ہیں کہ حدیث مذکور سے جس میں بدعت حسنہ۔ و سیئہ کا ذکر ہے اس میں بدعت سیئہ سے وہی بدعت سیئہ مراد ہے جو اصل کلی شرعی کے تحت داخل نہ ہو۔ اور سنت۔ کا رافع و دافع ہو۔ یہی تطبیق و تحقیق قابل عمل ہے۔ باقی سب تصادم و تعارض ہیں۔

بخاری شریف کتاب الاعتصام بالکتاب والسنت میں ہے قَالَ عَبْدُ اللّٰہِ اِنَّ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ کِتَابُ اللّٰہِ وَاَحْسَنَ الْھَدْیِ ھَدْیُ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَشَرَّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُھَا۔

ترجمہ: عبداللہ نے فرمایا بیشک سب سے بہترین کلام اللہ کی کتاب (قرآن) ہے اور سب سے بہترین طریقہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ (سنت) ہے اور برے کام محدثات ہیں اور محدثات

کی تفسیر وتشریح امام بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی المتوفی ۸۵۵ھ عمدۃ القاری شرح بخاری میں ان الفاظ سے فرماتے ہیں۔

(مُحْدَثَاتُهَا) جَمْعُ مُحْدَثَةٍ وَالْمُرَادُ بِهٖ مَا اُحْدِثَ وَلَیْسَ لَهٗ اَصْلٌ فِی الشَّرْعِ وَسُمِّیَ فِیْ عُرْفِ الشَّرْعِ بِدْعَةً وَّمَا کَانَ لَهٗ اَصْلٌ یَّدُلُّ عَلَیْهِ الشَّرْعُ فَلَیْسَ بِبِدْعَةٍ

محدثات جمع محدثۃ کی ہے اور مراد محدث سے ہر وہ چیز ہے جو نئی پیدا کی گئی ہو اور اس کی اصل شرع میں نہ ہو اور اس کو شرع کے عرف میں بدعت کہا جاتا ہے اور جس چیز کی اصل ہو جس پر شرع دلالت کرتا ہو تو وہ چیز بدعت نہیں ہے

معلوم ہوا کہ مُحْدَث بدعت کو کہتے ہیں اور بدعت دو قسم پر ہے ایک وہ مُحْدَث جس کی اصل شرع میں نہ ہو اور اسے بدعت بھی کہتے ہیں اسی کو شر حدیث میں کہا گیا ہے اور جس محدث کی اصل شرع میں ہو وہ بدعت سیئہ ہی نہیں ہے۔ گو اس پر بدعت کا اطلاق ہو گا لیکن حدیث میں اس کو سنۃ حسنۃ کہا گیا ہے اور اس پر ثواب کا وعدہ فرمایا گیا ہے ۔

ایک شبہ کا ازالہ: فرماتے ہوئے صاحبِ عینی شرح بخاری میں فرمایا ہے کہ لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْیَاءَ سے معلوم ہوا کہ چیزوں کے بارے نہ پوچھا کرو۔ اور دوسری آیت میں آیا ہے فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ پس پوچھا کرو اہل علم سے اگر تم نہ جانتے ہو۔ تو اس تعارض کا دفعیہ کرتے ہوئے تطبیق شارح بخاری نے اس طرح فرمائی ہے

فَالتَّحْقِیْقُ اَنَّ الْمَاْمُوْرَ بِهٖ هُوَ مَا تَقَرَّرَ حُکْمُهٗ مِنْ وُّجُوْبٍ وَّنَحْوِهٖ وَالْمَنْهِیَّ هُوَ مَا لَمْ یَتَعَبَّدِ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ وَلَمْ یَتَکَلَّمْ بِحُکْمٍ فِیْهِ ۔ عینی شرح بخاری ج ۲۵ ص ۳۳

پس تحقیق یہ ہے کہ بیشک ماموریہ جس کا حکم دیا گیا ہے وہ وہی ہے جس کا حکم وجوب وغیرہ کا ثابت ہو اور جس سوال سے روکا گیا ہے یہ وہ امر ہے جس کو اللہ نے اپنے بندوں کے لیے عبادت نہ ٹھہرایا ہو اور نہ اس کا حکم بیان کیا ہو۔ ایک اور سوال کا جواب دیتے ہیں قَالَتِ السُّوَالُ عَنِ الشَّیْءِ بِحَیْثُ یَصِیْرُ سَبَبًا لِّتَحْرِیْمِ شَیْءٍ مُّبَاحٍ هُوَ اَعْظَمُ الْجَرَائِمِ لِاَنَّهٗ صَارَ سَبَبًا لِّتَضْیِیْقِ

الْاَمْرِ عَلٰی جَمِیْعِ الْمُسْلِمِیْنَ الخ

میں کہتا ہوں کہ سوال کسی شئ سے ایسے طور پر کہ ناکہ وہ شئ سبب بن جائے مباح شئ کے حرام کرانے کا تو یہ بڑا جرم ہے اس لیے کہ بیشک وہ سوال سبب بن گیا اس امر کے تنگی پیدا کرنے کے لیے سب مسلمانوں پر عبارت بالا سے واضح ہوا کہ شئ اصل میں مباح ہوتی ہے اور اس کی حرمت بعد میں آتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جس سوال سے روکا گیا ہے یہ اس چیز کے بارے ہے جس کو تقرب وعبادت نہیں ٹھہرایا گیا ہو۔ اور اس کا حکم بیان نہ کیا گیا ہو۔

ازالہ شبہ: بابُ اِثْمِ مَنْ دَعَا اِلٰی ضَلَالَۃٍ اَوْمَنْ سَنَّ سُنَّۃً سَیِّئَۃً بخاری [۲۵]

اس باب کے عنوان سے معلوم ہوا کہ سُنَّۃِ سَیِّئَہ وہی ہے جس کی ضلالت وگمراہی شریعت نے پہلے سے بیان کی ہو اور اس کی طرف دعوت دینا اثم وگناہ ہے۔ نہ یہ کہ از خود کسی سنت کو جاری کرنا مراد ہو۔ اس شبہ کا ازالہ یہ ہے کہ ہم نے بار بار اس لیے یہ قید لگائی کہ بدعت حسنہ یا سنت حسنہ سے وہی مراد ہے جو اصل کلی شرعی کے تحت داخل ہو اور رافع سنت ثابتہ نہ ہو۔ لہذا سنت حسنہ وہی ٹھہری جو دلالۃً یا اشارۃً کسی اصل کلی شرعی سے ثابت ہو۔ اس کے اجرا کرنے میں ثواب ہوگا۔ گو اس کا داعیہ اور محرک خیر القرون میں موجود نہ ہو بلکہ بعد کو پیش آیا ہو اور ادلہ اربعہ میں سے کسی دلیل کے تحت کسی طرح سے داخل ہو۔ (فافہم)

تو ایسے حال میں اجراء امر خیر کا بہ نیت خیر جائز اور مستحسن ہوگا اور اس اجراء کا ثواب ہوگا اور حسنہ کی قید سے ثابت ہوا کہ اصل شرعی کے تحت داخل ہونا سے بدعت حسنہ میں خود بخود حسن و خوبی آجاتی ہے۔ فتح الملہم شرح صحیح مسلم جلد دوم باب الترغیب فی قیام رمضان میں بدعت لغوی اور بدعت شرعی کی تعریف اس طرح کی گئی ہے۔

فَسَمَّاهَا بِدْعَۃً لِاَنَّہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمْ یَسُنَّ الْاِجْتِمَاعَ لَهَا وَلَا كَانَتْ فِیْ زَمَانِ الصِّدِّیْقِ وَهُوَ لُغَۃً مَا اُحْدِثَ عَلٰی غَیْرِ مِثَالٍ سَبَقَ وَتُطْلَقُ شَرْعًا عَلٰی مُقَابِلِ السُّنَّۃِ وَهِیَ مَالَمْ یَكُنْ اَصْلُہٗ فِیْ عَهْدِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثُمَّ تَنْقَسِمُ اِلَی الْاَحْكَامِ

الْخَمْسَةِ وَحَدِيْثُ كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ عَامٌّ مَّخْصُوْصٌ۔ (نعمت البدعة هٰذه)
میں صلوٰۃ قیام لیل کو اس لیے بدعت فرمایا کہ یہ اجتماع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صلوٰۃ لیل کے لیے مسنون نہیں فرمایا تھا اور نہ ہی یہ زمان صدیقی میں تھا اور یہ لغت میں اس چیز کو کہتے ہیں جو سابق مثال کے بغیر ایجاد کی گئی ہو۔ اور شریعت میں بدعت کا اطلاق سنّت کے مقابل پر ہوتا ہے اور یہ وہی ہے جس کی اصل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ ہو۔ پھر بدعت کی تقسیم۔ پانچ احکام پر ہوتی ہے اور حدیث کل بدعة ضلالة عام مخصوص ہے۔ آگے جاکر اس واقعہ میں بدعت کو بِدْعَةٌ حسنةٌ محمودةٌ قرار دیا ہے۔

فتح الملہم شرح صحیح مسلم کتاب الجمعۃ میں ایک مشہور حدیث کی شرح اس طرح موجود ہے۔

اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللهِ وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَشَرَّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ

ترجمہ: اما بعد بیشک بہتر حدیث کتاب اللہ ہے اور بہترین طریقہ طریقۂ محمد ہے صلی اللہ علیہ وسلم اور برے کاموں میں مُحْدَثَات امور ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے

(وَشَرَّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا) بفتح الدال فَاِنَّ الْمُرَادَ بِهَا الَّتِيْ لَيْسَ لَهَا فِي الشَّرْعِ اَصْلٌ تَشْهَدُ لَهَا بِالصِّحَّةِ وَالْجَوَازِ اور برے کام محدثات ہیں ہیں محدثات دال کے فتحہ سے ہے بیشک مراد محدثات سے وہ ہیں جن کی اصل شرع میں نہ ہو جو ان امور محدثہ کی صحت وجواز کی شہادت دیتی ہو یعنی البدع الاعتقادية والقولية والفعلية یعنی امور محدثہ سے مراد وہ نئے عقائد اور بدعت قولی اور بدعت فعلی ہیں۔

وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ الخ قَالَ عَلِيُّ الْقَارِيْ فِي الْاَزْهَارِ اَيْ كُلُّ بِدْعَةٍ سَيِّئَةٍ ضَلَالَةٌ لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ مَنْ سَنَّ فِي الْاِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهٗ اَجْرُهَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا۔ اور كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ الخ کے بارے علی القاری نے ازہار میں فرمایا۔ یعنی ہر بدعت سیئہ ضلالت ہے بوجہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد کے جس نے اسلام میں اچھا طریقہ

نکالا تو اس کا اجر اور اس پر عمل کرنے والوں کا اجر اسکو ملے گا۔

مزید قدرے آگے امام نووی کا یہ قول پیش کیا گیا۔

قَالَ النَّوَوِيُّ اَلْبِدْعَةُ كُلُّ شَيْءٍ عُمِلَ عَلٰى غَيْرِ مِثَالٍ سَبَقَ وَفِي الشَّرْعِ إِحْدَاثُ مَا لَمْ يَكُنْ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَوْلُهُ كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ عَامٌّ مَخْصُوْصٌ (اِلٰى اَن) قَالَ الشَّيْخُ عِزُّ الدِّيْنِ بْنُ عَبْدِ السَّلَامِ فِيْ اٰخِرِ كِتَابِ الْقَوَاعِدِ اَلْبِدْعَةُ اِمَّا وَاجِبَةٌ كَتَعَلُّمِ النَّحْوِ الخ

امام نووی نے فرمایا بدعت ہر وہ شئی ہے جس پر سابق مثال کے بغیر عمل کیا گیا ہو اور شرع میں ایسی چیز کا ایجاد کرنا جو رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ ہو اور کل بدعة ضلالة عام مخصوص ہے (الی ان) شیخ عزالدین بن عبدالسلام نے کتاب القواعد کے آخر میں فرمایا۔ بدعت یا واجب ہے جیسے علم نحو کا سیکھنا ہے (آخر تک) احکام خمسہ بدعت واجبہ۔ بدعت محرمہ۔ بدعت مندوبہ بدعت مکروہہ۔ بدعت مباحہ کو تفصیلا بیان کیا گیا ہے

بدعت کے اقسام خمسہ مثالوں کے ساتھ بیان کرنے کے بعد امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول نقل کیا گیا

قَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ مَا اُحْدِثَ مِمَّا لَا يُخَالِفُ الْكِتَابَ وَالسُّنَّةَ وَالْاَثَرَ اَوِ الْاِجْمَاعَ فَهُوَ ضَلَالَةٌ وَمَا اُحْدِثَ مِنَ الْخَيْرِ مِمَّا لَا يُخَالِفُ شَيْئًا مِّنْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ بِمَذْمُوْمٍ وَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِيْ قِيَامِ رَمَضَانَ نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ. هٰذَا هُوَ اٰخِرُ كَلَامِ الشَّيْخِ فِيْ تَهْذِيْبِ الْاَسْمَاءِ وَاللُّغَاتِ امام شافعی نے فرمایا جو چیز کتاب یا سنت یا اثر یا اجماع کے خلاف پیدا کی جائے۔ تو وہ ضلالت و گمراہی ہے اور کوئی ایسی اچھی چیز ایجاد کی جائے جو ان کے خلاف نہ ہو تو وہ مذموم نہیں ہے۔ اور حضرت عمر رض نے فرمایا قیام رمضان کے بارے میں یہ اچھی بدعت ہے۔

وَرُوِيَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ مَا رَاٰهُ الْمُسْلِمُوْنَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ وَفِيْ حَدِيْثٍ مَّرْفُوْعٍ لَا يَجْتَمِعُ اُمَّتِيْ عَلَى الضَّلَالَةِ كَذَا فِي الْمِرْقَاتِ.

اور ابن مسعود سے مروی ہے. جس چیز کو مسلمان اچھا دیکھیں وہ اللہ کے ہاں بھی اچھی ہے اور ایک مرفوع حدیث میں ہے میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی. ایسے ہی مرقات میں ہے.

فوائد : عبارات مذکورہ میں بدعت شرعی کی تعریف سے معلوم ہوا کہ بدعت شرعی وہی ہے جو سنت کے مقابلہ میں ہو اور یہ بدعت وہی ہوتی ہے جس کی اصل زمانہ نبوی میں نہ ہو. اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جب بدعت کے اقسام خمسہ ہیں تو ہر بدعت ضلالت نہیں ہوتی ہے اور کل بدعت ضلالۃ کا حکم عام نہیں ہے بلکہ عام مخصوص ہے. اس سے وہ بدعات خارج ہیں جو ضلالت کے تحت نہیں بلکہ اصل شرعی کے تحت داخل ہیں اور وہ بدعت حسنہ محمودہ ہوتی ہے لہٰذا ہر بدعت کو ضلالت کہنے والے ضلالت میں نہ پڑیں. دوسری عبارات میں شر الامور محدثاتہا ہی کو کل بدعت ضلالۃ کہا گیا ہے لہٰذا ہر مُحْدَث ضلالت نہیں بلکہ وہ محدث شر ہے جو ضلالت کا فرد ہو. ہر محدث ضلالت نہیں ہے اور ضلالت کے تحت وہ محدثات داخل ہیں جو مقابل سنت ثابتہ ہو نیز شر الامور محدثاتہا سے مراد وہی ہیں جن کی ایسی اصل نہ ہو جو ان محدثہ امور کو درست قرار دیتی ہو. اور جہاں اصل کلی شرعی موجود ہو وہاں وہ محدث نہ شر ہے نہ ضلالت ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر بدعت اعتقادیہ بھی بدعت قولیہ بدعت فعلیہ کی طرح ضلالت میں شامل ہوتی ہے لہٰذا بدعت اعتقادی سے بچنا زیادہ ضروری امر ہے. نیز ملا علی قاری کی عبارت سے بالکل ظاہر ہے کل بدعۃ ضلالۃ سے بدعت سیئہ ضلالت میں شامل ہے. بدعت حسنہ. سنۃ حسنہ ضلالت میں شامل نہیں ہے.

امام نووی کی عبارت سے بھی واضح ہے کہ ہر بدعت ضلالت عام نہیں ہے بلکہ اس بدعت کو شامل ہے جو بدعت سیئہ ہو رافع سنت ہو اصل شرعی کے تحت داخل نہ ہو. نیز بدعات کی پانچ قسمیں بتا رہی ہیں کہ بعض بدعت حسنہ ہیں بعض سیئہ ہیں.

اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول سے ثابت ہوا کہ بدعت سیئہ وہی ہے جو کتاب و سنت یا اثر یا اجماع کے خلاف ہو. اسی کو بدعت ضلالت کہا جائے گا اور جہاں کہیں صراحۃً یہ مخالفت امور اربعہ سے واقع نہ ہو تو وہاں بدعت کو ضلالت بھی نہیں کہا جائے گا. اور جہاں مخالفت امور اربعہ

سے واقع ہوئی تو وہی بدعت مذمومہ ہوگی۔ دو حدیثوں سے معلوم ہوا کہ جس چیز کو مسلمان اچھا جانیں وہ عند اللہ اچھی ہوتی ہے کیونکہ مسلمان گمراہی پر جمع نہیں ہوتے ہیں اور جس پر مسلمان جمع ہوں وہ اچھی ہوتی ہے اس کو گمراہی کہنے والے اپنی ہدایت کی سوچیں۔

جزء ثانی فتح الملہم ص۴۰۶ پر اپنے شیوخ کی طرف منسوب کرتے ہوئے صاحب فتح الملہم نے لکھا ہے۔ وَكَذَا قَوْلُهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَالَيْسَ مِنْهُ يَدُلُّ عَلٰى اَنَّ الْاُمُوْرَ الَّتِيْ لَهَا اَصْلٌ مِّنَ الْكِتَابِ اَوْمِنْ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ اَوْ تَعَامُلِ عَامَّةِ السَّلَفِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَوِالْاِجْتِهَادِ الْمُعْتَبَرِ بِشُرُوْطِهِ الْمُسْتَنَدِ اِلَى النُّصُوْصِ لَاتُسَمّٰى مُحْدَثَةً وَّلَا بِدْعَةً شَرْعِيَّةً فَاِنَّ هٰذِهِ الْاُصُوْلَ كُلَّهَا مِنَ الدِّيْنِ تَنْصِيْصاً اَوْتَعْلِيْلًا كَمَا تَقَرَّرَ فِيْ مَحَلِّهِ

اور ایسے ہی نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ ما لیس منہ دلالت کرتا ہے اس بات پر کہ بے شک وہ امور جن کی اصل کتاب وسنت سے ہے یا خلفائے راشدین کی سنت سے ہے یا تعامل عام سلف رضی اللہ عنہم سے ہے یا ایسے اجتہاد معتبر جو ایسی شرطوں کے ساتھ ہو جو نصوص کی طرف منسوب ہوں۔ ایسے امور کو محدثہ نہیں کہلائیں گے اور نہ ہی بدعت شرعیہ انہیں کہا جائے گا کیونکہ یہ سب اصول دین سے ہیں تنصیص یا تعلیل کے طور پر جیسا کہ وہ اپنی جگہ میں ثابت ہیں۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ ہر نئی چیز کو بدعت سیئہ نہ کہا جاتے بلکہ بدعت محدثہ جس کو ضلال کہا گیا ہے یہ وہی ہے جس پر کتاب وسنت اور خلفاء راشدین اور عام سلف صالحین کے تعامل اور اجتہاد معتبر شرعی کی تائید حاصل نہ ہو۔ ہم اہل سنت وجماعت کے معمولات بلا ریب وشبہ انہیں اَدِلّہ شرعیہ اور تعامل سلف صالحین پر مبنی ہیں اسی لیے غور کرکے دیکھیں تو ہمارے معمولات صالحہ کے حق میں اکابر سلف صالحین کے رسائل شاہدہ دلائل واضحہ موجود ہیں۔

علامہ شاطبی کے عبارات نقل کرنے کے بعد صاحب فتح الملہم نے اس مقام پر اپنا تبصرہ اس طرح لکھا ہے۔

وَالْحَاصِلُ اَنَّ الْبِدْعَةَ الشَّرْعِيَّةَ هُوَاِحْدَاثُ اَمْرٍ لَيْسَ لَهٗ ثُبُوْتٌ بِوَاحِدٍ مِّنَ الْاُصُوْلِ الْاَرْبَعَةِ الدِّيْنِيَّةِ زَاعِماً اَنَّهٗ مِنَ الدِّيْنِ وَمَظَنَّةً لِّلْاِثَابَةِ مِنَ اللّٰهِ وَالتَّحْسِيْنِ وَعَلٰى هٰذَا فَمَا اَمَرَ بِهِ الشَّارِعُ اِيْجَابًا اَوْنَدْبًا مَثَلًا مِّنْ طَلَبِ الْعِلْمِ وَ حِفْظِهٖ وَتَبْلِيْغِهٖ وَنُصْرَةِ الدِّيْنِ وَالذَّبِّ عَنْهُ وَتَزْكِيَةِ النُّفُوْسِ وَتَهْذِيْبِهَا اِنْ تَوَقَّفَ اِمْتِثَالُهٗ فِيْ هٰذَا الزَّمَانِ عَلٰى تَحْصِيْلِ اَسْبَابٍ وَّذَرَائِعَ كَانَتِ السَّلَفُ غَنِيَّةً عَنْهَا بِوُجُوْهٍ وَّاَحْوَالٍ مُّخْتَصَّةٍ بِهِمْ كَتَدْوِيْنِ الْعُلُوْمِ وَتَصْنِيْفِ الْكُتُبِ وَبِنَاءِ الْمَدَارِسِ بِهَيْأَتِهَا الْكَذَائِيَّةِ وَغَيْرِهَا فَمُبَاشَرَةُ تِلْكَ الْاَسْبَابِ لَيْسَتْ مِنَ الْبِدْعَةِ الشَّرْعِيَّةِ وَقَدْ ثَبَتَ فِي الْاُصُوْلِ اَنَّ مَالَا يَتِمُّ الْوَاجِبُ اِلَّا بِهٖ فَهُوَ وَاجِبٌ وَمَا يَتَوَقَّفُ عَلَيْهِ الْمَأْمُوْرُ بِهٖ فَهُوَ ـــ اَيْضًا مَّأْمُوْرٌ بِهٖ فَهُوَ مِنَ الدِّيْنِ حُكْمًا وَلَيْسَ هُوَ مِنَ الْاِحْدَاثِ فِي الدِّيْنِ مَالَيْسَ مِنْهُ ۔

اور حاصل یہ ہے کہ بیشک بدعۃ شرعیہ وہ ایسے امر کو ایجاد کرنا ہے جس کا ثبوت کسی ایک اصول اربعہ سے نہ ہو گمان یہ کرتے ہوئے کہ وہ دین سے ہے اور گمان ثواب و تحسین پانے کا اللہ سے ہو اور اسی بناء پر ہے جس چیز کی شارع۔ وجوب یا ندب کے طور پر حکم کرے جیسے طلب علم حفظ و نصرت دین و تبلیغ اور دین سے دفاع اور تزکیہ نفوس۔ تہذیب نفوس ہیں اگر ان پر عمل کرنا اس زمانہ میں اسباب و ذرائع کی تحصیل پر موقوف ہوں جن ذرائع سے سلف بے نیاز تھے ان وجوہ اور احوال کی وجہ سے جو سلف ہی سے مختصہ تھے۔ جیسے تدوین علوم اور تصنیف کتب اور مدارس کا اپنی موجودہ صورت میں بنانا وغیرہا ہیں۔ پس مذکورہ اسباب کا استعمال و مباشرت بدعۃ شرعیہ (سیئہ) سے نہیں ہیں اور بیشک اصول (فقہ) میں ثابت ہے جس چیز کے بغیر واجب تام نہ ہو سکے وہ چیز بھی واجب ہو گی اور جس چیز پر مامور بہ موقوف ہو گا پس وہ بھی مامور بہ ہے پس وہ موقوف علیہ دین سے حکماً ہے اور وہ احداث فی الدین سے نہیں ہے جس پر مالیس منہ دلالت کرتا ہے)

مذکورہ عبارت سے ثابت ہوا کہ اصول اربعہ دینیہ میں عبارۃً اشارۃً دلالۃً جو چیز ثابت ہو گی وہ

بدعت شرعیہ سیئہ نہیں ہوگی۔

نیز موجودہ زمانہ میں مامور بہ چیزیں جن وسائل وذرائع پر موقوف ہوں گی وہ چیزیں بھی دین میں حکمی طور پر ثابت ہوں گی اور اس پر مَالَیْسَ مِنْہُ یا اِحْدَاث فِی الدِّیْن یا بدعت سیئہ کا فتویٰ نہیں لگایا جا سکتا ہے۔ اس پر مقدمہ واجب کا واجب ہوتا ہے کا اصول دلیل ہے۔

اہل سنت وجماعت کے معمولات بے سروپا۔ بے بنیاد نہیں ہیں بلکہ اصول شرعیہ کلیہ کے تحت ضرور شامل ہیں اور زمانہ کے ذرائع واسباب سے امور مستحسنہ کے حصول کے لیے استفادہ جائز ہے۔ اسی لیے ہم اہل سنت شوکتِ اسلام۔ تعظیم نبوی ذکرِ شان رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور انعقاد محفل میلاد نبوی۔ انعقاد شان معراج وغیرہا۔ ایسے ہی ایصال ثواب کی خاطر مختلف اسباب وذرائع سے محافل کا انعقاد۔ سب ہی مقاصد شرعیہ ہیں ان کے اسباب وذرائع واسباب بھی مقاصد حسنہ ہیں۔ ان کو اِحْدَاث فِی الدِّیْن اور مَالَیْسَ مِنْہُ میں شامل کرنا مقدمہ واجب کا واجب ہوتا ہے کیخلاف ہے۔

علامہ شاطبی کی دوسری عبارت صاحب فتح الملہم نے یہ پیش کی ہے۔

ثُمَّ قَالَ فِیْ مَوْضِعٍ آخَرَ وَقَدْ یَکُوْنُ اَصْلُ الْعَمَلِ مَشْرُوْعًا وَّلٰکِنَّہٗ یَصِیْرُ جَارِیًا مَجْرَی الْبِدْعَةِ وَبَیَانُہٗ اَنَّ الْعَمَلَ یَکُوْنُ مَنْدُوْبًا اِلَیْہِ مَثَلًا فَیَعْمَلُ بِہِ الْعَامِلُ فِیْ خَاصَّتِهٖ نَفْسِهٖ عَلٰی وَضْعِهِ الْاَوَّلِ مِنَ النَّدْبِیَّةِ فَلَوِ اقْتَصَرَ الْعَامِلُ عَلٰی ھٰذَا الْمِقْدَارِ لَمْ یَکُنْ بِهٖ بَأْسٌ وَیَجْرِیْ مَجْرَاہُ اِذَا دَامَ عَلَیْهِ فِیْ خَاصَّتِهٖ غَیْرَ مُظْهِرٍ لَّہٗ دَائِمًا بَلْ اِذَا اَظْهَرَہٗ لَمْ یُظْهِرْہُ عَلٰی حُکْمِ الْمُلْتَزَمَاتِ مِنَ السُّنَنِ الرَّوَاتِبِ وَالْفَرَائِضِ اللَّوَازِمِ فَهٰذَا صَحِیْحٌ لَّا اِشْکَالَ فِیْهِ۔

پھر انہوں نے کہا دوسری جگہ پر اور کبھی اصل عمل مشروع ہوتا ہے لیکن وہ قائم مقام بدعت کے ہو جاتا ہے اور اس کا بیان یہ ہے کہ وہ عمل مندوب ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر۔ پس اس پر عمل کرنے والا اس کی اصل وضع اول کی خصوصیتِ ندب کے ساتھ عمل کرتا ہے۔ پس اگر عامل اس مقدار پر اکتفا کرتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور اس کو جاری اس طرح رکھنا ہے کہ جب اس پہ ہمیشگی اس کی

خاصیت کے ساتھ کرتا ہے تو اس کا اظہار ہمیشگی کا نہیں کرتا ہے بلکہ جب بھی اس کو ظاہر کرتا ہے۔ ملتزمات سنن مؤکدہ اور فرائض لازمہ کی طرح اظہار نہیں کرتا ہے۔ تو یہ صحیح ہے اور اس میں کوئی اشکال و دشواری نہیں ہے۔

مزید نقل کیا کہ وَ ذٰلِكَ بِاَنْ يُّقَيَّدَ اِطْلَاقُهَا بِالرَّاْيِ اَوْ يُطْلَقَ تَقْيِيْدُهَا اور وہ (اصل عبادت کے مشروع ہونے کی اصل شریعت سے نکال دینا) اس طرح ہوتا ہے کہ اس کے اطلاق کو رائے سے مقید کیا جائے یا اس کی تقیید کو مطلق کیا جائے۔

پہلی عبارت سے معلوم ہوا کہ کبھی اصل عمل تو مشروع و جائز ہوتا ہے۔ لیکن قائم مقام بدعت ہوجاتا ہے اور جب تک اصل مشروعیت کے ساتھ کیا جائے تو جیسا وہ مندوب ہو اور اسی مندوبیت و استحسان کے ساتھ عمل کو جاری رکھا جائے تو کوئی حرج نہیں ہوتا ہے اور جب بھی اس کا اظہار ہو تو فرائض اور سنن مؤکدہ کے طور پر نہ ہو۔ تو یہ بھی صحیح ہے۔ یہی تو ہم کہتے ہیں کہ ہم جس عمل کو مستحب یا مباح سمجھ کر کرتے ہیں ہم انہیں اسی مقدار و مرتبہ کے ساتھ جاری رکھتے ہیں انہیں فرض یا واجب یا سنت راتبہ کے درجہ میں نہ سمجھتے ہیں نہ ان مراتب سے عمل کرتے ہیں۔ ہم پر مندوبات کے بابت فرائض یا سنن مؤکدہ کے برابری رکھنے کا الزام صریح بہتان تراشی ہے۔ لہٰذا تمہارے فتوے لَمْ يَكُنْ بِهٖ بَأْس۔ اور فَهٰذَا صَحِيْحٌ لَّا اِشْكَالَ فِيْهِ ہمارے حق میں جاتے ہیں۔ اور اس آخری عبارت سے تو اور بھی ہماری تائید ہوتی ہے۔ کہ مطلق مقید کرنا یا مقید کو مطلق کرنا بدعت اضافیہ ہے۔ علامہ شاطبی کے ہاں۔ تو ہم حق بجانب ہیں کہ جب ہم اہل سنت نصوص کے اطلاقات پر عمل کرتے ہیں تو پھر ہماری طرف بدعت ضلالت یا بدعت اضافیہ کے ارتکاب کی نسبت کرنا ظلم و اتہام ہے۔ بلکہ یہ نسبت بھی بدعت اضافیہ ہے عجب ہے کہ جب ہم اطلاقاتِ نصوص پر عمل کرتے ہیں اور امور مستحسنہ و مندوبہ کو نصوص کے اطلاقات کے تحت سمجھ کر معمول بناتے ہیں تو ہم سے مخصوص جزئیہ کا مطالبہ شروع ہوجاتا ہے اور اس وقت اطلاقاتِ نصوص پر عمل کرنے کو بھول جاتے ہیں اور اگر ہم مندوبات و مستحبات پر دائمی عمل کرتے ہیں تو یہ اس لیے نہیں کہ ہم انہیں

فرض یا سنت موکدہ سمجھتے ہیں بلکہ فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرَاتِ اور خَیْرُ الْعَمَلِ دِیْمُھَا پر عمل کرتے ہیں ہر نیکی کیطرف سبقت کرو۔ اور بہترین عمل وہ ہے جو ہمیشہ سے ہو اس وجہ سے مستحبات پر ہمارا دائمی عمل ہوتا ہے۔ فاستبقوا الخیرات میں ہر خیر کے حصول کے لیے سبقت کا حکم ہے نہ یہ کہ ہر خیر سے روکنے کا حکم ہے۔ خیر العمل وہ ہے جو دائمی ہو۔ یہ نہیں آیا کہ خیر العمل وہ ہے جو زندگی میں ایک بار بھی اس پر عمل نہ ہو یا خیر العمل پر عمل کرنے والوں سے عناد ہو۔

حدیث فَمَارَاٰہُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَسَنًا فَھُوَ عِنْدَ اللّٰہِ حَسَنٌ الخ پس جس چیز کو ایمان والے حسن جانیں پس وہ اللہ کے ہاں بھی حسن ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا ہر کارِ خیر پسندیدہ جو نیت خیر کے ساتھ کیا جائے وہ عنداللہ حسن وخیر ہو گا۔ لہٰذا اہل سنت کے معمولات اور انعقاد محافل میلاد و معراج وغیرہا امور خیر۔ مسلمانوں کے ہاں بھی مستحسن وخیر ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی خیر و حسن ہیں۔

ازالہ شبہ: اس روایت کو اکثر آئمہ حدیث نے نقل کیا ہے اور اسے تفسیر کبیر اور عینی علے الہدایہ وغیرہ نے مرفوع کر کے نقل کیا ہے اگرچہ بعض نے اسے اس مرتبہ پر نہ بھی پایا ہو یہ ان کی اپنی تلاش ہے۔ نیز حدیث ہذا میں جس مضمون کو بیان کیا گیا ہے یہ وہی مضمون ہے جو حدیث صحیح میں موجود ہے اور وہ مَنْ سَنَّ سُنَّۃً حَسَنَۃً فَلَہٗ اَجْرُھَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِھَا مِنْ غَیْرِ اَنْ یَّنْقُصَ مِنْ اُجُوْرِھِمْ شَیْئًا الخ جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اور یا حضرت ابوہریرہؓ کی وہ حدیث جس میں یہ الفاظ ہیں۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ دَعَا اِلٰی ھُدًی کَانَ لَہٗ مِنَ الْاَجْرِ مِثْلُ اُجُوْرِ مَنْ تَبِعَہٗ لَا یَنْقُصُ ذٰلِکَ مِنْ اُجُوْرِھِمْ شَیْئًا وَمَنْ دَعَا اِلٰی ضَلَالَۃٍ کَانَ عَلَیْہِ مِنَ الْاِثْمِ مِثْلُ اٰثَامِ مَنْ تَبِعَہٗ لَا یَنْقُصُ ذٰلِکَ مِنْ اٰثَامِھِمْ شَیْئًا

فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جس نے اچھے طریقہ کی طرف بلایا اس کے لیے مثل اجر ان لوگوں کیلئے ہے جو اس کی پیروی کریں گے۔ ان کے اجروں سے بھی کوئی چیز کم نہ ہو گی اور جس

نے گمراہی کی طرف بلایا اس پر گناہ مثل گناہ ان لوگوں کے ہے جو اس کی پیروی کریں گے ان لوگوں کے گناہوں سے بھی کوئی چیز کم نہ ہوگی۔ ان دونوں حدیثوں میں جو مضمون ہے یہ وہی ہے جو خلاصہ مضمون مَارَاٰہُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَسَنًا فَھُوَ عِنْدَ اللّٰہِ حَسَنًا الخ میں موجود ہے۔

لہٰذا یہ کہنا صاحب فتح الملہم کا کہ یہ حدیث انضار بدعت کے استدلال کے لیے مناسب نہیں ہے یہ اصل میں محدثین و فقہاء کی تحقیق کے خلاف ہے رہا یہ کہ المسلمون سے صحابہ کرام اور مجتہدین مراد ہیں ورنہ سَتَفْتَرِقُ اُمَّتِیْ عَلٰی ثَلٰثٍ وَّسَبْعِیْنَ فِرْقَۃً کُلُّھُمْ فِی النَّارِ اِلَّا وَاحِدَۃً۔ میری امت تہتّر فرقوں پر ہوگی سب ناری ہیں مگر ایک فرقہ اور اُمتِ مسلمہ میں یہ بہتّر فرقے بھی شامل ہیں لہٰذا ان کے پسندیدہ عقیدے بھی حسن میں شامل ہوں گے تو پھر ناری کیوں ہیں۔ لہٰذا مُسْلِمُوْنَ سے صحابہ و مجتہد حضرات مراد ہیں۔ اس کا ازالہ یہ ہے کہ ماراٰہ المؤمنون حسنًا الخ کی روایت کا مضمون دوسری حدیثوں سے ملتا جلتا ہے اور ان میں صحابہ کرام یا مجتہدین کی تاویل مطلق کو مقید کرنا ہے۔ جس کو تم نے خود بدعت اضافیہ قرار دیا ہے ایسے ہی اس حدیث میں اطلاق کو تقیید میں بدلنا بدعت اضافیہ ہے۔ نیز فرقہ ضالہ کا اخراج اس شبہ سے نہ کریں بلکہ ان کا اخراج ان دلائل قطعیہ و ظنیہ سے ہوتا ہے جن سے ناری فرقوں کے عقائد ضالہ فاسدہ کا اظہار ہوتا ہے اور اہلِ سنت وجماعت کے عقائد حقہ سے ان کا تصادم ہوتا ہے لہذا مسلمون میں صحابہ کرام اور مجتہدین کی تخصیص بلا مرجح ہے بلکہ المسلمون سے سلف صالحین اور علماء حق بلکہ ہر زمانہ کے علماء حق اور اولیائے کرام مراد ہیں۔ جمیع مسلمین بھی مراد نہیں اور نہ صحابہ کرام کی خصوصیت مراد ہے اور تم نے خود بھی سلف صالحین کا ذکر کیا ہے اور کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ۔ ترجمہ: تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے لائے گئے ہو۔ نیکی کا حکم کرتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔

یہ آیت کریمہ ہر دور کے مسلمان و اہل ایمان کی صفت امر و نہی والے بتا رہی ہے لہٰذا جس دور کے علماء حق۔ اولیاء کرام۔ امر و نہی کرنے کے اہل پائے جائیں گے اور وہ جس کام کو حسن سمجھیں گے وہ

اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی حسن ہوگا اور جس کام کو قبیح تصور کریں گے وہ عنداللہ بھی قبیح تصور ہو گا۔ نیز جن علماً حق نے بدعت کی تقسیم حسنہ اور سیئہ کی طرف کی ہے وہی حق ہے۔ زرقانی شرح مواہب میں فرماتے ہیں

هِيَ لُغَةً مَا عُمِلَ مِنْ غَيْرِ مِثَالٍ سَابِقٍ وَاسْتُعْمِلَ فِي الشَّرْعِ بِهٰذَا الْمَعْنَى اَيْضًا وَتَنْقَسِمُ اِلٰى وَاجِبَةٍ كَعِلْمِ اَدِلَّةِ الْمُتَكَلِّمِيْنَ لِلرَّدِّ عَلَى الْمَلَاحِدَةِ وَالْمُبْتَدِعَةِ وَمَنْدُوْبَةٍ الخ

بدعت لغت میں وہ ہے جو بغیر سابق مثال کے عمل کیا گیا ہو۔ اور شرع میں اس معنے میں بھی استعمال کیا گیا ہے اور بدعت تقسیم ہوتی ہے واجبہ کی طرف جیسے علم متکلمین کے دلائل کا ہے۔ جو اہل الحاد اور اہل بدعت کے رد کے لیے ہیں اور بدعت مندوبہ الخ ہیں فتح الملہم

معلوم ہوا کہ بدعت لغویہ کا استعمال شرع میں ان احکام خمسہ میں ہوتا ہے اور احکام خمسہ شرعی ہوتے ہیں اور بدعت لغوی کو شرع میں شامل ہو کر یہی پانچ احکام کی طرف تقسیم ہوتی ہے۔ احکام تو شرعیہ ہوں اور بدعت شرعیہ نہ ہو یہ عجیب مقسم واقسام کا علاقہ ہے۔ لہٰذا بدعت شرعیہ ہی کی پانچ اقسام ہیں اور بدعت شرعیہ کی دو قسمیں حسنہ اور سیئہ ہیں نہ تو مطلق بدعت حسنہ ہے اور نہ ہی مطلق بدعت سیئہ ضلالہ ہے۔ بلکہ بعض بدعت حسنہ ہے جس کے تحت بدعت واجبہ۔ مندوبہ۔ مباحہ اقسام داخل ہیں اور بعض بدعت سیئہ ہے اور بدعت سیئہ کے تحت بدعت محرمہ۔ بدعت مکروہہ اقسام داخل ہیں۔ بدعت سیئہ ضلالہ وہی ہے جو رافع سنت ہے اور اس کی اصل کسی درجہ کا بھی نہ ہو۔ خود حدیث میں آیا ہے مَا اَحْدَثَ قَوْمٌ بِدْعَةً اِلَّا رُفِعَ مِثْلُهَا مِنَ السُّنَّةِ فَتَمَسُّكٌ بِسُنَّةٍ خَيْرٌ مِنْ اِحْدَاثِ بِدْعَةٍ۔ (رواہ احمد ومشکوٰۃ)

کسی قوم نے کوئی بدعت ایجاد نہیں کی ہے مگر اس کی مثل سنت سے اٹھالی جاتی ہے تو سنت کے ساتھ تمسک وعمل بہتر ہے بدعت کو ایجاد کرنے سے معلوم ہوا کہ بدعت ضالہ وسیئہ وہی ہوتی ہے جس سے سنت ثابتہ کا رفع ہوتا ہو۔ اہل سنت وجماعت کے معمولات ایسے نہیں ہیں کہ ان پر عمل کرنے سے سنت ثابتہ کا رفع ہوتا ہے لہٰذا ہماری تحقیق ہی سے تعارض واشکال سے بچا جا سکتا ہے ورنہ اگر علامہ شاطبی[عـه] کی پیروی کی گئی تو پھر اسلام کو محدود سے محدود تر کرنے کے مترادف ہو گا۔ اور پھر

عـه یاد رہے علامہ شاطبی نے بدعت کی تقسیم و تعریف میں جمہور آئمہ کے خلاف کیا ہے جو قابل عمل نہیں۔ نہ ہی قابل تسلیم ہے۔

نئے کام چاہے کارِ خیر ہوں یا کارِ خیر کے معاون اسباب ہوں یا وہ نیا کام عادات سے ہوں۔ دینی ہوں یا دنیاوی سب سے علیحدگی ضروری ہو جائے گی اور اس طرح تجدید و اجتہاد جزوی اور فکر و تلاش کے سب راستوں کو بند کر کے اسلام کو کمزور سے کمزور تر اور ہر دور جدید کے سائنسی ٹکنالوجی کی قوت کا وجدان اور ایٹمی توانائی کا حصول اور علمی و عسکری دفاعی قوتوں کا سیکھنا سب گمراہی ہو کر رہ جائے گا

یاد رہے بدعت کی اس غلط تشریح کو اپنانے سے عالمی سطح پر مسلمانوں کو سابقہ صدیوں کی طرح اکیسویں صدی اور مستقبل بعید میں دوبارہ غیر مسلموں کی غلامی میں دھکیلنے کے مترادف ہوگا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلام کی ضروری تعلیمات کے ساتھ ساتھ دورِ جدید کی تمام اعلیٰ تعلیمات حاصل کرنے کیلئے نئی نسل کو پابند کیا جائے تاکہ احیاءِ اسلام بھی ہو اور مسلمان خود کفیل بھی ہوں۔ مسلمانوں کا ترقی یافتہ ہونیکے بغیر احیاءِ اسلام اور دفاعِ ممالک اسلامیہ ناممکن ہے اور یہ اتحاد بین المسلمین سے ممکن ہے

بحث اِباحتِ اصلیّہ

احکامِ اسلام کے شرعی امور میں ہمارا مسلک یہ ہے کہ شریعت اسلامی کے وارد ہونے کے بعد جن جن چیزوں کے حرام ہونے پر تفصیلی ذکر آچکا ہے وہ حرام ہی قرار دی جائیں گی اور حرام ہونے کے ثبوت کے لیے حرمت کا حکم ضروری ہوگا اور حرمت کی دلیل ضروری ہوگی اور جس چیز پر شریعت میں حرمت کا حکم وارد نہ ہو وہ چیز حرام نہ ہوگی بلکہ وہ چیز حلال و مباح ہوگی۔

دلیل ۱: قرآن پاک میں آیا ہے وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ ترجمہ: تمہیں کیا ہوا کہ اس میں سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا وہ تو تم سے مفصل بیان کر چکا جو کچھ تم پر حرام ہوا۔

آیت کے اس حصہ سے معلوم ہوا کہ حرام چیزوں کا تفصیلی ذکر ہوتا ہے اور حرام امور کو شریعت نے مجمل نہیں چھوڑا ہے تاکہ ان میں نزاع واقع ہو۔ شریعت کے نزول کا مقصد اعلیٰ یہی تھا کہ عقائد قطعیہ کے ساتھ ساتھ حرام اور فرائض وغیرہ کا تعین ہو تاکہ مکلف بندے بآسانی شرعی احکام پر عمل کر سکیں اور یہ عمل تب ہی ہو سکتا تھا کہ تفصیلی طور پر حرام وغیرہ کو بیان کیا جائے اور قرآن مجید کی اس آیت کریمہ میں بتایا گیا ہے کہ حرام کا مفصل بیان اللہ تعالیٰ نے فرما دیا ہے اور یہ بھی اس آیت

سے ثابت ہوا کہ چیزوں کا مفصل ذکر ہوتا ہے اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حرام نہیں کیا ہے وہ حلال ہے یا مباح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے قُل لَّآ اَجِدُ فِیۡمَاۤ اُوۡحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطۡعَمُہٗۤ اِلَّاۤ اَنۡ یَّکُوۡنَ مَیۡتَۃً اَوۡ دَمًا مَّسۡفُوۡحًا اَوۡ لَحۡمَ خِنۡزِیۡرٍ فَاِنَّہٗ رِجۡسٌ اَوۡ فِسۡقًا اُہِلَّ لِغَیۡرِ اللّٰہِ بِہٖ ۚ فَمَنِ اضۡطُرَّ غَیۡرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّکَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۱۴۵﴾ (سورۂ انعام)

ترجمہ: تم فرماؤ میں نہیں پاتا اس میں جو میری طرف وحی ہوئی کسی کھانے والے پر کھانا حرام مگر یہ کہ مردار ہو یا رگوں کا بہتا ہوا خون یا بد جانوروں کا گوشت کہ نجاست ہے یا بے حکمی کا جانور جس کے ذبح میں غیر خدا کا نام پکارا گیا تو جو ناچار ہوا نہ یوں کہ آپ خواہش کرے اور نہ یوں کہ ضرورت سے بڑھے تو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ شریعت نے جس چیز کو حرام نہ کیا ہو وہ حلال ہے یعنی جس چیز کی حرمت شریعت میں نہ ملے وہ حلال ہے۔ حرام ہونے کے لیے تو دلیل کی ضرورت ہے لیکن حلال ہونے کے لیے حرمت کی دلیل کا نہ ملنا ہی کافی ہوتا ہے کیونکہ اس آیت میں حرام نہ ہونے کو حلال ہونے کی دلیل بنایا گیا ہے چونکہ ان چیزوں کی حرمت وحیٔ الٰہی میں نہیں آئی ہے لہذا یہ چیزیں حرام نہیں ہیں بلکہ حلال و مباح ہیں۔ لہذا حرام و ناجائز ہونے کے لیے دلیل کی ضرورت ہوتی ہے نہ کہ حلال و مباح کے لیے

۳: یٰۤاَیُّہَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ ۚ

ترجمہ: اے غیب کے بتانے والے (نبی) تم اپنے اوپر کیوں حرام کئے لیتے ہو وہ چیز جو اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہے معلوم ہوا کہ جب تک حرام کی دلیل نہ آئے چیز حلال ہوتی ہے۔ نیز حلت پہلے ہوتی ہے حرمت بعد میں وارد ہوتی ہے

۴: قُلۡ ہَلُمَّ شُہَدَآءَکُمُ الَّذِیۡنَ یَشۡہَدُوۡنَ اَنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ ہٰذَا

ترجمہ: تم فرماؤ لاؤ اپنے وہ گواہ جو گواہی دیں کہ اللہ نے اسے حرام کیا۔

معلوم ہوا کہ عرب کے مشرکوں کا یہ خیال تھا کہ بحیرہ۔ سائبہ وغیرہ جانور حرام ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے اس خیال کو رد کر دیا کہ اگر تمہارے پاس ان جانوروں کے حرام ہونے پر دلائل یا گواہ ہیں تو ان کو پیش کر دو اور اگر کوئی گواہ نہیں رکھتے ہو تو ان جانوروں کو حرام کے بجائے حلال جانو۔ اس آیت میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس بات پر حکم نہیں دیا گیا ہے کہ آپ ان جانوروں کے حلال ہونے پر دلائل مشرکین کو دکھائیں تو نتیجہ ظاہر ہے کہ حرام ہونے کے لیے دلیل کی ضرورت ہوتی ہے اور حلال ہونے کے لیے دلیل کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔ حرام کی دلیل کا نہ ہونا ہی حلت و اباحت کی دلیل ہوتی ہے۔

۵: قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِىْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۔

ترجمہ: تم فرما دو کس نے حرام کیا اللہ کی وہ زینت جو اس نے اپنے بندوں کے لیے نکالی اور پاک رزق

اصل واقعہ اس آیت کا یہ ہے کہ حج کے موقع پر عرب کے کافروں کا یہ دستور تھا کہ وہ لذت کے کھانے اور عمدہ غذاؤں کو ترک کر دیتے تھے۔ اور زینت والا لباس بھی چھوڑ کر معمولی لباس پہن لیتے تھے تو ان کے اس عمل کو اس آیت کے ذریعے رد فرمایا گیا ہے کہ یہ چیزیں حرام نہیں کی گئی ہیں بلکہ یہ حلال ہیں تم انہیں حرام کیوں سمجھتے ہو۔ آیت سے معلوم ہوا کہ جب تک اللہ اور رسول کسی چیز کو حرام نہ فرما دیں تو کوئی چیز حرام نہیں ہو سکتی ہے بلکہ وہ حلال مباح ہوں گی اس لیے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے

۶: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ

ترجمہ: اے ایمان والو۔ وہ پاکیزہ چیزیں حرام نہ سمجھو جو اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں حد سے آگے نہ بڑھو۔ بیشک اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں فرماتا ہے۔

اس آیت سے واضح ہوا کہ جو کچھ اللہ تعالےٰ نے حلال فرمایا ہے۔ تم انہیں حرام نہ ٹھہراؤ ورنہ ایسا کرنے سے حد سے بڑھنا لازم آئے گا۔ اور حد سے بڑھنے والوں کو خداوند کریم ناپسند فرماتا ہے اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ اگر اصل میں اشیاء مباح نہ ہوتیں تو مسلمانوں پر عام چیزوں کو حرام جاننے پر ناپسندیدگی نازل نہ ہوتی۔ کیونکہ اصل میں حرمت ہی تھی تو پھر حرام جاننے سے کوئی خرابی نہ ہوتی۔ معلوم ہوا کہ اصل

میں اباحت ہے اور اس کے خلاف ناپسندیدگی ہے۔

۷: وَحَرَّمُوا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَاءً عَلَى اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوا وَمَا كَانُوا مُهْتَدِيْنَ.

ترجمہ: اور حرام ٹھہراتے ہیں وہ جو انہیں اللہ نے روزی دی۔ اللہ پر جھوٹ باندھنے کو بے شک وہ گمراہ ہو گئے۔ اور راہ یافتہ نہ ہوئے۔

اس آیت کریمہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو کوئی کسی چیز کو بغیر دلیل حرام مانے وہ گمراہ بھی ہے اور ہدایت سے دور بھی ہے کیونکہ حلال وا باحت جب اصل میں موجود تھی اور حرمت پر دلیل نہ تھی تو حلال۔ مباح کو اپنی طرف سے حرام ٹھہرانا اللہ تعالیٰ پر افتراء ہی ہوتا ہے۔

۸: قُلْ آٰلذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ (الی قولہ) اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ اِذْ وَصّٰكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا.

ترجمہ: تم فرمادو کیا اس نے دونوں نر حرام کئے یا دونوں مادہ (یہاں تک کہ ارشاد فرمایا) کیا تم موجود تھے جب اللہ نے تمہیں یہ حکم دیا۔

اس آیت کریمہ میں کافروں کے اس عقیدہ وعمل کی مذمت آئی ہے کہ جب اللہ تعالےٰ نے بحیرہ اور سائبہ وغیرہ جانوروں کو حرام نہیں فرمایا ہے تو یہ حق کس نے دیا ہے کہ تم نے اپنی طرف سے حلال جانوروں کو حرام ٹھہرایا ہے کیا تم نے اللہ تعالیٰ کو ان جانوروں کو حرام فرماتے دیکھا ہے موقعہ پر موجود تھے۔ معلوم ہوا کہ جب تک حرام ہونے پر دلیل نہ آئے اس وقت حلت وا باحت ہی اصل میں قائم رہے گی اور اگر اپنی طرف سے حرام ٹھہرایا جائے تو یہ عمل ہی حرام ہوگا۔

۹: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَاءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ وَاِنْ تَسْئَلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا

ترجمہ: اے ایمان والو ان چیزوں کے متعلق نہ پوچھو کہ جو اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں ناگوار ہوں اور اگر تم ان کی بابت پوچھو گے۔ جب قرآن اتر رہا ہے تو تم پر ظاہر کر دی جاویں گی۔ اللہ نے انکو معافی دیدی۔

آیت بتا رہی ہے کہ جو چیزیں ظاہر نہ کی جائیں نہ ان کا ذکر ہو تو وہ حرام کے مرتبہ میں نہیں ہوتی ہیں بلکہ وہ

حلال ومباح ہوتی ہیں۔ کیونکہ حلال ومباح سے ناگواری نہیں ہوتی ہے

۱۰: اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ

ترجمہ: اگر تم بچے رہو ان بڑے گناہوں سے جن سے تم کو منع کیا جاتا ہے تو ہم تمہارے چھوٹے گناہ مٹا دینگے معلوم ہوا کہ گناہ وہ ہے۔ جس سے منع فرمایا جائے اور بغیر منع کے کوئی چیز گناہ نہیں بنتا ہے نہی کے بعد شئی ممنوع ہو جایا کرتی ہے اور اگر گناہ کبیرہ سے بچا جائے تو یہ صغیرہ گناہ کے معافی کا ذریعہ بھی بن جاتی ہے

نوٹ: ان آیات مبارکہ کو نقل کرنے سے مقصود یہ ہے کہ قرآن پاک نے بغیر دلیل کے کسی چیز کے حرام جاننے کو رد فرمایا ہے۔ کیونکہ اس سے بہت بڑی تنگی مسلمانوں پر آجاتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ

اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ رکھتا ہے تنگی کا ارادہ تم سے نہیں فرماتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ بیشک اللہ لوگوں پر نرمی رحم فرمانے والا ہے۔

اور یہ بھی فائدہ نکل آیا کہ جب کسی چیز کو شریعت میں نہی کے ذریعہ ممنوع قرار دیا جاتے تو وہ امر گناہ ہو جاتا ہے اور حرام بن جاتا ہے اور نہی کے بغیر حلال ومباح ہوتا ہے اور حلت واباحت کی صورت میں ان چیزوں سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے کیونکہ قرآن نے بیان کیا ہے خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا

اللہ نے زمین کی تمام چیزیں تمہارے لیے پیدا فرمائیں۔

لکم سے معلوم ہوا کہ سب چیزیں زمین کے اندر نفع حاصل کرنے کے لیے پیدا ہوتی ہیں اور نفع تب حاصل ہو سکتا ہے کہ چیزیں اصل میں حلال ومباح ہوں ورنہ نفع حرام کے ارتکاب سے کیسے حاصل ہوگا۔

داہیو! عالم اسلام پر رحم کریں تمہارے علماء جو رسوں میں بدعت بدعت اور شرک شرک کی رٹ لگائے رہتے ہیں اور طلباء وعوام مسلمانوں کو تنگی اور عدم تفکر۔ کے اندر مبتلا کرتے ہیں خبردار رہیں کہ عالم اسلام کے اہل فہم وفکر حضرات کو فکر واجتہاد جزوی کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے تاکہ وقت کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ اسلام کو تشکیل جدید کی صورت میں پیش کر کے نئی نسل کے لیے نئے مسائل کا حل تلاش کیا جا سکے اور عالمی سطح پر عالم اسلام دینی ودنیاوی مشکلات میں سے نکل کر ارتقاء وعروج کا مقام حاصل کر سکیں۔ اسلام جدوجہد

سعی اجتہاد کی تعلیم دیتا ہے۔ اسلام جمود و خمود کے بجائے حرکت و تجدید کو پسند کرتا ہے۔ اَلَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۔ جو لوگ ہمارے لیے مجاہدے اور کوششیں کرتے ہیں ضرور ہم انہیں اپنے راستوں تک پہنچائیں گے ضروری اجتہا داور مجاہدوں کو روکنا اصل میں الہی راستوں تک رسائی میں رکاوٹیں پیدا کرنے کے مترادف ہے۔

سوال: جب اباحت اصلیہ مدرک شرعی نہ ہونے سے ثابت ہوتی ہے تو اباحت اصلیہ پر آیات واحادیث سے استدلال کیوں کیا جاتا ہے۔ یہ آیات واحادیث مدرک شرعی نہیں ہیں؟

جواب: ہمارا مدعا ان آیات واحادیث سے یہ ہے کہ شریعت وارد ہونے کے بعد اگر کسی امر کی حرمت پر دلیل شرعی موجود ہے تو وہ امر حرام قرار دیا جائے گا اور جس چیز کے کرنے پر امر و حکم آیا ہو وہ امر مامور بہ تصور ہوگا۔ اور ورود شرع کے بعد نہی۔ یا امر کسی چیز پر وارد نہ ہو تو۔ اباحت اصلیہ کے تحت مباح اور جائز الانتفاع قرار پائے گا۔ اور ان آیات واحادیث مبارکہ سے یہ ثابت نہیں کیا جا رہا ہے کہ فلاں چیز دلیل شرعی سے مباح ہے تاکہ امر خاص کی اباحت کو دلیل سے ثابت کیا جائے بلکہ ان آیات واحادیث سے یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ اباحت اصلیہ کے قاعدہ کلیہ کے حجت ہونے پر یہ آیات واحادیث دلالت کر رہی ہیں۔ اباحت اصلیہ کا قاعدہ کلیہ جب ثابت ہوجاتا ہے ان آیات واحادیث سے تو پھر ہم اباحت اصلیہ کے قاعدہ کلیہ سے ان امور کے مباح اور جائز الاستعمال ہونے پر دلیل لاتے ہیں اور یہ بھی وہاں جہاں مدرک شرعی نہ پاسکیں۔ لہٰذا ورود شرع کے بعد مدرک شرعی نہ پائے جانے کی حالت میں اشیاء وامور کو مباح تصور کیا جائے گا۔ آیات مذکورہ سے مفسرین کرام نے اباحت اصلیہ کا باقاعدہ استنباط واستخراج فرمایا ہے،

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وَاعْلَمْ اَنَّ قَوْلَهٗ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مُطْلَقٌ يَتَنَاوَلُ الْاَوْقَاتَ وَالْاَحْوَالَ وَيَتَنَاوَلُ جَمِيْعَ الْمَطْعُوْمَاتِ وَالْمَشْرُوْبَاتِ فَوَجَبَ اَنْ يَكُوْنَ الْاَصْلُ فِيْهَا هُوَالْحِلُّ فِيْ كُلِّ الْاَوْقَاتِ وَفِيْ كُلِّ الْمَطْعُوْمَاتِ وَالْمَشْرُوْبَاتِ اِلَّا مَاخَصَّهُ الدَّلِيْلُ الْمُنْفَصِلُ وَالْعَقْلُ اَيْضًا مُؤَيِّدٌ لَهٗ لِاَنَّ الْاَصْلَ فِي الْمَنَافِعِ الْحِلُّ وَالْاِبَاحَةُ ۔ (تفسیر کبیر ج ۴ ص ۲۰۱)

ترجمہ: جان لو کہ اللہ تعالیٰ کا قول كُلُوْا وَاشْرَبُوْا (کھاؤ پیو) مطلق ہے جو تمام اوقات اور احوال کو شامل اور اسی طرح تمام کھانے پینے کی چیزوں کو محیط ہے پس چاہیئے کہ تمام ماکولات اور مشروبات کو ہر وقت اور ہر حال میں کھانا جائز ہو۔ مگر جس کو کسی دلیل شرعی نے حرام کر دیا ہو اور عقل بھی اس کی تائید کرتی ہو۔ کیونکہ اصل تمام منافع میں حلت اور اباحت ہے اس تفسیری عبارت سے واضح ہو گیا کہ عقل و نقل سے ثابت ہے کہ منافع میں اصل حلت واباحت ہے اور اس اباحت اصلیہ کے قاعدہ کلیہ سے ہر ماکول و مشروب کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ بیضاوی شریف میں قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللهِ الَّتِيْ الآية کے تحت یہ تفسیر ملاحظہ کریں۔

وَفِيْهِ دَلِيْلٌ عَلٰى اَنَّ الْاَصْلَ فِى الْمَطَاعِمِ وَالْمَلَابِسِ وَاَنْوَاعِ التَّجَمُّلَاتِ الْاِبَاحَةُ.

ترجمہ: اور اس آیۃ میں اس پر دلیل ہے کہ کھانے پینے کی اچھی چیزوں میں اباحت اصل ہے۔

معلوم ہوا کہ اباحت اصلیہ کا قاعدہ کلیہ مفسرین کرام نے آیات مذکورہ سے استنباط فرما کر منافع اور جائز الاستعمال اشیا کو مباح فرمایا ہے۔

نوٹ: اکثر احناف اہل سنت اور اکثر شافعیہ کے نزدیک اصل اشیاء میں اباحت ہے اور بعض حنفیہ اور بعض شافعیہ کا خیال ہے کہ اصل اشیاء میں حرمت ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ جن اکثر احناف واکثر شافعیہ کے نزدیک اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ وہ اپنے اس مسلک میں رہ کر ان امور مخصوصہ میں اباحت کا قول کرتے ہیں۔ جو نہ شرع میں منہی عنہ ہیں نہ مامور بہ ہیں۔ یہ استنباط انکا اپنے موقف و مسلک کے لحاظ سے ہے اور یہ ان آئمہ کا اپنا علمی حق ہے اور یہ ان کا استنباطی منصب ہے اسی پر ہم اہل سنت وجماعت بھی عامل و قائم ہیں۔ رہے وہ بعض احناف و شوافع وغیرہم جو اباحت اصلیہ کو نہیں مانتے ہیں۔ جیسے کہ بعض دیوبندیہ اور وہابیہ حضرات اس کے قائل ہیں تو ہم ان حضرات کو چیلنج اس لیے نہیں کرتے ہیں کہ یہ حضرات ان بعض احناف و بعض شوافع کے پیروکار ہیں جو اباحت اصلیہ کے قائل نہیں ہیں

لیکن ہم ان حضرات کو یہ اختیار بھی نہیں دیتے ہیں کہ وہ ہم کو اصل اشیاء میں حرمت یا توقف کا اپنا پسندیدہ سبق سنائیں یا اپنے پسندیدہ موقف کو ہمارے اوپر بلا ترجیح ٹھونسیں۔ بلکہ وہ حضرات اپنے حدودِ پسند میں رہیں۔ بدعات سیئہ وغیرہ کے بے جا فتوے نہ جھڑیں۔ کہ امن قائم رہے اور اپنے فتنہ پسند

میں دوسروں کو نشانہ نہ بنائیں۔ اس وجہ سے میں نے اپنے ان مقالات میں نشانہ بازی سے احتراز کیا ہے۔ تحقیق کو ہی پسند کر کے اعتدال سے کام لیا ہے۔ وما توفیقی الا باللہ تعالیٰ۔

اصل اشیاء میں اباحت ہے یہ اکثر حنفیہ کا مسلک ہے۔ ملاحظہ کریں

وَلَا يَظْهَرُ ثَمَرَتُهُ اِلَّا فِي قَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا تَبِيْعُوا الطَّعَامَ اِلَّا سَوَاءً بِسَوَاءٍ فَاِنَّ عِنْدَنَا الْاَصْلُ هُوَ اِبَاحَةُ الرِّبٰوا حَتّٰى يَعْفُوَ عَنْهُ عَدَمُ الْقَدْرِ وَالْجِنْسِ وَاِنَّمَا ثَبَتَ الْحُرْمَةُ اِذَا وُجِدَ جَمِيْعُ الشَّرَائِطِ وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ الْاَصْلُ هُوَ الْحُرْمَةُ فِي كُلِّ حَالٍ فِي بَابِ الرِّبٰو۔

(تفسیر احمدی ص ۱۳)

ترجمہ: اور اصل میں اباحت یا حرمت کا ثمرہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان پر مرتب ہوتا ہے۔ جس میں آپ نے فرمایا کہ طعام کو نہ بیچو۔ مگر برابر سرابر ہم احناف (اہل سنت وجماعت) کے نزدیک ربوٰ میں اصل اباحت ہے حتیٰ کہ جب قدر اور جنس نہ ہوں تو زیادتی جائز ہوگی اور حرمت تب ثابت ہوگی جب تمام شرائط پائی جائیں اور امام شافعی کے نزدیک ہر حال میں اصل حرمت ہے۔ واضح ہوگیا کہ احناف کے نزدیک اشیاء میں اصل اباحت ہے۔

یاد رہے درمختار میں گو اہل سنت وجماعت کے مسلک کو توقف سے تعبیر کیا گیا ہے اور معتزلہ کا اباحت سے لیکن یہ ان کی لغزش یا سہو ہے اور اگر تمام اہل سنت احناف کا یہی مسلک توقف ہوتا تو تمام اشیاء میں توقف کو ہی اصل قرار دیا جاتا۔ حالانکہ مخالفین بھی تمام احناف کے حق میں توقف کا قول نہیں کرتے ہیں۔ اس لیے علامہ شامی ردالمحتار میں اس لغزش یا سہو کا تعاقب فرماتے ہیں

اَلرَّابِعُ اَنَّ نِسْبَةَ الْاِبَاحَةِ اِلَى الْمُعْتَزِلَةِ يُخَالِفُ لِمَا فِي كُتُبِ الْاُصُوْلِ فَفِي تَحْرِيْرِ ابْنِ الْهُمَامِ الْمُخْتَارُ الْاِبَاحَةُ عِنْدَ الْجُمْهُوْرِ الْحَنَفِيَّةِ وَالشَّافِعِيَّةِ اِذْ فِي شَرْحِ اُصُوْلِ الْبَزْدَوِيِّ لِلْعَلَّامَةِ الْاَكْمَلِ اَكْثَرُ اَصْحَابِنَا وَاَكْثَرُ اَصْحَابِ الشَّافِعِيِّ اَنَّ الْاَشْيَاءَ الَّتِيْ يَجُوْزُ اَنْ يَرِدَ الشَّرْعُ بِاِبَاحَتِهَا وَحُرْمَتِهَا قَبْلَ وُرُوْدِهِ عَلَى الْاِبَاحَةِ وَهِيَ الْاَصْلُ فِيْهَا حَتّٰى اُبِيْحَ لِمَنْ لَمْ يَبْلُغْهُ الشَّرْعُ اَنْ يَّاْكُلَ مَا شَاءَ وَاِلَيْهِ اَشَارَ مُحَمَّدٌ فِي الْاِكْرَاهِ حَيْثُ قَالَ اَكْلُ الْمَيْتَةِ وَشُرْبُ الْخَمْرِ لَمْ يُحَرَّمَا اِلَّا بِالنَّهْيِ فَجَعَلَ الْاِبَاحَةَ اَصْلًا وَالْحُرْمَةَ بِعَارِضِ النَّهْيِ وَهُوَ

قَوْلُ الْجُبَّائِيِّ وَاَبِيْ هَاشِمٍ وَّاَصْحَابِ الظَّاهِرِ وَقَالَ بَعْضُ اَصْحَابِنَا وَبَعْضُ اَصْحَابِ الشَّافِعِيِّ وَمُعْتَزِلَةُ بَغْدَادَ اَنَّهَا عَلَى الْحَظْرِ وَقَالَ الْاَشْعَرِيَّةُ وَعَامَّةُ اَهْلِ الْحَدِيْثِ اَنَّهَا عَلَى الْوَقْفِ ۔ ترجمہ: چوتھی وجہ یہ ہے کہ اباحت کی نسبت معتزلہ کی طرف کرنا کتب اصول کے منافی ہے کیونکہ امام ابن ہمام تحریر میں فرماتے ہیں۔ جمہور حنفیہ وشافعیہ کے نزدیک اس مسئلہ میں مختار اباحت ہے اور علامہ اکمل نے اصول بزدوی کی شرح میں فرمایا ہے۔ ہمارے اکثر اصحاب (احناف) اور اکثر اصحاب شافعی کا مذہب ہے کہ اشیاء میں وہ اشیاء جن کے اباحت وحرمت میں ارادہ شرع کیا جاتا ہے وہ ان میں ورود شرع سے قبل اباحت تھی اور یہی ان میں اصل ہے یہاں تک جس شخص تک شریعت نہیں پہنچی تو اس کے لیے جو وہ چاہے کھانا مباح ہے اور اس کی طرف امام محمد نے اکراہ میں اشارہ کیا ہے جہاں وہ فرماتے ہیں۔ مردار اور شراب کو نہی نے حرام کر دیا ہے۔ پس انہوں نے اباحت کو اصل قرار دیا اور حرمت کو نہی سے عارض ٹھہرایا ہے۔ اور جبائی اور ابوہاشم اور اصحاب ظاہر کا بھی یہی قول ہے اور بعض حنفیہ بعض شوافع اور معتزلہ بغداد کا مسلک یہ ہے کہ اصل اشیاء میں حرمت ہے اور اشعریہ اور عامہ اہلحدیث کا مسلک توقف ہے۔

معلوم ہوا کہ اکثر احناف اہلسنت اور اکثر شوافع کا مسلک یہ ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے اگرچہ بعض حنفیہ اور بعض شافعیہ اصل میں حرمت کے قائل ہیں۔ اور ہم اکثر احناف اور اکثر شوافع کے مسلک پسندیدہ پر عامل وقائم ہیں۔ بعض کا اختلاف ہم مانتے ہیں کہ وہ بھی موجود ہے لیکن ترجیح اکثر کو حاصل ہے۔ لہٰذا اکثریتی مسلک پر فتویٰ نہ لگایا جائے اور بعض پر طعن نہ کیا جائے۔ یہی احتیاط ہے۔

علامہ شامی کے اس تحقیق کو نہ مجمل قرار دیا جاسکتا ہے اور نہ ہی اس پر طعن کیا جاسکتا ہے کیونکہ علامہ شامی نے اکثر کتب اصول کے حوالہ سے اس تحقیق کو اخذ کیا ہے اور اس مسلک کی تائید علامہ محب اللہ بہاری بھی فرماتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

اِنَّ اَصْلَ الْاَفْعَالِ الْاِبَاحَةُ كَمَا هُوَ مُخْتَارُ اَكْثَرِ الْحَنَفِيَّةِ وَالشَّافِعِيَّةِ اَوِ الْحَظْرُ كَمَا ذَهَبَ اِلَيْهِ غَيْرُهُمْ ۔ (مسلم الثبوت ص ۳۱)

ترجمہ: بیشک اصل افعال میں اباحت ہے جس طرح اکثر احناف اور شوافع کا مختار ہے یا حرمت جو بعض

دوسرے لوگوں کا مذہب ہے

تنبیہ: بعض علماء ضد کی عادت رکھتے ہیں تو ہم انہیں معذور بھی سمجھتے ہیں ان کا خیال ہے کہ ورود شرع سے قبل زمانہ فترت میں جب اصل شریعت حقہ مٹ چکی تھی اور صحیح دلائل لوگوں کے پیش نظر نہ تھے تو اس دور کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت تھی یا حرمت یا توقف تھا. لہذا نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد اباحت وغیرہ اس مختلف فیہا قاعدہ سے استدلال کرنا خالص جہالت اور بڑی خیانت ہے اور اس دعویٰ پر وہ لوگ فواتح الرحموت کی عبارت پیش کرتے ہیں

وَاِنَّمَا هٰذَا اَيِ الْقَوْلُ بِالْاِبَاحَةِ الْاَصْلِيَّةِ عَلٰى زَمَانِ الْفَتْرَتِ قَبْلَ شَرِيْعَتِنَا يَعْنِيْ اِذْ لَا اِبَاحَةَ حَقِيْقَةً بَلْ بِمَعْنٰى نَفْيِ الْحَرَجِ وَلَعَلَّ الْمُرَادَ مِنَ الْاَفْعَالِ مَا عَدَا الْكُفْرِ وَنَحْوِهٖ فَاِنَّ حُرْمَتَهَا فِيْ كُلِّ شَرْعٍ بَيِّنٌ ظُهُوْرًا تَامًّا .

اور یہ بات یعنی اباحت اصلیہ کا قول ہماری شریعت سے قبل زمانہ فترت پر محمول ہے یعنی اباحت حقیقۃً نہیں ہے بلکہ اباحت بھی بایں معنی کہ حرج کوئی نہ ہوگا اور شاید کہ یہ افعال سے مراد کفر وغیرہ کے علاوہ ہیں کیونکہ کفر وغیرہ کی حرمت ہر ایک شریعت میں واضح اور غیر مبہم طور پر بیان کی گئی ہے

حالانکہ اس عبارت سے صرف یہ ثابت ہو رہا ہے کہ زمانہ فترت میں اباحت اصلیہ کے قول سے اباحت اپنے حقیقی معنی کے ساتھ مراد نہیں ہے بلکہ صرف نفی حرج کے معنے میں ہے . اور اس میں شک نہیں کہ زمانہ فترت میں شریعت اسلامیہ موجود نہ تھی وہاں سوائے کفر کے سب اشیاء مباح وحلال کے مرتبہ میں تھیں .

سوال: بعد ورود شرع اباحت کے لیے بھی دلیل کی ضرورت ہے ؟

جواب: اصول فقہ مسلم الثبوت اور اس کی معتبر شرح فواتح الرحموت کی عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ حرمت . اور وجوب کی دلیل کا نہ پایا جانا ہی دلیل اباحت ہے اباحت کے لیے اس کے علاوہ کسی نئی دلیل کی ضرورت نہیں ہے .

(اَلْاِبَاحَةُ حُكْمٌ شَرْعِيٌّ لِاَنَّهٗ خِطَابُ الشَّرْعِ تَخْيِيْرًا) وَالْخِطَابُ هُوَ الْحُكْمُ الشَّرْعِيُّ .

(وَالْإِبَاحَةُ الْاَصْلِيَّةُ نَوْعٌ مِّنْهُ) اَیْ مِنَ الْخِطَابِ بِالتَّخْيِيْرِ (لِاَنَّ كُلَّ مَاعَدِمَ فِيْهِ الْمُدْرِكُ الشَّرْعِيُّ لِلْحَرَجِ فِيْ فِعْلِهٖ وَتَرْكِهٖ فَذَالِكَ) اَیْ عَدْمُ الْمُدْرِكِ الشَّرْعِيِّ لَهُمَا (مُدْرِكٌ شَرْعِيٌّ بِحُكْمِ الشَّرْعِ بِالتَّخْيِيْرِ) وَالْإِبَاحَةُ الْاَصْلِيَّةُ لَايَكُوْنُ اِلَّا فِيْ مَوْضِعِ عَدْمِ الْمُدْرِكِ الشَّرْعِيِّ لِلْحَرَجِ فِي الْفِعْلِ وَالتَّرْكِ بَلْ بِحُكْمٍ بِخُصُوْصِهٖ اَصْلًا فَهُنَاكَ مُدْرِكٌ شَرْعِيٌّ لِلْحُكْمِ بِالتَّخْيِيْرِ فَالْاِبَاحَةُ الْاَصْلِيَّةُ فِيْهَا حُكْمٌ بِالتَّخْيِيْرِ (فَهِيَ لَاتَكُوْنُ اِلَّا بَعْدَ الشَّرْعِ خِلَافًا لِبَعْضِ الْمُعْتَزِلَةِ فَاِنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ بِالْاِبَاحَةِ وَغَيْرِهَا مِنَ الْاَحْكَامِ قَبْلَ الشَّرْعِ (فواتح الرحموت ج١ ص١١٢)

ترجمہ: اباحۃ شرعی حکم ہے کیونکہ وہ شرع کا ایسا خطاب ہے جس میں کرنے نہ کرنے کا اختیار ہے اور اباحت اصلیہ اسی خطاب تخییری کی ایک قسم ہے کیونکہ ہر وہ شئی جس میں فعل یا ترک پرضرر کی کوئی شرعی دلیل نہ پائی جائے تو یہ نہ پایا جانا اس چیز کی شرعی دلیل ہے کہ شارع نے یہاں اختیار کا حکم دیا ہے۔ اور اباحت اصلیہ کا حکم اس جگہ ہوگا جہاں فعل یا ترک پرضرر کی کوئی خصوصی دلیل نہ پائی جائے۔ پس یہ نہ پایا جانا اس اباحت کا حکم شرعی تصور ہوگا۔ اور اس اباحت اصلیہ کا حکم ورود شریعت کے بعد ثابت ہوگا بخلاف معتزلہ کے کیونکہ وہ اباحت اور دوسرے احکام کو ورود شرع سے قبل مانتے ہیں۔

عبارت مذکورہ سے واضح ہوگیا کہ اباحۃ اصلیہ کا حکم ورود شرع کے بعد ثابت ہوتا ہے اور یہی ہمارا مدعا ہے بلکہ یہی مسلک حق ہے۔ گوکہ معتزلہ اباحت کے حکم کو قبل ورود شرع مانتے ہیں ہم جس اباحت اصلیہ کو ورود شرع کے بعد مانتے ہیں وہ اصل میں شرعی حکم کے مرتبہ کا حامل ہے۔ اور ورود شرع کے قبل جو اباحت ہے وہ بمعنی دفع حرج کے معنے میں ہے اور شرعی حکم کا درجہ نہیں رکھتا ہے نہ اس میں ہمارا کلام ہے نہ مقصد ہے۔ (جامع العلوم والحکم ص ۲۴۹) میں حافظ عبدالرحمن بن رجب الحنبلی (المتوفی ص ۷۹۵) نے بھی دونوں اباحتوں کو الگ الگ قرار دیا ہے۔

احادیث مبارکہ

(۱) عَنْ اَبِيْ ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ فَرَضَ فَرَائِضَ فَلَاتُضَيِّعُوْهَا وَحَرَّمَ حُرُمَاتٍ فَلَاتَنْتَهِكُوْهَا وَحَدَّ حُدُوْدَهَا فَلَا

تَعْتَدُوْهَا وَمَاسَكَتَ عَنْ اَشْيَاءَ مِنْ غَيْرِ نِسْيَانٍ فَلَا تَبْحَثُوْا عَنْهَا ۔ (مشکوٰۃ شریف ص۳۲)

ترجمہ: ابو ثعلبہ خشنی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے چند چیزوں کو فرض کیا۔ پس ان فرائض کو مت ضائع کرو۔ اور کچھ چیزوں کو حرام فرما دیا تو ان حرام کی ہوئی چیزوں کی پردہ دری مت کرو۔ اور بعض چیزوں کی حدود مقرر فرمائیں پس ان حدود سے تجاوز مت کرو۔ اور باقی اشیاء سے اللہ تعالیٰ نے بغیر نسیان کے سکوت فرمایا تو ان میں بحث نہ کرو۔

حدیث مبارکہ کی عبارت سے واضح ہوا کہ ورود شرع کے بعد فرائض۔ محرمات۔ اور مسکوت عنہا۔ تین قسم کے احکام ہیں۔ نیز مسکوت عنہا اشیاء سے بحث و ٹکراؤ یا انکار کرنا منہی عنہ کا ارتکاب کرنا ہے حدیث مذکور پر شرح ملاحظہ ہو۔

اَیْ لَا تُفَتِّشُوْا عَنْ تِلْكَ الْاَشْیَاءِ دَلَّ عَلٰی اَنَّ الْاَصْلَ فِی الْاَشْیَاءِ الْاِبَاحَةُ كَقَوْلِهٖ تَعَالٰی هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۔ (مرقات ج ۱ ص۲۶۳)

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے باقی چیزوں سے بحث مت کرو۔ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔

یہ عبارت بتا رہی ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے اور قانون اباحت ورود شرع کے بعد اس قول باری تعالیٰ سے معلوم ہوا کہ اللہ وہ ہے جس نے تمہارے (نفع) کے لیے پیدا فرمایا۔ تمام جو کچھ زمین میں ہے اور آیت خلق لکم جیسی کے ورود کے بعد اباحت اصلیہ کا شرعی حکم معلوم ہوا۔ تفسیر بیضاوی اور اس کا حاشیہ شیخ زادہ کی عبارت ملاحظہ ہو۔

(قَوْلُهٗ وَهُوَ یَقْتَضِیْ اِبَاحَةَ الْاَشْیَاءِ النَّافِعَةِ) فَلِذٰلِكَ ذَهَبَ جَمَاعَةٌ مِّنْ اَهْلِ السُّنَّةِ مِنَ الْحَنَفِیَّةِ وَالشَّافِعِیَّةِ مِنْهُمُ الْاِمَامُ فَخْرُ الدِّیْنِ الرَّازِیْ اِلٰی اَنَّ الْاَصْلَ فِی الْاَشْیَاءِ النَّافِعَةِ هُوَ الْاِبَاحَةُ اِلَّا اَنْ یَّدُلَّ دَلِیْلٌ سَمْعِیٌّ عَلٰی حَظْرِهٖ فَتَثْبُتَ الْحُرْمَةُ حِیْنَئِذٍ وَبَنَوْا هٰذِهِ الْمَسْاَلَةَ عَلٰی نَصِّ هٰذِهِ الْاٰیَةِ وَاسْتَدَلُّوْا بِهٖ عَلَیْهَا ۔

صاحب بیضاوی کا قول کہ (خلق لکم ما فی الارض جمیعًا) یہ کلام چاہتا ہے اشیاء نافعہ

ہیں اباحت کو) پس اس کی وجہ سے ایک جماعت اہل سنت حنفیہ اور شافعیہ سے جن میں امام فخرالدین رازی بھی ہیں۔ ادھر چلے گئے ہیں کہ اشیاء نافعہ ہیں اصل اباحت ہے مگر یہ کہ کوئی سمعی (نقلی) دلیل دلالت کرے کسی شئی کے ممنوع ہونے پر تو حرمت اس وقت ثابت ہوجائیگی اور (اباحت اصلیہ) کے مسئلہ کو اس نص پر بناء کیا ہے اور اسی آیت سے اباحت اصلیہ پر دلیل پیش کی ہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ اور اس کے محشی شیخ زادہ کا یہی نظریہ ہے۔ جماعت اہل سنت حنفیہ شافعیہ ورود شرع کے بعد اباحۃ اصلیہ پر اس آیت کریمہ سے استدلال کرتے ہیں اور اشیاء کو نافعہ سے اس لیے مقید فرمایا ہے کہ لکم میں لام انتفاع کے لیے ہے۔ چاہے انتفاع بلا واسطہ ہو جیسے کھانے پینے کی چیزیں ہیں۔ یا پہننے کی چیزیں ہیں یا بالواسطہ اشیاء نافعہ ہوں جیسے، حیوانات کی غذائیں بھی انسان کے لیے بواسطہ حیوانات نافعہ کے نفع بخش ہیں۔ یہ دنیاوی طور پر اشیاء نافعہ ہیں۔ دینی طور پر ہر شئی انسان کیلیے نافع ہیں کیونکہ ایک مسلم اشیاء کی تخلیق سے خالق کی معرفت حاصل کرتا ہے اور اشیاء نافعہ بلاواسطہ جنت کی نعمتوں کی معرفت کا ذریعہ ہیں اور اشیاء ضارہ کے ذریعے دوزخ کے انواع ضارہ کی عبرت حاصل ہوتی ہے۔ بہرحال آیت مذکورہ اباحت اشیاء پر دلالت کر رہی ہے

اَلْاِبَاحَۃُ حُکْمٌ شَرْعِیٌّ لِاَنَّہٗ خِطَابُ الشَّرْعِ تَخْیِیْرًا وَالْاِبَاحَۃُ الْاَصْلِیَّۃُ نَوْعٌ مِّنْہُ لِاَنَّ کُلَّ مَاعَدَمَ فِیْہِ الْمُدْرَکُ الشَّرْعِیُّ لِلْحَرَجِ فِیْ فِعْلِہٖ وَتَرْکِہٖ فَذَالِکَ مُدْرَکٌ شَرْعِیٌّ لِحُکْمِ الشَّارِعِ بِالتَّخْیِیْرِ فَھِیَ لَاتَکُوْنُ اِلَّا بَعْدَ الشَّرْعِ خِلَافًا لِّلْبَعْضِ الْمُعْتَزِلَۃِ۔ (مسلم الثبوت صـ۴۵)

اباحت حکم شرعی ہے کیونکہ یہ شرع کا تخییری خطاب ہے اور اباحت اصلیہ اس خطاب کی ایک قسم ہے اس لیے کہ وہ ہر چیز جس ہیں فعل یا ترک پر ضرر کی دلیل شرعی نہ پائی جائے پس اس کا عدم وجدان ہی شارع کے حکم اباحت پر دلیل شرعی ہے۔ پس اباحت اصلیہ کا یہ حکم ثابت نہیں ہوگا۔ مگر بعد ورود شرع کے بخلاف بعض معتزلہ کے۔

عبارت مسلم الثبوت سے واضح ہوا کہ ہم جس اباحت میں کلام کرتے ہیں یہ اباحت حکم شرعی کا

خطاب تخییری ہے اور اباحت اصلیہ خطاب شرع تخییری کی ایک قسم ہے ہم جس اباحت میں کلام کرتے ہیں یہ جہاں مدارک شرعی فعل یا ترک کے متعلق نہ پایا جائے تو یہی مدارک شرعی ہے شارع کے حکم تخییری کے لیے اور حکم شارع ورود شرع کے بعد ہی ہوتا ہے یہی ہمارا مدعی ہے یہی بات مخالفین نے خود بھی لکھی ہے اور ان کے اکابرین نے بھی لکھی ہے۔ ملاحظہ ہو عمل مولود شریف بہ ہیئت وقیود مخصوصہ ظاہر ہے کہ نہ کسی دلیل شرعی سے مامور بہ ہے اور نہ کسی دلیل شرعی سے ممنوع تو فی حد ذاتہ مباح ٹھہرا۔ طریقہ مولود صہ ۱۳ از مولوی اشرف علی تھانوی۔ ہم بھی مولود شریف کو غیر شرعی امور سے پاک کی قید سے مقید کر کے مباح و مستحسن سمجھتے ہیں اور مباح حکم شرعی ہوتا ہے۔

دوسری عبارت جو فعل نہ مامور بہ ہو نہ منہی عنہ ہو۔ نصوص شرعیہ میں نہ اس کے کرنے کی ترغیب اور نہ اس کے کرنے کی ممانعت تو ایسا امر مباح ہوتا ہے۔ صفحہ ۱۴ طریقہ مولود شریف۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ کے تحت صہ ۱۶۱ حاشیہ ۷ پر مولوی شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں

جو چیز شارع نے تصریحاً بیان نہیں فرمائیں ان کے متعلق فضول اور دور از کار سوالات مت کیا کرو جس طرح تحلیل و تحریم کے سلسلہ میں شارع کا بیان موجب ہدایت و بصیرت ہے اس کا سکوت بھی ذریعہ رحمت و سہولت ہے۔ خدا نے جس چیز کو کمال حکمت و عدل سے حلال و حرام کر دیا۔ وہ حلال یا حرام ہو گئی اور جس سے سکوت کیا اس میں گنجائش اور توسیع رہی مجتہدین کو اجتہاد کا موقعہ ملا۔ عمل کرنیوالے اس کے فعل یا ترک میں آزاد ہیں اور حاشیہ ۸ پر ہے۔ چنانچہ اس سے بعض علماء اصول نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔

عبارات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ مخالفین کے ہاں بھی یہ قاعدہ ہے کہ ورود شرع کے بعد اصل اشیاء میں اباحت ہے یعنی جہاں فعل نہ مامور بہ ہو اور نہ ہی منہی عنہ ہو نصوص شرعیہ میں اس کی ترغیب یا ممانعت کی تصریح نہ ہو تو وہ فعل مباح ہوتا ہے۔ ویسے یہ الگ بات ہے کہ ضد میں آکر یہ حضرات مخالفین اپنے قاعدہ کو چھوڑ جاتے ہیں۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ اَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ يَأْكُلُوْنَ اَشْيَاءَ وَيَتْرُكُوْنَ اَشْيَاءَ تَقَذُّرًا فَبَعَثَ اللّٰهُ نَبِيَّهٗ وَاَنْزَلَ كِتَابَهٗ وَاَحَلَّ حَلَالَهٗ وَحَرَّمَ حَرَامَهٗ فَمَا اَحَلَّ فَهُوَ حَلَالٌ وَّمَا حَرَّمَ فَهُوَ حَرَامٌ وَّمَا سَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ عَفْوٌ۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ کچھ چیزوں کو کھاتے اور کچھ چیزیں کراہت سے چھوڑ دیتے تھے پس اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مبعوث فرمایا اور اپنی کتاب نازل فرمائی جس نے حلال کو حلال کر دیا اور حرام کو حرام۔ پس جسے اللہ نے حلال کیا وہ حلال ہے۔ جسے حرام کیا وہ حرام ہے اور جس سے اللہ نے سکوت کیا وہ عفو ہے۔

حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ چیزیں تین قسم کی ہیں۔ حلال۔ حرام اور تیسری چیز مسکوت عنہ جو کہ معاف ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اشیاء مذکورہ ورود شرع کے بعد ان قسموں میں تقسیم ہوئی ہیں اس لیے شیخ عبد الحق محدث دہلوی مرحوم اس کے تحت فرماتے ہیں۔

از ینجا معلوم میشود کہ اصل در اشیاء اباحت است

یعنی اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے

یعنی حدیث شریف کے الفاظ دعبارت سے معلوم ہوا کہ اصل میں اباحت شرعیہ ہے

عَنْ سَلْمَانَ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ السَّمْنِ وَالْجُبْنِ وَالْفَرْوِ فَقَالَ الْحَلَالُ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ فِيْ كِتَابِهٖ وَالْحَرَامُ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فِيْ كِتَابِهٖ وَمَا سَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ مِمَّا عَفَا عَنْهُ۔ مشکوٰۃ شریف ص۳۶۷ رواہ ابن ماجہ والترمذی)

حضرت سلمان سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام سے روغن پنیر اور پوستین یا حمار وحشی کے بارے سوال کیا گیا۔ کیا یہ حلال ہیں۔ پس آپ نے فرمایا کہ حلال وہ ہے جس کے حلال ہونے کا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرما دیا اور جس چیز سے اللہ نے سکوت فرمایا تو وہ معاف ہیں اس کے تحت بھی شیخ عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ نے اصل اشیاء میں اباحت کا فائدہ بیان فرمایا ہے اور نیز حدیث شریف سے احکام ثلثہ کا واضح بیان معلوم ہو جاتا ہے کہ پہلا حلال دوسرا حرام تیسرا مسکوت عنہ جو کہ معاف کا حکم رکھتا ہے۔

وَاِنَّمَا جَعَلْنَا الْمُبِيْحَ اَصْلًا وَّالْمُحَرِّمَ نَاسِخًا بِنَاءً عَلٰى زَمَانِ الْفَتْرَةِ بَيْنَ عِيْسٰى وَمُحَمَّدٍ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ. قَبْلَ شَرْعِ نَبِيِّنَا فَاِنَّهٗ كَانَ الْاِبَاحَةُ اَصْلًا حِيْنَئِذٍ ثُمَّ بَعَثَ نَبِيَّنَا عَلَيْهِ السَّلَامُ يُبَيِّنُ الْاَشْيَاءَ الْمُحَرَّمَةَ وَبَقِيَ مَاسِوَاهَا حَلَالًا مُّبَاحًا. (تفسیر احمدی صہ ۱۴)

ہم نے مُبیح کو اصل اور محرم کو ناسخ اس وجہ سے بنایا ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام اور حضرت سیدنا محمد کے درمیان زمانہ فترت میں اشیاء کی اصل اباحت تھی پھر نبی علیہ السلام مبعوث ہوئے اور آپ نے بعض اشیاءَ کی حرمت بیان فرمائی اور باقی اشیاء اپنی اصل پر مباح رہیں یعنی اب ان کے لیے اباحت کا حکم ثابت ہوگیا۔ نورالانوار صہ ۲۳۲

وَالْقَلِيْلُ غَيْرُ مُتَعَرَّضٍ بِهٖ اَصْلًا لَا فِى الْمُسْتَثْنٰى وَلَا فِى الْمُسْتَثْنٰى مِنْهُ فَبَقِيَ عَلَى الْاَصْلِ الَّذِىْ هُوَ الْاِبَاحَةُ فَيَجُوْزُ بَيْعُ الْحَفْنَةِ بِالْحَفْنَةِ وَكَذَا بِالْحَفْنَتَيْنِ.

اور طعام قلیل کا ذکر نہ مستثنٰی میں ہے نہ مستثنٰی منہ میں پس. قلیل اپنی اصل پر رہا. اور وہ اصل اباحت اصلیہ ہے پس ایک مٹھی کی بیع ایک اور دو مٹھی دونوں کے ساتھ ہوسکتی ہے.

معلوم ہوا کہ طعام بدلہ طعام کے مساوات کے ساتھ بیچنا جائز ہے جبکہ جنس وقدر ایک ہوں اور اندازہ سے بیچنا یا زیادتی سے بیچنا ناجائز ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔

اِذَا جَمَعَ بَيْنَ خِصَالِ الْكَفَّارَةِ فَاِنَّ الْاِتْيَانَ بِالْمَاْمُوْرِبِهٖ اِنَّمَا يَكُوْنُ فِىْ وَاحِدٍ مِّنْهَا. وَجَوَازُ غَيْرِهَا اِنَّمَا هُوَ بِحُكْمِ الْاِبَاحَةِ الْاَصْلِيَّةِ حَتّٰى لَوْلَمْ يَكُنْ لَمْ يَجُزْ

(تلویح صہ ۳۰۲)

اس عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ قسم کے کفارہ میں دس مساکین کو کھانا کھلایا جائے یا پھر انہیں کپڑے پہنائے جائیں یا غلام آزاد کیا جائے. اگر ان میں سے کسی ایک قسم کے ساتھ کفارہ ادا کر لیا گیا اور ساتھ ہی دوسری قسموں کو بھی ادا کیا گیا تو وہ بھی جائز ہے کیونکہ اصل اشیاء میں اباحت ہے اور اگر اباحت اصلیہ نہ ہوتی تو باقی کو ادا کرنا جائز نہ ہوتا۔

معلوم ہوا کہ اباحت اصلیہ شرعیہ کا قانون بعد ورود شرع حق وصواب ہے۔

مقاصدِ بحث

بدعت حسنہ وسیئہ اور بحث اباحت اصلیہ کے فوائد و نتائج

اس ساری بحث بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ کی تعریف و تقسیم اور دلائل و مباحث و تحقیق و ترتیب سے غرض یہ تھی ۔ ۱ کہ ایک تو اس تحقیق و ترتیب سے اہل قلم و اہل فہم حضرات کو مزید تحقیق و تجسس سے زیادہ فوائد جدیدہ اور دلائل حاصل ہوں ۔ ۲ یہ کہ ہر بدعت کو گمراہی تصور کرنے والے اس گمراہی میں نہ ڈوبیں بلکہ ہدایت و نجات کے لیے بھی سوچیں ۔ ۳ اس موجودہ ترقی یافتہ دور میں تحقیق و تجسس کے ذریعے ملت اسلامیہ کی ترقی و تشکیلِ جدید کے لیے عملاً سوچنا ضروری ہوگیا ہے ۔ نیز موجودہ سائنس و ٹکنالوجی کے ذریعے قوت اسلام کے لیے بدعت حسنہ اور اباحتِ اصلیہ کے ذریعے جدید مشکل مسائل کے حل کے لیے اجتہاد ناگزیر ہوگیا ہے ۔ ورنہ ہر بدعت کے ضلال کے عموم و اطلاق کے پیش نظر عام مشکلات میں ابتلاء کا سامنا کرنا لازم آئے گا ۔ ۴ ہم میلاد شریف کو بطور امر مباح جو کہ شرعی حکم تخییری ہے امر مستحسن بہ نیت تعظیم و محبت و شوکتِ اسلام اور تزکیہ و وعظ مناتے آرہے ہیں اور بدعت حسنہ کا مصداق بھی سمجھ کر میلاد شریف کو کثیر مقاصد شرعیہ مستحسنہ کے حصول کے لیے اہتمام کرتے ہیں اسی طرح امر مباح امر مستحسن و بدعت حسنہ سمجھتے ہوئے تمام ذکر و اذکار تصنیف و تالیف ۔ مدرسوں کا قیام وغیرہ اور ایصال ثواب کے تمام محافل تیسرا ۔ دسواں ۔ چہلم ۔ شب برأت ۔ شب قدر ۔ معراج نبوی اور دسویں محرم ۔ محفل گیارہویں شریف ۔ بعد جنازہ دعا ۔ و فاتحہ کرنا اور اس طرح بعد نماز سنن و نوافل دعا کرنا کارِ ثواب سمجھتے ہیں ۔

بدعت کی تحقیق پر جامعہ ازہر کے استاد الشیخ علی محفوظ صاحب نے الابداع فی مضار الابتداع کو تصنیف کیا ہے ۔ اس میں باب اول کی الفصل الاول فی البدعۃ و معناھا کے تحت علامہ شاطبی کی تعریف بدعت کو آغاز میں بطور خلاصہ ذکر کیا ہے

فَالْبِدْعَةُ اِذًا هِيَ عِبَارَةٌ عَنْ طَرِيْقَةٍ فِي الدِّيْنِ مُخْتَرَعَةٍ تُضَاهِي الشَّرْعِيَّةَ يُقْصَدُ بِالسُّلُوْكِ عَلَيْهَا الْمُبَالَغَةُ فِي التَّعَبُّدِ لِلّٰهِ سُبْحَانَهٗ

پس بدعت عبارت ہے (جبکہ بغیر مثال سابق کے معنے میں ہے) دین میں ایسا طریقہ سے جو اختراع گھڑا گیا ہو۔ وہ شرعی امر سے مشابہت رکھتا ہو اس اختراعی طریقہ پر چلنے میں اللہ سبحانہٗ کی عبادت میں مبالغہ مقصود ہو۔ صاحب ابداع فرماتے ہیں۔ هٰذَا رَأْيُ مَنْ لَّا يُدْخِلُ الْعَادَاتِ فِيْ مَعْنَى الْبِدْعَةِ وَاِنَّمَا يَخُصُّهَا بِالْعِبَادَاتِ

یہ (تعریف) رائے اس شخص کی ہے جو عادات کو بدعت کے معنے میں داخل نہیں کرتا ہے اور وہ بدعت کو صرف عبادات کے ساتھ خاص کرتا ہے۔ وَاَمَّا عَلٰى رَأْيِ مَنْ اَدْخَلَ الْاَعْمَالَ الْعَادِيَةَ فِيْ مَعْنَى الْبِدْعَةِ فَيَقُوْلُ (اَلْبِدْعَةُ طَرِيْقَةٌ فِي الدِّيْنِ مُخْتَرَعَةٌ تُضَاهِي الشَّرْعِيَّةَ يُقْصَدُ بِالسُّلُوْكِ عَلَيْهَا مَا يُقْصَدُ بِالطَّرِيْقَةِ الشَّرْعِيَّةِ)

اور اس شخص کی رائے پر جو اعمال عادیہ کو بدعت کے معنے میں داخل کرتا ہے۔ تو وہ یوں کہتا ہے۔ (بدعت دین میں ایسا اختراعی طریقہ ہے جو شریعت سے مشابہت رکھتا ہے اس بدعت پر چلنے کا طریقہ وہی رکھا جاتا ہے جو طریقہ شرعیہ سے مقصود ہوتا ہے۔

فائدہ: پہلی تعریف لغوی معنے کو مدنظر رکھ کر کی گئی ہے۔ اور وہ لغوی معنیٰ یہ ہے الاختراع علیٰ غیر مثال سابق ایسی نئی چیز کا ایجاد کرنا جس کی پہلے مثال نہ ہو۔ وَاِنَّهَا كُلُّ مَا اُحْدِثَ عَلٰى غَيْرِ مِثَالٍ سَابِقٍ۔ اور بدعت ہر وہ چیز ہے جو سابقہ مثال کے بغیر ایجاد کی گئی ہو۔ (قاموس)

والبدع اَلْاَمْرُ الَّذِيْ يَكُوْنُ اَوَّلًا۔ بدعت وہ امر ہے جو پہلا ہو (لسان العرب) صرف فرق یہ ہے لغوی معنی عام ہے عادات و عبادات دونوں کو شامل ہے دینی اور دنیاوی سب چیزوں کو شامل ہوتا ہے۔ علامہ شاطبی نے معنی عام کو خاص کرکے بیان کر دیا ہے اور بدعت کو صرف عبادات سے مختص کر دیا اور عادات کو خارج کر دیا ہے یہ ان کی اپنی رائے ہے اور اس تخصیص کے لیے ان کو تاویلوں کے سہارے اختیار کرنے پڑے ہیں۔

اور دوسری تعریف: میں عبادات و عادات سب کو شامل کر دیا گیا ہے۔ اس لیے کہ اس تعریف میں فی تتعبد للہ سبحانہ کی قید نہیں لگائی گئی ہے۔

معلوم ہوا کہ بدعت کی تعریف میں دو رائے ہیں ایک یہ کہ بدعت صرف عبادت میں خاص ہے اور دوسری یہ کہ، بدعت عبادت و عادت والی سب چیزوں میں جاری ہوتی ہے۔ دوسری تعریف معنی لغوی کے زیادہ قریب بھی ہے اور اس عام معنے کے اندر تخصیص کی بھی زحمت نہیں ہے۔

وَعَرَّفَهَا الْعَلَّامَةُ الشُّمُنِّيُّ بِأَنَّهَا مَا أُحْدِثَ عَلَىٰ خِلَافِ الْحَقِّ الْمُتَلَقَّىٰ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عِلْمٍ أَوْ عَمَلٍ أَوْ حَالٍ بِنَوْعِ شُبْهَةٍ أَوِ اسْتِحْسَانٍ وَجُعِلَ دِيْنًا قَوِيْمًا وَصِرَاطًا مُسْتَقِيْمًا وَهُوَ قَرِيْبٌ مِنْ تَعْرِيْفِ الشَّاطِبِيِّ وَالْمُرَادُ بِالْعِلْمِ الْاِعْتِقَادُ وَبِالْحَالِ هَيْئَةُ الْعَمَلِ.

اور بدعت کی علامہ شمنی نے تعریف اس طرح کی ہے کہ بدعت وہ چیز ہے جو حق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ملا ہے اس کے خلاف ہو چاہے وہ حق علم ہو یا عمل ہو یا حال ہو کسی نوع شبہہ یا استحسان کے سبب اور اسے دین قویم اور صراط مستقیم ٹھہرایا گیا ہو۔ اور یہ تعریف شاطبی کی تعریف بدعت کے قریب ہے اور علم سے مراد اعتقاد ہے اور حال سے مراد ہیئت عمل ہے۔

فائدہ: اس تعریف بدعت میں علم۔ عمل اور حال کو بدعت میں داخل کر لیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے یہ پہلی تعریفوں کے غیر بھی ہے اور ان سے عام بھی ہے۔

معلوم ہوا کہ تعریف بدعت پر اتفاق قائم نہ ہو سکا۔ لہٰذا شاطبی کی تعریف کو ہی آخری نکتہ تحقیق سمجھنا بڑی غلطی ہے۔ اور صاحب الابداع کا یہ کہنا کہ یہ تعریف۔ شاطبی کے قریب ہے۔ محض ایک تاویل ہے۔ جس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

صاحب ابداع الفاظ تعریف پر تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ فَمَعْنٰى مُخْتَرَعَةٍ اَنَّهَا لَمْ يَكُنْ لَّهَا اَصْلٌ فِي الشَّرِيْعَةِ۔ اختراع کا معنی یہ ہے کہ اس بدعت کی اصل شریعت میں نہ ہو اس پر سوال ہوا کہ بعض چیزیں اختراع کی گئی ہیں لیکن وہ دین سے متعلق ہیں۔ جیسے علم صرف و نحو۔ مفردات لغت اصول فقہ۔ اصول دین۔ اور سارے علوم خادمہ شریعت ہیں تو اس کا جواب دیا کہ فَاِنَّهَا وَاِنْ لَّمْ تُوْجَدْ فِي الزَّمَانِ الْاَوَّلِ فَلَهَا اَصْلٌ فِي الدِّيْنِ فَلَا تُسَمّٰى بِدْعَةً وَمَنْ سَمَّاهُ بِدْعَةً

فَاَمَّا عَلَی الْمَجَازِ۔ اور بیشک یہ چیزیں اگرچہ زمانہ اول میں نہیں پائی گئی ہیں لیکن ان کی اصل دین میں ہے تو انہیں بدعت نہیں کہا جائے گا۔ اور جس نے ان کو بدعت کہا ہے۔ پس یا مجازی طور پر ہے کَمَا سَمّٰی عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قِیَامَ رَمَضَانَ بِدْعَۃً جیسے نام رکھا عمر بن خطاب نے قیام رمضان کا بدعت۔

وَاِمَّا جَھْلاً لِمَوَاقِعِ السُّنَّۃِ وَالْبِدْعَۃِ اور یا سنت و بدعت کے واقع ہونے کی جگہوں کو نہ جاننے کی وجہ سے ہے۔

تاہم صاحب ابداع نے تسلیم کر لیا ہے کہ جس کی اصل شریعت میں نہ ہو وہ بدعت اختراعی ہے لیکن ساتھ ہی علوم خادمہ کے اختراع کو بدعت سے نکالدیا ہے حالانکہ یہ علوم بھی بغیر مثال سابق کے ایجاد کئے گئے ہیں لیکن چونکہ ان سے دین کو مدد مل رہی ہے لہٰذا ایسے علوم و اعمال کو بدعت سیئہ اور بدعت ضلالہ اس لیے نہیں کہیں گے کہ ان سے دین کو مدد حاصل ہوتی ہے یا اعمال حسنہ کا فائدہ حاصل ہو رہا ہے اور ہر امر خیر کو بدعت ضلالت کہنا خود بدعت ضلالت ہے۔ دوسری لغزش یہ ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے قیام رمضان کو بدعت بطور مدح کے کہا ہے اور علامہ شاطبی بدعت حادثِ مذموم کو کہتے ہیں خلیفہ راشد حادث مذموم کی مدح نہیں کر سکتے ہیں۔ صاحب ابداع نے بدعت کے اقسام خمسہ کو بھی نقل کیا ہے اور ان اقسام خمسہ کو بدعت کی دوسری تعریف کے اعتبار سے بیان کیا ہے۔ بدعت حسنہ کے اقسام بدعت واجبہ۔ بدعت مندوبہ۔ بدعتِ مباحہ۔ بدعت سیئہ کے اقسام بدعت محرمہ۔ بدعت مکروہہ (الابداع ص۶۹)

حاشیہ ابداع پر مواقف و شرح مواقف سے منقول ہے کہ

اَلْقَبِیْحُ عِنْدَنَا مَا نُھِیَ عَنْہُ شَرْعًا نَھْیَ تَحْرِیْمٍ اَوْ تَنْزِیْہٍ وَالْحَسَنُ بِخِلَافِہٖ اَیْ مَالَمْ یُنْہَ عَنْہُ شَرْعًا کَالْوَاجِبِ وَالْمَنْدُوْبِ وَالْمُبَاحِ فَاِنَّ الْمُبَاحَ عِنْدَ اَکْثَرِ اَصْحَابِنَا مِنْ قَبِیْلِ الْحَسَنِ۔

قبیح ہمارے نزدیک وہ ہے جس سے شرعاً نہی تحریم کی ہوئی ہو۔ یا نہی تنزیہی کی ہوئی ہو۔ بیشک مباح ہمارے اکثر اصحاب کے ہاں حسن کے قبیلہ سے ہے مزید یہ حاشیہ نقل کیا ہے کہ اَلْمُرَادُ الْاَدِلَّۃُ الْعَامَّۃُ الْاِجْمَالِیَّۃُ جس بدعت واجبہ پر دلائل وجوب قائم ہوں یا قواعدِ وجوب قائم ہوں وہاں دلائل عامہ سے اجمالیہ ادلہ

مراد ہیں جیسے واجب کا مقدمہ واجب ہوتا ہے۔ اور فساد کو دور کرنا مقدم ہوتا ہے مصلحت کے حصول پر دلائل سے نصوص معینہ جزئیہ جو ہر ہر فرد پر منطبق ہوں مراد نہیں ہیں۔

علامہ شاطبی نے اعتصام میں اس تقسیم بدعت حسنہ وسیئہ جو اقسام خمسہ کی طرف ہوتی ہے اس پر نکتہ چینی کی ہے کہ اس تقسیم پر عقل ونقل رہنمائی نہیں کررہی اور قرافی نے اپنے شیخ عزالدین بن عبدالسلام کے اتباع میں بدعت پر کافی شافی بحث کی ہے۔

اِعْلَمْ اَنَّ الْاَصْحَابَ فِیْمَا رَأَیْتَ مُتَّفِقُوْنَ عَلٰی اِنْکَارِ الْبِدَعِ وَالْحَقُّ التَّفْصِیْلُ وَاَنَّهَا خَمْسَةُ اَقْسَامٍ (قِسْمٌ وَاجِبٌ) وَهُوَ مَا تَنَاوَلَتْهُ قَوَاعِدُ الْوُجُوْبِ وَاَدِلَّتُهُ مِنَ الشَّرْعِ كَتَدْوِیْنِ الْقُرْاٰنِ وَالشَّرَائِعِ اِلٰی اٰخِرِ مَا مَرَّ مِنَ الْاَقْسَامِ الْخَمْسَةِ (الابداع ص۵)

جان تو بیشک ہم مسلک ساتھیوں کو میں نے دیکھا کہ وہ بدعتوں کے انکار پر اتفاق رکھتے ہیں لیکن حق تفصیل ہے اور وہ بدعت پانچ اقسام پر ہے ایک قسم واجب ہے اور یہ وہ ہے جس کو قواعد وجوب اور ادلہ وجوب شرع سے شامل ہوں جیسے تدوین قرآن وشرائع میں اقسام خمسہ کے آخر تک۔

معلوم ہوا کہ صاحبِ ابداع کے ہاں اقسام خمسہ کے قائلین بھی خاصی تعداد رکھتے ہیں اور حق تفصیل میں ہے یہ صرف نہیں ہے کہ حادثِ مذموم ہی کو بدعت قرار دیا جائے۔ رہا یہ کہ اگر اقسام خمسہ پر دلائل موجود ہیں تو یہ بدعت نہ ہوئے اور اگر دلائل موجود نہیں ہیں۔ تو پھر واجب اور مندوب وغیرہ کیسے ہوئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مطلق بدعت دو قسم ہے حسنہ اور سیئہ اور بدعت حسنہ واجب۔ مندوب۔ مباح پر تقسیم ہوتی ہے اور سیئہ۔ حرام۔ مکروہ کی طرف تقسیم کی گئی ہے نہ ہر بدعت حسنہ ہے اور نہ ہی ہر بدعت سیئہ ہے اور اصحاب سے مراد ساری امت مراد نہیں ہے بلکہ اصحاب ہم مسلک مراد ہیں۔ صاحب ابداع خود ہی محاکمہ کرتے ہیں کہ اس لحاظ سے کہ دلیل معین بدعت واجبہ ومندوبہ پر موجود نہیں ہے تو یہ بدعت قرار پائی گئیں اور اس اعتبار سے کہ قواعد شرع انکے استحسان پر دلالت کررہے ہیں تو اس اعتبار سے یہ مستحسن ہوگئیں۔

یاد رہے کچھ بھی کہا جائے مطلق بدعت کی تعریف میں بھی اختلاف ہے اور ساتھ ہی بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ بدعت کی قسمیں بھی ہیں پھر ہر ایک حسنہ اور سیئہ اقسام خمسہ کی طرف تقسیم بھی

ہوتی ہے اور یہی ہمارا مدعا ہے۔ صاحب ابداع کہتے ہیں کہ جن لوگوں نے بدعت کو اقسام خمسہ کی طرف تقسیم کیا ہے وہ بدعت کی یہ تعریف کرتے ہیں کہ بدعت ہر وہ چیز ہے جو نبی علیہ السلام کے بعد ایجاد ہوئی ہو۔ خیر ہو یا شر۔ عبادت ہو یا عادت ہو۔ وہ حضرات ان عمومات میں تخصیص کے قائل ہیں اور وہ بدعت کو اس حادث مذموم پر حصر کرتے ہیں جس کی شرع نے اجازت نہیں دی ہو اور یہ وہی ہے جس کا مرجع دلیل شرعی نہ اجمالی ہو یا نہ تفصیلی ہو۔ بخلاف اس محدث کے کہ جس کی اصل شرع سے ہو تو وہ راجع ہوگا۔ دلیل شرعی کی طرف یا تو ایک نظیر کو دوسرے نظیر پر محمول کرتے ہوئے یا کسی دوسری طرح سے ہو تو وہ حسن ہے کہ وہ یا تو سنۃ خلفاء راشدین سے اور یا آئمہ مہدیین سے ہے تو منشاء مذمت کا بدعت میں صرف لفظ محدث یا بدعت نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ سنت کی مخالفت بھی ملی ہوئی ہو۔ اور وہ بدعت۔ ضلالت و گمراہی کی طرف دعوت بھی دیتی ہو۔

وَلِذَا انْقَسَمَتِ الْبِدْعَةُ عِنْدَهُمْ اِلَى الْاَحْكَامِ الْخَمْسَةِ

اس لیے بدعت ان کے نزدیک احکام خمسہ کی طرف تقسیم ہوتی ہے۔

مزید قاضی ابوبکر بن عربی کا قول شرح ترمذی میں عرباض بن ساریہ کی حدیث کے تحت صاحب ابداع نے نقل کیا ہے۔

لَيْسَ الْمُحْدَثُ وَالْبِدْعَةُ مَذْمُوْمَيْنِ لِلَفْظِ مُحْدَثٍ اَوْ بِدْعَةٍ وَّلَا لِمَعْنَاهُمَا (الی ان) وَاِنَّمَا يُذَمُّ مِنْهَا مَا دَعَا اِلَى ضَلَالَةٍ وَمُخَالَفَةِ السُّنَّةِ وَالْاِبْدَاعِ ص۱۰۷)

فرماتے ہیں اور بدعت مذموم بوجہ لفظ محدث یا بدعت یا ان کے معنوں کی وجہ سے نہیں ہیں (یہاں تک) اور بدعت سے مذموم وہی ہے جو ضلالت اور سنت کی مخالفت کی دعوت دے۔ ہم نے صاحب ابداع کے کلام کو خالی نہیں چھوڑا قابلِ ذکر عبارات کو نقل کیا ہے اور اس پر حق تبصرہ بھی کیا ہے اور آخر کار نتیجہ وہی نکلا جو اہل سنت وجماعت کا مقصود و تحقیق ہے۔

معلوم ہوا کہ لفظ محدث یا بدعت میں نہ عموم مراد ہے اور نہ ہی ان لفظوں یا ان کے معنوں کی وجہ سے بدعت ضلالت و گمراہی ہے بلکہ سنتِ ثابتہ کی مخالفت کا ساتھ ملنا۔ اور ضلالت و گمراہی کی

طرف بدعت کا داعی ہونا باعث مذمت ہے اور جہاں بدعت رافع سنت نہ ہو یا ضلالت کی طرف بدعت داعی نہ ہو تو وہاں بدعت حسنہ ہوگی۔

مزید یہ کہ ہر بدعت مذموم ہوتی ہے۔ اس سے کیا مراد ہے یہ کہ جس چیز پر بھی لفظ بدعت بولا جائے وہ مذموم ہوتی ہے تو ہم اسے تسلیم نہیں کرتے ہیں اس لیے کہ لفظ بدعت مشترک ہے دو معنوں میں خیر اور شر۔ مدح اور ذم میں ایک فریق اس کا قائل بھی ہے اور جن آثار میں بدعت ضلالت سے مقید ہے تو اس سے حادث مذموم مراد ہے تو بلاریب اس کے تمام افراد بھی مذموم ہوتے ہیں۔ اور اگر لفظ بدعت جو آثار میں واقع ہے اس سے حادث مذموم کے افراد مراد لیتے ہیں تو یہ درست ہے۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ بدعت کا صرف یہی ایک معنی حادث مذموم ہی مراد ہو بلکہ بدعت کا ایک اور معنی بھی ہے جس کو مطلق حادث کہتے ہیں چاہے مذموم ہو یا ممدوح ہو۔ یہ خلاصہ بھی ابداع سے ماخوذ ہے اس سے بھی معلوم ہوا کہ بدعت مطلق حادث کے معنے میں حسنہ اور سیئہ دو قسم ہے

سُنّت و بدعت کی مزید وضاحت

حدیث وسنت اور بدعت کی توضیح و بیان کی مزید ضرورت ہے تاکہ ان کے درمیان صحیح مفہوم واضح ہو جائے۔

یاد رہے کہ سنت و بدعت کے درمیان فرق یہ ہے کہ یہ دونوں شریعت میں ایک دوسرے کے مقابل ہیں اسی لیے جب سنت کی تعریف کی جائے گی تو ساتھ ہی بدعت بھی بیان کی جائے گی۔ کیونکہ یہ دونوں ایک دوسرے کی ضدیں ہیں۔ وَتَتَبَيَّنُ الْاَشْيَاءُ بِاَضْدَادِهَا اور چیزیں اپنی ضدوں کے ساتھ واضح ہو جاتی ہیں اور اگر صرف بدعت کی تعریف کی جائے تو سنت اس کے خلاف ہوگی لیکن اس خلاف کو سمجھنے میں بڑی بڑی مشکلات پیش آجاتی ہیں اور اس طرح بدعت کی تعریف کو جن دلائل سے واضح کرتے ہیں ان میں تصادم و تعارض کا سامنا ہو جاتا ہے۔ لہٰذا سب سے پہلے سنت کی تعریف ضروری ہے اس لیے کہ سنت اصل ہے اور بدعت اس کی ضد خود بخود سامنے آجائے گی اور جب

تک اصل ہی واضح نہ ہو تو اس کی مخالف ضد واضح نہیں ہوسکتی ہے یہی وجہ ہے کہ بدعت کی تعریفیں تعارض کی شکار ہیں۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے پہلے سنت کو بیان فرمایا پھر آپ نے بدعت سے ڈرایا ہے اور بدعت سے بچنے کے لیے آپ نے تاکیدیں بیان فرمائیں۔ سنت کی اتباع تو قرآن مجید میں کئی بار بیان کی گئی ہے۔ مثلاً لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" بیشک اللہ کے رسول کی زندگی تمہارے لیے بہترین نمونۂ پیروی ہے۔ اَطِيْعُوا اللهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ان کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔ وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللهِ اور ہم نے نہیں بھیجا کسی رسول کو مگر یہ کہ ان کی اطاعت کی جائے اللہ کی اجازت سے مَا اٰتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔ جو کچھ رسول تم کو دیں تو اس کو لے لیں۔ اور جس چیز سے تم کو وہ روکیں اس سے تم باز رہو۔

آیات مبارکہ سے معلوم ہوا کہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی مسلمانوں پر ضروری ہے اور اطاعت وپیروی قول فعل تقریر کی ہوتی ہے۔ تو قرآن پاک سے اتباعِ سنت ثابت ہے۔ احادیث مبارکہ میں بھی اتباعِ سنت کا ذکر آیا ہے

فَاِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللهِ، وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَشَرَّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ

بیشک بہترین حدیث (بات وکلام) اللہ کی کتاب ہے اور بہترین طریقہ وسنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے اور برے امور نئے ایجاد شدہ (مخالفِ شریعت) چیزیں ہیں اور ہر (نو پیدا) محدث بدعت ہے اور ہر بدعت (سیئہ) گمراہی ہے۔ مسلم شریف۔

اُوْصِيْكُمْ بِتَقْوَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ

میں تم کو اللہ عز وجل سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں اور سنکر قبول کرنا اور طاعت کرنے کی تاکید کرتا ہوں۔ حدیث عرباض میں آیا ہے۔ عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ عَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَاِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ فَاِنَّ كُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ

تم پر میری اور خلفاء راشدین مہدیین کی سنت کی پیروی لازم ہے۔ سنت کو داڑھوں سے مضبوطی کے ساتھ پکڑو اور نو پید امور سے بچو بیشک ہر بدعت ضلالت ہے۔

مَنْ سَنَّ فِی الْاِسْلَامِ سُنَّۃً حَسَنَۃً فَلَہٗ اَجْرُھَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِھَا بَعْدَہٗ مِنْ غَیْرِ اَنْ یَّنْقُصَ مِنْ اُجُوْرِھِمْ شَیْئٌ، وَمَنْ سَنَّ فِی الْاِسْلَامِ سُنَّۃً سَیِّئَۃً کَانَ عَلَیْہِ وِزْرُھَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِھَا مِنْ بَعْدِہٖ مِنْ غَیْرِ اَنْ یَّنْقُصَ مِنْ اَوْزَارِھِمْ شَیْئٌ

جس نے اسلام میں اچھا راستہ نکالا تو اس کو اس کا ثواب ہوگا۔ اور ثواب ان کا بھی جنھوں نے اس پر اسکے بعد عمل کیا بغیر اس کے کہ عمل کرنے والوں کے اجروں سے کوئی چیز کم ہو جائے اور جس نے اسلام میں برا راستہ ایجاد کیا تو اس پر اس کا بوجھ ہوگا اور ان کا بوجھ بھی جو اس پر اس کے بعد عمل کریں گے اور جبکہ بعد والوں کے گناہوں میں بھی کمی نہیں کی جائے گی۔

واضح ہو کہ پہلی حدیث میں محدث و بدعت بمقابلہ ہدی لایا گیا ہے اور خیر ہدی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت و سیرت ہی ہے اور شر محدث میں ہے اور محدث ہی ہدی رسول علیہ السلام کی ضد ہے تو یہ محدث بدعت ہوئی جو سنت و ہدی رسول کی ضد ہے اس سے ہمارا مدعا ثابت ہو گیا کہ سنت اصل ہے اور اس کی ضد بدعت و محدث ہے اور دوسری حدیث میں تو یہ مقابلہ بالکل واضح ہے کہ سنت کو پہلے بیان کیا گیا ہے اور اس کے مقابلہ میں محدث و بدعت کو لایا گیا ہے اور تیسری حدیث میں سنت حسنہ کو سنت سیئہ کے مقابلہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ سنت پہلے ہوتی ہے اس لیے کہ سنت اصل ہے اور جو کچھ سنت سے خارج ہے وہی بدعت ہے اب جس سنت کا ذکر حدیث عرباض میں آیا ہے آخر یہ سنت کیا چیز ہے اس پر قدرے وضاحت ضروری ہے۔

یاد رہے سنت لغت میں طریقہ کو کہتے ہیں اور شرع کے اندر ہدیٰ کو سیرت طیبہ کہتے ہیں اب ہدی رسول سے مراد طریقۂ رسول ہی ہے تو طریق رسول سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا نام ہے۔ جیسے لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ مَنْ قَبْلَکُمْ اَیْ طَرِیْقَتَھُمْ میں سنن سے طریقہ ہی مراد ہے اور حدیث مشہور میں من سن فی الاسلام سنۃ حسنۃ میں سنت سے طریقہ مراد ہے

تو طریقہ رسول صلے اللہ علیہ وسلم آپکے ہدی ہیں آپکے قبول ہیں اور آپ کے رد کرنے ہیں وہی سنت وسیرت مراد ہے اور اسی کو حدیث مَنْ سَنَّ فِي الْاِسْلَامِ سُنَّةً الخ

ہیں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے سنۃ حسنۃ کا معنی طریقہ حسنہ ہے تو سنت سے حدیث نبوی مراد لینا محدثین کی اصطلاح ہے اور سنۃ سے مقابل فرض مراد لینا اصطلاح فقہاء و اہل اصول کی ہے اور خود یہ دونوں اصطلاحیں جدید ہیں اور حدیث ہیں ان میں سے کوئی بھی مراد نہیں ہے تو مُحْدَث کو سنت اور سنت کو محدث نہیں کہہ سکتے ہیں تو حدیث ہیں سنت سے طریقہ رسول مراد ہے جو آپ کے فعل اور امر قبول رد کو شامل ہے اور آپ کے اسی طریقہ پر چلنے والے خلفاء راشدین کا طریقہ بھی فعل۔ امر۔ رد ہیں آپ ہی کے طریقہ کو اختیار کیا ہے اب اس تشریح کے بعد خود بخود یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ کوئی بھی امر حدث و محدث ہو اس کو ہم سنت و طریقہ رسول علیہ السلام پر قبول ورد میں پیش کریں گے۔ اگر موافقت ہوئی تو سنت قرار پائے گا ورنہ بدعت ہوگا۔ مفردات امام راغب ہیں سنن کے بارے فرماتے ہیں۔ فَالسُّنَنُ جَمْعُ سُنَّةٍ وَسُنَّةُ الْوَجْهِ طَرِيْقَتُهٗ توجب سنت کی نسبت حضور علیہ السلام کی طرف ہوگی تو اس سے آپکا طریقہ مراد ہوگا جو آپ نے اختیار فرمایا ہے اور جب سنۃ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہوگی جیسے سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ اللہ کی حکمت کا طریقہ جو پہلے گذر چکا۔ مِنْ قَبْلُ اور فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا اور وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا۔ تو اللہ تعالیٰ کے طریقۂ حکمت ہیں ہرگز تبدیلی نہ پائے گا۔ ہیں سنۃ سے مراد اللہ کی حکمت کا طریقہ اور اللہ کی اطاعت کا طریقہ۔ مراد ہے۔ مقصد یہ ہوگا کہ شریعتوں کے احکام و فروع کی صورتیں گو مختلف ہیں لیکن غرض و مقصود ان کا ایک ہی رہا ہے اور اس غرض و مقصود ہیں اختلاف نہ تھا اور وہ غرض یہ تھی تطہیر نفس اور تزئین نفس تاکہ نفس اللہ تعالیٰ کے ثواب کو پائے اور اسکے قرب وجوار تک وصول حاصل کرنا تھا اور اب بھی یہی غرض مقصود ہے۔ اسی طرح ابن تیمیہ نے کتاب الاقتضاء ص۷۶ ہیں کہا ہے کہ سُنَّةُ الْجَاهِلِيَّةِ كُلُّ عَادَةٍ كَانُوْا عَلَيْهَا فَاِنَّ السُّنَّةَ هِيَ الْعَادَةُ وَهِيَ الطَّرِيْقُ الَّتِيْ تَتَكَرَّرُ لِتَتَّسِعَ لِاَنْوَاعِ النَّاسِ مِمَّا يَعُدُّوْنَهٗ عِبَادَةً اَوْلَا يَعُدُّوْنَهٗ عِبَادَةً اس عبارت ہیں جاہلیتہ کی سنت سے وہ عادت مراد ہے جس پر وہ لوگ تھے کیونکہ

سنت ہی عادت ہے اور عادت وہ طریقہ ہے جو بار بار چلا جائے تاکہ اور مختلف انواع کے لوگوں کو شامل و وسیع ہوجائے چاہے اس طریق کو عبادت شمار کریں یا اسے عبادت تصور نہ کریں۔ مقصد یہ ہے کہ سنت عادت وطریق کو کہتے ہیں اس طرح فتح الباری میں فطرت کی تفسیر فطرت کے خصائل سے کی گئی ہے اور جن روایات میں سنت کو بجائے فطرت کے تعبیر کیا گیا ہے وہاں بھی سنت سے طریقہ مراد ہے اور وہاں سنت سے واجب کا مقابل مراد نہیں ہے اسی طرح ابوحامد اور ماوردی نے بھی اس کو بیان کیا ہے اور اس پر استشہاد کے طور پر علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین الخ کو ذکر کیا ہے۔

بہر حال مذکور بیان سے معلوم ہوگیا کہ سنت سے مراد وہی ہے جس کے مقابلہ میں ہمارے رسول ؐ نے بدعت کو ذکر فرمایا ہے تو سنت سے طریقہ ہی مراد ہے۔

اب ہم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت وطریقہ کو معلوم کرنا چاہتے ہیں آپ کے ظاہری زمانہ مبارکہ میں جو نئی چیزیں آپ کے فعل سے تھیں۔ اور ان نئی چیزوں کو اہل فکر واجتہاد صحابہ کرام نے سمجھا اور ان پر انہوں نے عمل بھی کیا۔ ہمیں تلاش کرنا ہوگا کہ ایسی چیزوں کے ردّ وقبول کرنے میں طریقۂ رسول کیا تھا اور اس تلاش سے ہمیں یہ بھی یقین حاصل ہوگا کہ مستقبل میں نئی ایجاد ہونے والی اچھی چیزوں میں طریقہ وسنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم قبول کرنے یا رد کرنے میں کیا تھی۔ ظاہر ہے کہ بعد کی چیزیں اگر نبی علیہ السلام کی سنت کے موافق ہیں تو وہ سنت سے شمار ہوں گی اور جو آپ کی سنت وطریقہ کے خلاف ہوں گی تو وہ بدعت سے ہوں گی۔ ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوجائے گا کہ احادیث کے ان جملوں سے رسول نے کیا مراد لیا تھا۔ مثلاً مَنْ دَعَا اِلیٰ ھُدًی وَمَنْ دَعَا اِلَی الْخَیْرِ وَمَنْ دَعٰی اِلیٰ ضَلَالَۃٍ جس نے ہدیٰ او خیر کی طرف بلایا اور جس نے ضلالت کی طرف بلایا ان سے مراد کیا ہے؟

ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہو کہ کس چیز کا قبول کرنا واجب ہے اور کس کا رد کرنا ضروری ہے تو خود ہی ظاہر ہوجائے کہ کونسی چیز سنت سے ہے اور کونسی چیز بدعت سے ہے ایسے ہی خلفاء راشدین کے زمانہ میں جو کچھ پیدا ہوا ان کی تلاش بھی ضروری ہے کہ وہ امور جو خلفاء راشدین کے دور میں سامنے آئے ان میں خلفاء راشدین کا کیا طریقہ رہا ہے یعنی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قبول اور رد کرنے کے طریقے کیا تھے۔ ان کی موافقت

سنت ہے اور ان کے خلاف بدعت قرار پائے گا۔

شبہ: جن چیزوں کو نبی کریم علیہ السلام نے برقرار رکھا اور ان پر انکار نہ فرمایا وہ سنت تقریری میں شامل ہو جائے گی۔

ازالۂ شبہ: یہ ہے کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ جن چیزوں کے بارے میں آپ کا سکوت ہو وہ سنت تقریری میں داخل ہوں گی لیکن اس کے ساتھ یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ ایسے موقعہ پر رسول کی سنت و طریقہ کار کیا تھا۔ کیونکہ بہت سی چیزیں آپ نے برقرار رکھی ہیں لیکن اس کے باوجود وہ آپکی سنت نہیں بن سکتی ہیں اور نہ ہی کسی نے ان کو سنت کہا ہے حالانکہ اس میں شک نہیں ہے کہ رسول کا عمل افضل بھی ہے اور لائق اتباع بھی ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل مبارک رہا ہے کہ آپ ایسے امر خیر کو رد نہیں فرمایا کرتے تھے جو آپ کی تصریح کے خلاف نہ ہو اور نہ ہی اس سے فساد پیدا ہوتا ہو اور نہ ہی وہ امر خیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہدی کے خلاف ہو۔ اس لیے علماء فرماتے ہیں کہ جس چیز کی شہادت شرع سے ہوتی ہے یعنی اس چیز کے طلب کا شاہد خاص یا عام شاہد شرعی ہو تو وہ چیز بدعت سے نہ ہوگی۔ اگرچہ اس کام کو نبی کریم علیہ السلام نے خصوصی طور پر کیا نہ ہو اور نہ اس کا خاص حکم دیا ہو یہ طریقۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہت سی احادیث صحیحہ اور حسنہ سے ثابت ہے۔ اور خلفاء راشدین کی سنت و طریقہ بھی ایسا ہی رہا ہے۔ اور جن چیزوں کو نبی علیہ السلام نے قبول فرمایا یہ اس لیے کہ وہ چیزیں جنس مشروع سے تھیں اور جن چیزوں کو آپ نے رد فرمایا ہے یہ بھی اس لیے کہ وہ چیزیں جنس مشروع سے نہ تھیں یا ان میں تشدد اور رہبانیت تھی۔ یا ان کا نص شرعی سے تصادم و اختلاف تھا۔

اب ہم کچھ ان چیزوں کو بیان کرینگے جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام سے قبول فرمایا تھا حالانکہ وہ آپ کے فعل نہ تھے۔ بعض وقت تو بظاہر حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس طریقہ پر تھے اس کے خلاف نئی چیزیں دکھائی دے رہی تھیں لیکن چونکہ وہ جنس مشروع سے تھیں اس لیے آپ نے ان افعال کو، ان چیزوں کو قبول فرما لیا تھا۔

جن دلائل سے امورِ محدثہ کے اندر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت و طریقہ کی وضاحت ہوتی ہے ان کا بیان!

یاد رہے بعض صحابہ کرام علیہم الرضوان ایسے کام کرجاتے تھے جو ان کی اپنی سمجھ و ادراک میں ہوتا تھا اور ان کا اپنا یہ استنباط و اعتقاد ہوتا تھا کہ یہ چیز اسلام کی لائی ہوئی بھلائیوں اور حسنات سے ہے اس وجہ سے وہ ایسے کام کرتے تھے حالانکہ نہ تو وہ کام فعل رسول تھے اور نہ ہی امر رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان چیزوں سے وابستہ ہوتے تھے اور ایسی بعض چیزوں کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ترغیب بھی فرماتے تھے اور انہیں وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۔ (اور تم اچھے کام کرو) کے تحت شامل فرماتے تھے بلکہ مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً الخ کی حدیث سے ان کی تائید فرماتے تھے۔

مذکورہ حدیث کو صدقہ کے سبب سے ارشاد فرمائی گئی ہے لیکن خصوصی سبب کا اعتبار نہیں ہوتا ہے بلکہ عموم لفظ کا اعتبار ہوتا ہے اور یہ اصولِ فقہ کا مسلمہ قاعدہ ہے ہم نئے امر خیر کا ایجاد بھی اس شرط سے جائز کہیں گے کہ وہ امر خیر قواعد اور ضوابط اور شواہد سے استنباط ہو اور ان سے متعلق ہو تو نبی کریم کا طریقہ یا سنت یہی رہی ہے کہ آپ ہر اس چیز کو قبول فرما لیتے تھے جو جنس عبادت اور خیر سے ہو اور جنس مشروع کے موافق ہو اور وہ کام امر مشروع کے خلاف نہ ہو۔ اور جو چیز مخالف ہو امر مشروع کے تو اسے رد کیا جاتا اسی لیے یہ قاعدہ اہل علم میں جاری رہا کہ ہر نئے کام کو قواعد شرعیہ اور نصوص شرعیہ پر پیش کیا جاتا رہا۔ اب جس کام کی شہادتِ شریعت امر حسن کے حق میں کردے تو وہ کام حسن اور مقبول قرار دیا جاتا رہا۔ اور اگر قبیح سے امر محدث متعلق ہو جاتا تو وہ امر مردود ہو جاتا اور اس کو بدعت مذموم نام دیا جاتا ہے۔

اول (جو چیز حسن سے متعلق ہو) تو اسے بدعت حسنہ اور قبیح سے متعلق امر کو بدعت سیئہ سمجھا جاتا تھا اور بدعت حسنہ کو بدعت لغۃً کہہ دیتے تھے ورنہ وہ حقیقت میں سنت مستنبط میں سے ہوتی ہے جب تک شواہد شرعیہ اس کی تائید کرتے رہے۔

ہمارے مدعیٰ پر پہلی حدیث ملاحظہ فرمائیں۔

ابوہریرہ کی بیان کردہ حدیث ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اے بلال مجھے وہ عمل بتا جو تم نے اسلام میں کیا ہو۔ اور اس عمل پر اجر و ثواب کی بہت امید ہو۔ یعنی اس کے قبول ہونے کی زیادہ امید ہے۔ یہ اس لیے کہ فَاِنِّیْ سَمِعْتُ دَفَّ نَعْلَیْكَ فِی الْجَنَّۃِ بیشک میں نے تمہارے قدموں کی آہٹ جنت میں سنی۔ انہوں نے عرض کیا۔

مَا عَمِلْتُ عَمَلاً اَرْجیٰ عِنْدِیْ [غیر] اَنِّیْ لَمْ اَتَطَھَّرْ طُھُوْرًا فِیْ سَاعَۃٍ مِّنْ لَیْلٍ اَوْ نَھَارٍ اِلاَّ صَلَّیْتُ بِذٰلِكَ الطُّھُوْرِ مَا کُتِبَ لِیْ۔ متفق علیہ

میں نے اپنے نزدیک کوئی امید افزا کام نہیں کیا بجز اسکے کہ دن اور رات کی کسی گھڑی میں وضو نہیں کیا مگر اس وضو سے اس قدر نماز پڑھ لی جو میرے مقدر میں تھی۔ امام ترمذی نے اس کو حسن صحیح کہا ہے اس کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بِھِمَا نِلْتَ۔ اَیْ تِلْكَ الْمَنْزِلَۃَ اسی نماز کی وجہ سے تم نے اس مرتبہ کو پایا ہے۔ حضرت ابن حجر نے اس حدیث کے تحت فرمایا ہے۔ یُسْتَفَادُ مِنْہُ جَوَازُ الْاِجْتِھَادِ فِیْ تَوْقِیْتِ الْعِبَادَۃِ لِاَنَّ بِلَالاً تَوَصَّلَ اِلیٰ مَا ذَکَرَہٗ بِالْاِسْتِنْبَاطِ فَصَوَّبَہُ الرَّسُوْلُ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ (فتح الباری ج ۳، ص ۲۷۶)

اس حدیث سے عبادت کا وقت مقرر کرنے کے اجتہاد کا جواز مستفادہ ہوتا ہے۔ کیونکہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے اجتہاد کی بنا پر ہر وضوء کے بعد نماز (تحیۃ الوضوء) ادا کرتے تھے اور نبی اکرم نے ان کی تائید فرمائی۔

دوسری حدیث حضرت خباب رضی اللہ عنہ سے ہے۔ جسے امام بخاری نے نقل کیا ہے۔ اس میں یہ الفاظ ہیں وَھُوَ اَوَّلُ مَنْ سَنَّ الصَّلٰوۃَ لِکُلِّ مَقْتُوْلٍ صَبْرًا رَکْعَتَیْنِ۔ حضرت خباب اوّل وہ شہید ہیں جنہوں نے شہید ہو جانے سے پہلے نماز ادا کرنے کی سنت قائم کی۔ (فتح الباری ج ۱۸ ص ۲۱۳)

فائدہ: ان حدیثوں کے نقل کرنے سے ہماری غرض صرف اتنی ہے کہ یہ حدیثیں صراحۃً دلالت کر رہی ہیں کہ حضرت بلال اور حضرت خباب رضی اللہ عنہما نے عبادت کا دن مقرر کرنے میں اجتہاد

فرمایا ہے اور اس توقیت صلوٰۃ کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے نہ حکم دیا تھا اور نہ ہی آپ کی سنت و فعل پہلے سے ثابت تھا، صرف یہ کہ نماز کا طلب عام ہے۔

وَاِنَّ الصَّلٰوۃَ خَیْرُ مَوْضُوْعٍ فَاَقْلِلْ مِنْهَا اَوِ اسْتَکْثِرْ (الحدیث)

بیشک نماز بہترین خیر ہے تم اس سے کم کر سکو یا کثرت کر سکو۔

اس صلوٰۃ سے نماز فرض۔ واجب وموکدہ مستثنیٰ ہیں کہ انہیں کمی اور بیشی جائز نہیں ہے۔ بلکہ نوافل مراد ہیں۔ معلوم ہوا کہ ہر امر خیر کو کرنا یا ایجاد کرنا طریقۂ رسول سے ثابت ہے۔ بشرطیکہ جنس عبادت یا جنس خیر سے ہو۔

امام بخاری اور امام مسلم وغیرہما نے روایت کیا ہے کتاب الصلوٰۃ فی باب رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ میں عَنْ رِفَاعَۃَ بْنِ رَافِعٍ قَالَ کُنَّا نُصَلِّیْ وَرَاءَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَفَعَ رَأْسَهٗ مِنَ الرَّکْعَۃِ قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ قَالَ رَجُلٌ وَّرَاءَهٗ رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ حَمْدًا کَثِیْرًا طَیِّبًا مُّبَارَکًا فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ مَنِ الْمُتَکَلِّمُ قَالَ اَنَا قَالَ رَأَیْتُ بِضْعَۃً وَّثَلَاثِیْنَ مَلَکًا یَبْتَدِرُوْنَهَا اَیُّهُمْ یَکْتُبُهَا۔

حضرت رفاعہ بن رافع سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے جب آپ نے اپنے سر اقدس کو رکوع سے اٹھایا تو فرمایا۔ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ ایک شخص نے آپ کے پیچھے کہا رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ حَمْدًا کَثِیْرًا طَیِّبًا مُّبَارَکًا پس جب آپ نماز سے پھرے تو فرمایا یہ کلام کرنے والا کون ہے اس شخص نے عرض کیا کہ میں۔ آپ نے فرمایا میں نے تیس لاکھ فرشتوں کو دیکھا جو آگے بڑھ رہے تھے کہ کون اس کو پہلے لکھے۔

اس حدیث کے تحت حافظ ابن حجر فتح الباری میں فرماتے ہیں۔

یُسْتَدَلُّ بِهٖ عَلٰی جَوَازِ اِحْدَاثِ ذِکْرٍ فِی الصَّلٰوۃِ غَیْرِ مَاثُوْرٍ اِذَا کَانَ غَیْرَ مُخَالِفٍ لِّلْمَاثُوْرِ عَلٰی جَوَازِ رَفْعِ الصَّوْتِ بِالذِّکْرِ مَالَمْ یُشَوِّشْ۔

اس حدیث سے دلیل لائی جاتی ہے کہ نماز میں ایسا غیر ماثور ذکر کو ایجاد کرنا جائز ہے جب کہ وہ

ماثور کے خلاف نہ ہو اور بلند آواز سے ذکر کے جواز پر بھی دلیل ہے جبکہ بلند آواز سے ذکر کرنا پریشانی پیدا نہ کرے

وَقَالَ عُبَيْدُ اللهِ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ اَنَسٍ كَانَ رَجُلٌ مِنَ الْاَنْصَارِ يَؤُمُّهُمْ فِيْ مَسْجِدِ قُبَا وَكَانَ كُلَّمَا افْتَتَحَ سُوْرَةً يَقْرَءُ بِهَا لَهُمْ فِي الصَّلٰوةِ مِمَّا يَقْرَءُ بِهِ افْتَتَحَ بِقُلْ هُوَ اللهُ اَحَدٌ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْهَا ثُمَّ يَقْرَءُ بِسُوْرَةٍ اُخْرٰى مَعَهَا وَكَانَ يَصْنَعُ ذٰلِكَ فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ فَكَلَّمَهُ اَصْحَابُهُ وَقَالُوْا اِنَّكَ تَفْتَتِحُ بِهٰذِهِ السُّوْرَةِ ثُمَّ لَا تَرٰى اَنَّهَا تُجْزِئُكَ حَتّٰى تَقْرَءَ بِاُخْرٰى فَاِمَّا تَقْرَءُ بِهَا وَاِمَّا اَنْ تَدَعَهَا وَتَقْرَءَ بِاُخْرٰى فَقَالَ مَا اَنَا بِتَارِكِهَا اِنْ اَحْبَبْتُمْ اَنْ اَؤُمَّكُمْ بِذٰلِكَ فَعَلْتُ وَاِنْ كَرِهْتُمْ تَرَكْتُكُمْ وَكَانُوْا يَرَوْنَ اَنَّهُ مِنْ اَفْضَلِهِمْ وَكَرِهُوْا اَنْ يَؤُمَّهُمْ غَيْرُهُ فَلَمَّا اَتَاهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. اَخْبَرُوْهُ الْخَبَرَ فَقَالَ يَا فُلَانُ مَا يَمْنَعُكَ اَنْ تَفْعَلَ مَا يَاْمُرُكَ بِهِ اَصْحَابُكَ وَمَا يَحْمِلُكَ عَلٰى لُزُوْمِ هٰذِهِ السُّوْرَةِ فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ فَقَالَ اِنِّيْ اُحِبُّهَا قَالَ حُبُّكَ اِيَّاهَا اَدْخَلَكَ الْجَنَّةَ

اور عبید اللہ نے ثابت سے انہوں نے انس سے روایت کیا ہے کہ ایک انصاری شخص مسجد قبا میں انصار کی امامت کیا کرتا تھا۔ اس کی عادت تھی جن نمازوں میں قرأت (بلند آواز سے) کی جاتی ہے ان میں جب بھی وہ کوئی سورۃ شروع کرنا چاہتا تھا کہ نماز میں پڑھے تو پہلے وہ قل ھو اللہ احد پڑھ کر پھر کوئی دوسری سورۃ اس کے ساتھ پڑھتا وہ ہر رکعت میں یہی کرتا تھا۔ اس کے ساتھ والوں نے اس سے (اس سلسلہ میں) گفتگو کی اور کہا کہ تم اس سورت سے ابتداء کرتے ہو، پھر تم یہ نہیں سمجھتے کہ یہ تمہیں کافی ہے یہاں تک دوسری سورت پڑھتے ہو۔ پس یا تو تم اسی کو پڑھو (دوسری سورۃ نہ ملاؤ) اور یا اس کو چھوڑ دو، اور دوسری سورۃ پڑھا کرو، اس شخص نے کہا میں اس سورۃ کا اس طرح پڑھنا نہیں چھوڑوں گا۔ اگر تم اسی کے ساتھ مجھے اپنا امام بنانا چاہو تو خیر ورنہ میں تم لوگوں (کی امامت چھوڑ دوں گا) اور وہ لوگ جانتے تھے کہ وہ ان سب سے افضل ہے اور وہ اس بات کو اچھا نہ

سمجھے کہ کوئی اور ان کا امام بنے، پس جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم (حسب معمول) ان کے پاس تشریف لے گئے اور ان لوگوں نے یہ کیفیت آپؐ سے بیان کی، کہ تم وہی کرو، جو تمہارے ساتھی تم سے کہتے ہیں اور تمہیں ہر رکعت میں اس سورت کو ضرور پڑھنے پر کس بات نے آمادہ کیا ہے وہ شخص بولا کہ میں اس سے محبت رکھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ اس کی محبت تمہیں جنت میں داخل کر دیگی۔

فوائد: معلوم ہوا کہ ایک ہی سورۃ کو ہر رکعت میں اس غرض سے پڑھ سکتا ہے اگر اس کا دل اس سورت سے زیادہ وابستہ ہو اور دوسری سورتوں کو بھی باعث برکت سمجھے اور ان سے بھی قرآت کے جواز کا عقیدہ رکھے۔

باوجود اس کے سنت کا طریقہ یہ چلا آرہا تھا کہ ہر رکعت میں الگ الگ سورت پڑھی جائے صحابی کا ایک ہی سورت کا پڑھنا اس کا باعث زیادتِ محبت ہے اور اس محبت نے صحابی کے فعل کو جنت کی بشارت کا سبب بنا دیا۔

حدیث مذکور میں منع کا بھی ذکر آیا ہے کہ صحابہ کرام جو تمہیں حکم دے رہے ہیں اس پر عمل کرنے کا مانع کیا ہے تو مانع میں دو چیزیں جمع ہو گئیں ہیں ایک تو محبت ہے اور دوسری چیز سنت معہودہ ہے۔ اس لیے صحابہ کرام کے حکم پر عمل نہیں کر سکا اور باعث وحامل کیا ہے کہ ایک ہی خاص سورت کو بار بار پڑھتے ہو۔ تو اس کا جواب محبت سے دیا کہ اس سورت سے مجھے زیادہ محبت ہے۔ اس حدیث کے شراح میں سے ابن منیر نے کہا اِنَّ الْمَقَاصِدَ تُغَيِّرُ اَحْكَامَ الْفِعْلِ مقاصد فعل کے حکموں کو بدل ڈالتے ہیں اگر دوسری سورتیں یاد نہ ہوں تو یہ بات بھی باعث بن جاتی ہے کہ ایک ہی سورت کا اعادہ کیا جاتا رہے۔ لیکن ایک خاص سورۃ کا اعادہ کا باعث وعلت عدم حفظ نہیں ہے بلکہ سورت خاص کی محبت ہے۔ فَظَهَرَ صِحَّةُ قَصْدِهٖ فَصَوَّبَهٗ تو اظہار محبت سے قاری کے قصد کی صحت ظاہر ہوئی تو آپ نے اس کو درست قرار دیا۔

نیز یہ بھی پتہ لگا کہ یہ حدیث تقریری بھی ہے اور ساتھ ہی اس میں بشارتِ جنت بھی ہے۔

اور اس سے قبل صحابہ کرام نے اس فعل کو سنت ثابتہ نہیں کہا تھا اور نہ ہی اس پر رسول کریم کی

مواظبت و ہمیشگی پائی گئی تھی لیکن اس میں ہمیں یہ دلیل مل جاتی ہے کہ گو کہ یہ واقعہ فعل رسول سے فی الجملہ مخالف تھا لیکن باوجود اس کے فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ کا حکم وسعت رکھتا تھا جس کی وجہ سے صحابی مذکور کے لیے گنجائش نکل آتی ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت و طریقہ یہی رہا۔ کہ جس نئی چیز کو صحابہ کرام ایجاد و اختیار کر لیتے تھے بشرطیکہ وہ نئی چیز یا اس میں زیادتی اگر وہ جنس خیر سے یا نوع مشروع سے تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے رد نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ اس کو شرفِ قبولیت بخشتے تھے۔

اسی طرح بخاری کتاب التوحید میں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے مطابق کسی سریہ میں ایک ایسے شخص کو نبی کریم صلی اللہ نے امیر بنا کر بھیجا جو اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھاتے ہوئے قرأۃ کرتے۔ تو آخر میں سورہ اخلاص پڑھتے، مجاہدین صحابہ کرام جب واپس لوٹے تو انہوں نے یہ قصہ نبی کریم علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اس شخص سے پوچھو کس وجہ سے وہ ایسا کرتا ہے۔ پوچھنے پر اس نے جواب دیا کہ لِاَنَّهَا صِفَةُ الرَّحْمٰنِ وَاَنَا اُحِبُّ اَنْ اَقْرَأَبِهَا فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ اَخْبِرُوْهُ اَنَّ اللّٰهَ يُحِبُّهٗ بیشک یہ سورت اللہ کی صفت ہے اور میں زیادہ پسند کرتا ہوں کہ اس کو پڑھا کروں۔ اس پر نبی کریم نے فرمایا اُسے خبر دو کہ بے شک اللہ تعالیٰ اس شخص سے محبت فرماتا ہے۔

معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کے اس عمل کو خیر کی جنس میں شامل فرما کر محبتِ الٰہی کی اسے بشارت دے گئے۔ اگر عبادتِ نماز میں اس قسم کی نیت معتبر ہے حالانکہ قرأت میں وہی طریقہ افضل ہے جو مسنون ہو۔ تو دوسرے امور حسنہ میں جو خارج صلوٰت ہیں وہ بدرجہ اعلیٰ خیر و حسن ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی نص سے تصادم نہ ہو تو ہر خیر جائز ہے بشرطیکہ اس سے کوئی فساد پیدا نہ ہو۔

بخاری بَابُ النَّفْثِ فِي الرُّقْيَةِ دم میں پھونک مارنا میں ہے۔

حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے چند لوگ عرب کے کسی قبیلے کے پاس گئے اس قبیلہ کے لوگوں نے ان کی مہمانی نہ کی وہ لوگ وہیں تھے کہ اس قبیلہ کے

سردار کو سانپ نے ڈس لیا تو انہوں نے پوچھا کہ تمہارے پاس کوئی دوا یا کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا ہے تو ان لوگوں نے کہا کہ تم نے ہماری مہمان نوازی نہیں کی۔ اس لیے ہم کچھ نہیں کرینگے۔ جب تک کہ تم لوگ ہمارے لیے کوئی چیز معاوضہ میں متعین نہ کروگے۔ اس پر ان لوگوں نے بکریوں کا ریوڑ دینا منظور کیا۔ انہوں نے سورۃ فاتحہ پڑھنی شروع کی اور تھوکتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ آدمی اچھا ہوگیا وہ آدمی بکریاں لے کر آئے۔ تو انہوں نے کہا کہ ہم یہ نہیں لیتے جب تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ نہ لیں چنانچہ صحابہ کرام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق پوچھا تو آپ ہنس پڑے فرمایا کہ تم کو کیسے معلوم ہوا کہ سورۂ فاتحہ دم ہے۔ تم اس کو لے لو۔ اور میرا حصہ بھی نکالو۔ (بخاری باب الرقی بفاتحۃ الکتاب)

اس حدیث میں وَمَا اَدْرَاكَ اَنَّهَا رُقْيَةٌ خُذُوْهَا وَاضْرِبُوْا لِيْ بِسَهْمٍ کے الفاظ سے معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام کے اجتہاد سے ثابت ہوا کہ جنس خیر سے اگر کوئی چیز ایجاد کی جائے تو وہ خیر و برکت ہوگی۔ اس کو بدعت سیئہ نہیں کہہ سکتے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کس نے تم کو بتایا کہ یہ دم ہے اور بکریوں کو لے لو بلکہ میرا حصہ بھی رکھنا اس سے معلوم ہوا کہ ہر خیر۔ خیر ہی ہوتا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کو پہلے سے علم نہ تھا کہ فاتحہ دم ہے۔ لیکن یہ ان کو اجتہاد سے معلوم ہوگیا کہ فاتحہ دم ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے برقرار رکھا اور اسے رد نہ فرمایا۔ کیونکہ خیر و برکت کے کاموں کو برقرار رکھنا آپ کا مسنون طریقہ تھا۔ اگرچہ ایسے کام پہلے سے آپ کے معمول و مسنون نہ بھی ہو۔

بخاری باب فضل قل ہو اللہ احد میں ہے۔ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ اَنَّ رَجُلًا سَمِعَ رَجُلًا يَّقْرَاُ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ يُّرَدِّدُهَا فَلَمَّا اَصْبَحَ جَاءَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذَالِكَ لَهٗ وَكَانَ الرَّجُلُ يَتَقَالُّهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ اِنَّهَا لَتَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْاٰنِ۔

ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے کسی کو قل ہو اللہ احد بار بار پڑھتے ہوئے سنا صبح کو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر بیان کیا اور وہ شخص قل ہو اللہ احد کو چھوٹی سورت ہونے کی وجہ سے کم ثواب والی سمجھتا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس

کے قبضہ میں میری جان ہے یہ قل ہو اللہ ایک تہائی قرآن کے برابر ہے اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ جو کام نص کے خلاف نہ ہو اور فساد کا سبب بھی نہ ہو تو اس کو برقرار رکھنا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے گو کہ وہ کام منصوص نہ ہو۔ یا مسنون نہ ہو۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے محدثین نے یہ روایت نقل کی ہے۔

عَنْ اَبِیْ بُرَیْدَۃَ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ دَخَلْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ الْمَسْجِدَ فَاِذَا رَجُلٌ یُّصَلِّیْ یَدْعُوْا۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِاَنِّیْ اَشْھَدُ اَنَّکَ اَنْتَ اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَقَدْ سَئَالَ اللّٰہَ بِاِسْمِہِ الْاَعْظَمِ الَّذِیْ اِذَا سُئِلَ بِہٖ اَعْطٰی وَاِذَا دُعِیَ بِہٖ اَجَابَ۔

حضرت ابو بریدہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ساتھ مسجد میں داخل ہوا تو ایک صحابی نماز پڑھتا ہے اور یہ دعا کرتا ہے۔ اے اللہ بیشک میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس ذریعے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تو اللہ ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو ایک ایسا بے نیاز ہے کہ جس نے نہ کسی کو جنا اور نہ جنا گیا اور نہ ہی تیرا کوئی کفو (ہمسر) ہے۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ بیشک اس شخص نے اللہ سے اس کے ایسے اسم اعظم کے ذریعہ مانگا جسکے ذریعے مانگا جائے تو دیا جائے گا اور جب اس کے ساتھ دعا کی جائے تو اللہ قبول فرمائے۔

معلوم ہوا کہ بغیر مسنون و مذکور امر کے اگر کسی کی فہم میں بہتر طریقہ آئے تو وہ مردود نہ ہوگا بلکہ قابل قبول اور امر خیر ہوگا۔ یاد رہے کہ ہر عام کو عام اس وقت رکھا جائے گا جبکہ اس عام کی تخصیص دوسری نص سے نہ ہو۔ ورنہ بہت سے کلمات کی تخصیص بھی ہوتی ہے اس لیے ہر بدعت سیئہ نہیں ہوتی بلکہ بعض بدعت حسنہ امر خیر بھی ہوتی ہے اسی وجہ سے جمہور علماء کرام اور آئمہ حضرات نے بدعت کو دو قسموں میں تقسیم فرمایا ہے بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ جیسے امام نووی۔ ابن عبد السلام۔ قرافی

ابن عربی۔ ابن حجر وغیرہم علماء کرام اہل تحقیق ہیں، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے۔
اَلْبِدْعَةُ بِدْعَتَانِ مَحْمُوْدَةٌ وَّمَذْمُوْمَةٌ فَمَا وَافَقَ السُّنَّةَ فَهُوَ مَحْمُوْدٌ وَّمَا خَالَفَهَا فَهُوَ مَذْمُوْمٌ۔ بدعت دو قسم ہے محمودہ اور مذمومہ۔ جو سنت کے موافق ہو وہ محمودہ اور جو سنت کے خلاف ہو وہ مذمومہ ہے معلوم ہوا کہ نہ ہر بدعت محمودہ ہے اور نہ ہی ہر بدعت مذمومہ ہوتی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ تو ہر عام میں تخصیص کے قائل ہیں۔ لہٰذا کل بدعت ضلالۃ۔ میں سے وہی بدعت ضلالت ہے جو سیئہ ہو۔

ایسے ہی لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى عام ہے کہ انسان کو وہی نفع دے گی جو اس کی اپنی محنت وعمل ہو۔ حالانکہ تواتر سے ثابت ہے کہ مسلمان کو دوسروں کے عمل سے بھی نفع ہوتا ہے۔ مسلمان بھائی کی دعا ہو یا ملائکہ کی دعائیں واستغفار ہوں۔ مثلاً صلوٰۃ جنازہ۔ صدقہ میت کے لیے دینا۔ مسلمانوں کی دعائیں یہ امور بھی نافع ہیں۔ ایسے ہی اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ بیشک تم اور وہ چیزیں جن کی تم عبادت کرتے ہو اللہ کے سوا جہنم کے حصب وایندھن ہیں)

حالانکہ ما موصولہ کے عموم سے وہ انبیاء کرام جن کی عبادت اہل شرک نے کی ہے وہ اس عموم میں داخل نہیں ہیں ان کی تخصیص پر عقل ونقل شاہد ہیں۔ ایسے ہی قرآن وسنت کے عموم کلمات میں تخصیص کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ اس کا انکار ضلالت ہے۔

نوٹ:۔ علامہ محمد بن علی الشوکانی صاحب نیل الاوطار اپنے رسالہ القول المفید فی ادلۃ الاجتہاد والتقلید کے صفحہ ۴۳ پر نقل فرماتے ہیں۔

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ فِيْ تَفْسِيْرِ الْبِدْعَةِ الْمَذْكُوْرَةِ فِي الْحَدِيْثِ الثَّابِتِ فِي الصَّحِيْحِ مِنْ قَوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ (خَيْرُ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَخَيْرُ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ شَرُّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ)

اِنَّ الْمُحْدَثَاتِ مِنَ الْاُمُوْرِ ضَرْبَانِ، اَحَدُهُمَا مَا اُحْدِثَ یُخَالِفُ کِتَابًا اَوْسُنَّةً اَوْاَثَرًا اَوْاِجْمَاعًا فَهٰذِهِ الْبِدْعَةُ الضَّلَالَةُ وَالثَّانِیَةُ مَا اُحْدِثَ مِنَ الْخَیْرِ لَاخِلَافَ فِیْهِ لِوَاحِدٍ مِّنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ وَهٰذِهٖ مُحْدَثَةٌ غَیْرُ مَذْمُوْمَةٍ

حدیث مذکور میں بدعت کی تفسیر میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں. بیشک نئی چیزیں دو قسم پر ہیں ایک وہ جو کتاب یا سنت یا اثر یا اجماع کے خلاف ہو تو یہ قسم بدعت ضلالت ہے اور دوسری قسم وہ ہے جو خیر ایجاد ہوئی ہو۔ اس میں کسی ایک کو اس امت میں سے خلاف نہیں ہے اور یہ نئی ایجاد کی ہوئی بدعت مذمومہ نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ بدعت دو قسم ہے بدعت مذمومہ جو کتاب و سنت یا اثر یا اجماع کے خلاف ہو۔ اور دوسری قسم جو بھی امر خیر ایجاد ہو وہ بدعت محمودہ ہے لہذا ہر بدعت ضلالت نہیں ہے ایسے ہی کل بدعة ضلالة بھی اپنے عموم پر نہیں ہے بلکہ بدعت ضلالت سے بدعت سیئہ ہی مراد ہے اور بدعت حسنہ اس سے خارج ہے چاہے بدعت اعتقادیہ ہو یا بدعت سیئہ اعمالیہ ہو.

اسی لیے حاشیہ سیوطی سنن نسائی ص ۲۳۴ ج ۲ میں ہے کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ کے تحت ہے هٰذَا عَامٌّ مَّخْصُوْصٌ الْمُرَادُبِهِ الْمُحْدَثَاتُ الَّتِیْ لَیْسَ فِی الشَّرِیْعَةِ مَا یَشْهَدُ لَهَا بِالصِّحَّةِ فَهِیَ الْمُرَادَةُ بِالْبِدَعِ۔

کل بدعة ضلالة یہ عام مخصوص ہے اس سے مراد وہ نئی چیزیں ہیں جن کی شریعت میں ایسی چیز نہیں جو انکی صحت کی شاہد ہو تو ایسے بدعات اس حدیث میں مراد ہیں۔ شرح ترمذی میں حافظ ابوبکر ابن عربی نے بھی فرمایا کہ وَاِیَّاکُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ سے مراد یہ ہے کہ وہ محدث ہے جس کی اصل صرف نفسانی خواہش ہو تو وہ ضلالت میں شامل ہے۔ اور دوسرا وہ نیا پیدا امر ہے جو ایک نظیر دوسری نظیر پر محمول ہوں تو وہ سنت خلفاء الراشدین اور آئمہ دین میں شامل ہے۔

یاد رہے کہ ہماری اس بحث سے مقصود یہ ہے کہ سنت کا طریقہ یہی ہے کہ اگر کوئی امر غیر مسنون اور غیر مامور نیا ایجاد ہو تو ہم اسے دیکھیں گے اگر جنس خیر سے ہو اور نوع حسن سے ہو تو ہم اُسے خیر و حسن میں شامل

کہ کے اللہ سے ثواب کے امیدوار ہونگے اس شرط پر کہ کسی منصوص اور نص کے ساتھ اس کا ٹکراؤ نہ ہو اور باعث فساد بھی نہ ہو۔ یہی سنتِ رسول ہے اور طریقۂ رسول ہے صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کہ چند احادیث کے واقعات سے ظاہر ہو چکا ہے اور اس کے خلاف جو ہو گا اسے ہم بدعت ضلالہ کا طریقہ کہیں گے۔ بدعت ضلالہ وہی قرار پائے گی۔ جو نصوص سے متصادم ہو اور فساد کی باعث ہو اور طریقۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہو اور طلبِ شرعی کی دلیل خاص یا دلیل عام کے تحت داخل نہ ہو۔ ورنہ وہ بدعت شرعیہ حسنہ ہوگی اور حکماً سنت کے درجہ میں ہوگی۔ گو بدعت کا اطلاق اس پر لغتاً ہو۔

تنبیہ: ہم نے سنت و بدعت کی مزید وضاحت کی غرض سے اور کچھ عمدہ نکات اور طریقۂ جدیدہ بابت معرفت بدعت و سنت کے ارادے سے حضرت سید عبداللہ بن محفوظ باعلوی حسینی حضرمی کے مقالہ سے کچھ اقتباسات لیے تاکہ یہ بطور ضمیمہ ثابت ہو اور ساتھ ہی ذریعہ برکت و قبولیت بھی ہو۔ نیز میں نے اپنی طرف سے مزید تبصرہ و اضافہ بھی کیا ہے تاکہ برصغیر میں بدعت و سنت کی تشریحی اختلافات بھی مدِ نظر رہے اور استنباط ورد کی مزید توضیح بھی ہو۔ میں نے بدعت کی بحث کے تحت اس مقالہ میں سخت زبان استعمال نہیں کی ہے تاکہ تحقیق کی عظمت برقرار رہے اور اغیار کے تشدد و طعن کا جواب دینے سے اجتناب کیا ہے تاکہ حسنِ نیت میں خلل نہ آئے اور بحث کو طول اس لیے دیا گیا ہے تاکہ بحث کے تمام اطراف رہ نہ جائیں۔ اور بعد کے ہونے والے شبہات کا بھی پہلے سے جواب دیا گیا ہے تاکہ دوبارہ جواب کی ضرورت باقی نہ رہے۔ ویسے بے جا تاویلات و گفتگو کا میدان کھلا رہتا ہے۔ کون کس کو روکے۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ۔ نیز بحث بدعت کو اس لیے بھی لیا گیا ہے کہ اس بحث کو ایک لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ مقالہ انعقادِ محفلِ میلاد کے اثبات کا تتمہ ہے اور دوسری طرف بری بدعت کے فتووں سے ہمارے تمام معمولات حسنہ کو نشانہ بننے سے بھی بچایا جائے۔

وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وآلہ ووبارک وسلم علیہ   بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بحث ایصالِ ثواب اور گیارھویں شریف وغیرہ

مسلکِ اہلِ سنت وجماعت

ہم اہلِ سنت وجماعت اپنے اکابرین علماءِ حق اور آئمہ دینِ اسلام کے نقش قدم پر چلتے ہوئے عقائد حقہ قطعیہ یقینیہ کو جو کہ ضروریات دین اسلام ہیں دل سے حق مانتے ہیں اور زبان سے باقاعدہ اقرار کرتے ہیں اور اعلانیہ ان کو بیان بھی کرتے ہیں، اور تحریر میں بھی لاتے ہیں جن عقائد قطعیہ کی تفصیل اور وضاحت علم عقائد میں موجود ہے جو قرآن پاک کی محکمہ آیات سے ثابت ہیں۔ جن کو فقیر نے کتاب دینِ اسلام میں بھی پوری وضاحت سے بیان کیا ہے۔ عقائد حقہ کے ساتھ ہم اپنے اکابرین اہل سنت وجماعت آئمہ دین کے معمولات وارشادات پر بھی پوری طرح اس لیے پیروی کی کوشش کرتے ہیں کہ اہل سنت وجماعت کا مسلک عقل ونقل کے معیار پر پورا پورا اترتا ہے اس مسلکِ اہلِ سنت کے مسائل میں سے ایک مسئلہ ایصالِ ثواب کا ہے۔ اہل سنت کا ایصال ثواب کے بارے یہ موقف ہے کہ اگر کوئی مسلمان مرد یا عورت اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے بدنی یا مالی عبادت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے عبادت کرنے والے کو اجر و ثواب عطا فرماتا ہے۔ جیسے قرآن پاک میں آیا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ (بیشک اللہ تعالیٰ احسان کرنیوالوں کا اجر ضائع وبرباد نہیں فرماتا ہے)

وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُضِیْعَ اِیْمَانَکُمْ اِنَّ اللّٰہَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ط

(اللہ تعالیٰ کی شان نہیں کہ تمہارا ایمان اکارت کرتے بیشک اللہ آدمیوں پر بہت مہربان ہے)

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ عبادت کو ضائع نہیں کرے گا۔ بشرطیکہ ایمان قائم رہے اور عبادت کا ثواب

ضرور ملے گا۔ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ۔ اور جو کوئی بھلی بات اپنی طرف سے کرے تو اللہ نیکی کا صلہ دینے والا خبردار ہے، معلوم ہوا کہ نفلی عبادت پر ثواب ملتا ہے۔ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ پھر جو اپنی طرف سے نیکی زیادہ کرے تو وہ اس کے لیے بہتر ہے

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ۔

اور اے محبوب جب تم سے میرے بارے بندے مجھے پوچھیں تو میں نزدیک ہوں دعا قبول کرتا ہوں۔ پکارنے والے کی جب مجھے پکارے۔

معلوم ہوا کہ دعا، بدنی عبادت ہے اور اس کی قبولیت کا وعدہ رب نے فرمایا ہے خواہ کسی شکل میں ہو۔ اس میں زمانہ اور مکان کی کوئی قید نہیں ہے ہر وقت ہر جگہ دعا، قبول ہوتی ہے اور دعا سے رحمت الٰہی قریب ہو جاتی ہے۔ ارشاد ہے۔ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ۔ بیشک اللہ کی رحمت احسان کرنے والوں کے قریب ہے۔ معلوم ہوا کہ دوسروں سے احسان کرنے والوں پر خداوند کریم کی رحمت زیادہ قریب ہوتی ہے اور بخیلوں سے اور حاسدوں سے رحمت دور ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دعا نہ مانگنے والوں اور احسان نہ کرنے والوں کی مذمت فرماتا ہے اور ان لوگوں کا انجام بھی بیان فرمایا ہے جو صرف دنیا مانگتے ہیں اور آخرت کے حسنات و ثواب سے انکاری یا ناامید ہیں فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ۔ اور کوئی آدمی یوں کہتا ہے کہ اے رب ہمارے ہمیں دنیا میں دے اور آخرت میں اس کو کچھ حصہ نہیں۔

اس سے اوّلاً یہ معلوم ہوا کہ صرف دنیا طلب کرنا بہت بری چیز ہے بلکہ دنیا کے ساتھ آخرت کی نعمتوں کو بھی مانگنا ضروری ہے کیونکہ دنیا فانی ہے اور اس کی نعمتیں بھی فانی ہیں اور آخرت کی زندگی باقی ہے وہاں کی نعمتیں بھی باقی رہیں گی۔

دوسرا یہ واضح ہو جاتا ہے۔ کہ نہ مانگنے والے اور کم مانگنے والے پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔ لہذا خوب مانگو اور ہر وقت مانگو ورنہ محرومی ہوگی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے تو مانگنے کے طریقے بھی بتائے ہیں اور کئی قسم کی دعائیں بتائی ہیں اور ساتھ ہی جامع دعا بھی ارشاد فرمائی ہے۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّ فِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۔ اور کوئی یوں کہتا ہے کہ اے رب ہمارے ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور ہمیں آخرت میں بھلائی دے اور ہمیں عذاب دوزخ سے بچا۔ یہ دعا تمام دعاؤں کو جامع ہے دنیا و آخرت کی ہر نعمت و رحمت کو شامل ہے اس لیے ہمارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اس دعا کو اکثر مانگا کرتے تھے۔ جمع کا صیغہ لاکر دعا صرف اپنے لیے ہی نہیں کرنا چاہیئے بلکہ دعا ہر مسلمان زندہ اور مردہ سب کے لیے کرنا چاہیئے دعا کسب و عمل ہے اس کا بدلہ ضرور ملے گا، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اُولٰٓئِکَ لَھُمْ نَصِیْبٌ مِّمَّا کَسَبُوْا وَاللّٰہُ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ۔ ایسوں کو ان کی کمائی سے حصہ ہے۔ اور اللہ جلد حساب کرنے والا ہے۔ معلوم ہوا کہ دعا کسب و عمل ہے اور عمل خیر کے ساتھ دعا مانگنا بہتر ہوتا ہے اس لیے نماز جنازہ عمل خیر ہے، اس کے بعد دعا صفوں کو توڑ کر مانگنا بہتر ہے۔ کیونکہ نماز جنازہ بجائے خود نیک عمل ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے تو ہر نیک عمل و فعل کے بارے اپنے علم ازلی کا ذکر فرمایا ہے۔ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیْمٌ ۔ اور جو بھلائی کرو بے شک اللہ اسے جانتا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ صرف مالی عبادت ہی کو کافی نہ سمجھو بلکہ ہر قسم کی عبادت کرنا ضروری ہے۔ مالی عبادت زکوٰۃ و صدقہ واجبہ کے ساتھ نفلی صدقات بھی دیا کرو اور فرائض کے ساتھ نوافل بھی ادا کرو۔ مِنْ خَیْرٍ ہر قسم کی نیکی کو شامل ہے۔

یاد رہے جیسے دنیا میں بعض انسان دوسروں کے کام آتے ہیں اور ایک دوسرے کے مصائب دور کرتے ہیں۔ ایسے ہی قبر و آخرت کے مصائب و عذاب کو دور کرنے میں مسلمان اپنی دعاؤں اور بدنی و مالی عبادتوں کے ذریعے فائدہ و نفع پہنچا سکتے ہیں اللہ تعالیٰ قرآن میں ارشاد فرماتا ہے۔

وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ط

اور نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ کرو۔ معلوم ہوا کہ مسلمان ایک دوسرے سے مدد مانگ سکتے ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ باہمی امداد ہر خیر میں اچھی چیز ہے۔ یہ امداد عام ہے مالی ہو یا جسمانی ہو یا روحانی ہو ان سب پر ثواب ملے گا اور یہ

بھی پچھلے حصے سے معلوم ہوا کہ گناہ کے کسی کام پر کسی کی بھی مدد نہ کریں اور نہ گناہ پر سہارا بننے کی کوشش کریں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمان مُردوں کے لیے ایصال ثواب نہ کرنا اور ان کی قبر و قیامت کے مصائب و عذاب کو دور کرنے میں مدد نہ دینا اس آیت کریمہ کی زد میں آتا ہے قرآن پاک میں آیا ہے وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعْضَھُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ اور اگر اللہ لوگوں میں بعض سے بعض کو دفع نہ کرے تو ضرور زمین تباہ ہو جاتی۔ مگر اللہ سارے جہاں پر فضل کرنے والا ہے۔ اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ نیک بندوں کی برکت سے دوسروں کی بلائیں بھی دفع ہو جاتی ہیں اور مسلمانوں کی دعائیں بلاؤں کو دفع کرنے کی بہت بڑی دولت اور وسائل ہیں جس طرح مجاہدین کی ظاہری امداد سے کفار کا زور ٹوٹتا ہے ایسے ہی مسلمانوں کی بدنی اور مالی حسنات سے مسلمانوں کو فائدے پہنچتے ہیں۔ مالی صدقات پر اجر و ثواب کا ذکر قرآن میں کیسی طرح آیا ہے۔

مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کَمَثَلِ حَبَّۃٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ کُلِّ سُنْبُلَۃٍ مِّائَۃُ حَبَّۃٍ ؕ وَاللّٰہُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ

(ان کی کہاوت جو اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اس دانہ کی طرح ہے جس نے اوگائیں سات بالیں ہر بال میں سو دانے اور اللہ اس سے بھی بڑھائے جس کے لیے چاہے اور اللہ وسعت والا اور علم والا ہے)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ نفلی صدقہ ہو یا واجب اچھی نیت سے جب اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خرچ کیا جاتا ہے تو اس سے خرچ کرنے والے کو ثواب و اجر ملتا ہے اور ایصال ثواب کسی قسم کا ہو وہ بھی اس میں شامل ہو جاتا ہے اس لیے کہ آیت میں یہ نہیں آیا کہ صرف اپنے نفس کیلئے خرچ کرے بلکہ عام خرچ کا ذکر آیا ہے چاہے اپنے لیے خرچ کرے یا ایصال ثواب مُردوں کے لیے کرے سب اس میں شامل ہیں۔ اپنی طرف سے قید لگانا ممنوع ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ جتنا زیادہ

اخلاص ہوگا اتنا ہی زیادہ اجر و ثواب ہوگا اسی لیے صحابہ کرام علیہم الرضوان کا تھوڑا عمل زیادہ ثواب کا باعث بن جاتا تھا۔

حدیث میں ہے میرا صحابی ایک صاع جو خیرات کرے اور تم پہاڑ بھر سونا تو اس کے جو تمہارے سونے سے زیادہ ثواب کے باعث ہیں۔

وَمَا تُنۡفِقُوۡنَ اِلَّا ابۡتِغَآءَ وَجۡهِ اللّٰهِ ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ يُّوَفَّ اِلَيۡكُمۡ وَاَنۡتُمۡ لَا تُظۡلَمُوۡنَ ۔ اور تم جو اچھی چیز دو وہ تمہارا ہی بھلا ہے اور تمہیں خرچ کرنا مناسب نہیں مگر اللہ کی مرضی چاہنے کے لیے اور جو مال دو تمہیں پورا ملے گا اور نقصان نہ دیئے جاؤ گے۔

اس کلام پاک سے چند فوائد نکلتے ہیں۔ ایک یہ کہ جو کچھ بھی خرچ کیا جائے وہ صرف خداوند کریم کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ہو۔ دوسرا فائدہ یہ نکلا کہ رضائے الٰہی کے لیے خرچ کرنا اور ہے اور اس کا ثواب و اجر ملنا دوسری بات ہے۔ ہم اہل سنت جماعت ہر صدقہ نفلی خدا کے لیے دیتے ہیں اور اس کا ثواب و اجر بزرگوں اور مسلمان مردوں کے لیے ہدیہ اور ایصال ثواب کرتے ہیں تیسرا فائدہ یہ ہے کہ ہر صدقہ کا پورا پورا ثواب ملے گا۔ کمی اس میں نہ ہوگی اور زیادتی کا ثبوت دوسرے دلائل سے ثابت ہے اور وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنۡ يَّشَآءُ سے بھی اس کا اثبات ہوتا ہے اور يُرۡبِى الصَّدَقٰتِ ؕ اور بڑھاتا ہے خیرات کو۔ سے بھی زیادہ ثواب کا ثبوت ہوتا ہے۔ اور سَنَزِيۡدُ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ۔ بھی اس مقصد کو ظاہر کرتا ہے۔

ایک اور مقام پر اس طرح ارشاد ہے۔ اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ۚ وَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ (بیشک وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ دی ان کا اجر و بدلہ ان کے رب کے پاس ہے اور نہ انہیں کچھ اندیشہ ہو نہ کچھ غم۔)

اس سے چند مسائل معلوم ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ نماز اچھی طرح پڑھی جائے تاکہ وہ قائم رہنے کے قابل ہو۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اعمال صالحہ سے پہلے ایمان کا درست ہونا ضروری ہے ورنہ اعمال صالح اکارت

ہو کر رہیں گے. یہ بھی واضح ہوا کہ ایمان واعمال کا اجر وثواب ضرور ملے گا اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ ایمان درست کے بعد اعمال صالحہ کے ذریعے مسلمان اولیاء کرام کی طرح اندیشہ وغم سے آزاد ہوں گے .

یاد رہے کہ مسلمان کے اعمال صالحہ عمل کرنے والے کے لیے بھی مفید ہیں اور دوسرے مسلمانوں کے لیے بھی نفع بخش ہوتے ہیں۔ ہاں کافروں کے اچھے اعمال سے ان کو آخرت میں کچھ فائدہ نہ ہو گا اور نہ دوسروں کو نفع دے سکیں گے. سوائے چند حضرات کے جن کے حق میں تخفیف عذاب کے دلائل وارد ہوئے ہیں ملاحظہ ہو.

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَنْ تُغْنِیَ عَنْھُمْ اَمْوَالُھُمْ وَلَآ اَوْلَادُھُمْ مِّنَ اللّٰہِ شَیْئًا ؕ وَاُولٰٓئِکَ ھُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ہ (سورہ آل عمران)

بیشک وہ جو کافر ہوئے ان کے مال اور ان کی اولاد اللہ سے انہیں کچھ نہ بچا سکیں گے اور وہی دوزخ کے ایندھن ہیں. معلوم ہوا کہ اعمال صالحہ اور اولاد صالحہ سے کافروں کو فائدہ نہ ہو گا لیکن مومنوں و مسلمانوں کے اعمال صالحہ اور نیک اولاد سے ان کو اور دوسرے مسلمانوں کو فائدہ ہو گا۔ اہل ایمان کو اہل کفر پر قیاس کرنا بڑی بنیادی غلطی ہے. کفار کے اعمال کے حق میں دوسرا حکم اس طرح آیا ہے .

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ ز وَمَا لَھُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ

یہ ہیں وہ جن کے اعمال اکارت گئے دنیا و آخرت میں اور ان کا کوئی مددگار نہیں .

کافروں کے لیے دو سزائیں ہوں گی ایک تو یہ کہ ان کے نیک اعمال بدنی ہوں یا مالی ان سے ان کو دنیا میں کوئی فائدہ نہ ہو گا نہ ان کی دنیاوی مصیبتیں دور ہوں گی۔ اور نہ آخرت میں ثواب پائیں گے اور دوسری سزا یہ ہو گی. کہ قیامت میں کوئی بھی ان کا مددگار نہیں ہو گا . ان کے برعکس اہل ایمان کے اعمال صالحہ سے دنیا میں مصائب دفع ہوں گے اور آخرت میں ثواب پائیں گے اور قیامت میں انبیاء کرام علیہم السلام اور صالحین کے ذریعے نفع بھی پائیں گے گویا کہ اہل ایمان کی نیکیاں ان کو ہر جگہ کام آئیں گی۔ اہل ایمان کی نیکیاں حاضر رہیں گی. یَوْمَ تَجِدُ کُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَیْرٍ مُّحْضَرًا ۚ جس دن ہر جان نے جو بھلا کام کیا حاضر پائے گی .

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۬ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ۚ

تم ہرگز بھلائی کو نہ پہنچو گے جب تک راہ خدا میں اپنی پیاری چیز نہ خرچ کرو اور تم جو کچھ خرچ کرو اللہ کو معلوم ہے۔ اس آیت سے چند فائدے نکلتے ہیں ایک تو یہ کہ اطاعت الٰہی یا جنت عمدہ اور پیاری چیز کے خرچ کرنے سے ملتی ہے اس لیے اللہ والے وہ عمدہ چیز جو انہیں اچھی لگتی ہے اسے خرچ کرتے ہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ اہل ایمان سب کچھ خرچ نہ کریں بلکہ کچھ کچھ خرچ کریں تاکہ بعد میں انہیں خود تنگی پیش نہ آئے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر چیز سے خرچ کرے کیونکہ ہر چیز خدائی نعمت ہے اور نعمت کا شکر یہ خرچ کرنا ہے تحبون سے معلوم ہوا کہ جیسی نیت اعلیٰ ہوگی ایسے ہی وہ بدلہ و بھلائی بھی پائیں گے اور اللہ تعالیٰ سے کسی کا اخلاص و نیت و محبت پوشیدہ نہیں۔ لہٰذا اہل ایمان جو کچھ محبت و اخلاص سے مُردوں کے لیے خرچ کریں گے ان سے ان کو بھی فائدہ ہوگا اور جن کے لیے خرچ کریں گے ان کو بھی فائدہ حاصل ہوگا۔ کیونکہ اخلاص و محبت ہی معیار برّ و بھلائی پانے کے لیے ہے۔ اہل ایمان کی شان اس آیت میں اسی طرح آئی ہے۔

یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُسَارِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝

اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لاتے ہیں اور بھلائی کا حکم کرتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں اور نیک کاموں پر دوڑتے ہیں اور یہ لوگ نیک ہیں۔

معلوم ہوا کہ ایمان مقدم ہے اعمال مؤخر ہوتے ہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ اہل ایمان خیر و احسان میں جلدی کرتے ہیں اور نیکی میں سبقت حاصل کرتے اور یہ نیک لوگوں کی شان ہے۔ اور ایصال ثواب بھی خیرات سے ہے۔ لہٰذا ایصال ثواب اہل ایمان کی شان سے ہے۔ وَسَارِعُوْا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ (اور دوڑو اپنے رب کی بخشش کی طرف) معلوم ہوا کہ بخشش میں سبقت حاصل کرو۔ جزائے خیر دنیا و آخرت دونوں میں حاصل ہو سکتی ہیں۔

وَمَنْ یُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْیَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ یُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ

مِنْهَا وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ ٥ آل عمران .

اور جو دنیا کا انعام چاہے ہم اس میں سے اُسے دیں اور جو آخرت کا انعام چاہے ہم اس میں سے اسے دیں اور قریب ہے کہ ہم شکر والوں کو صلہ عطا کریں. معلوم ہوا کہ جو صرف دنیا میں بدلہ چاہتے ہیں ہو سکتا ہے کہ اسے دے دیا جائے لیکن اچھے وہ لوگ ہیں کہ جو آخرت میں بدلہ چاہیں ایسے لوگوں کو آخرت اور دنیا دونوں ہی نصیب ہو جائیں گی .

جو لوگ احسان کرنے والے ہوتے ہیں ان کی تعریف اس طرح ارشاد فرمائی گئی ہے .

فَاٰتٰهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ؕ

تو اللہ نے دنیا کا انعام دیا اور آخرت کے ثواب کی خوبی اور نیکی والے اللہ کو پیارے ہیں. معلوم ہوا کہ دنیا کے انعام سے آخرت کا ثواب بہتر خوبی ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ احسان اور نیکی سے دنیا بھی اچھی ہو جاتی ہے اور آخرت تو بہت ہی اچھی ہو جاتی ہے. تو ایصال ثواب سے مسلمان اپنے آپ کو دنیا و آخرت دونوں میں خوب سے خوب تر کر لیتے ہیں اور دوسروں پر احسان اور دوسروں سے نیکی کرنا چاہے زندہ ہوں یا مردے یہ کار خیر ہے. مجاہدین اہل ایمان اور دین کی مدد کرنے والے تھے. اس لیے ان کو دنیا و آخرت دونوں میں بھلائی ملی. وَمَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا معلوم ہوا کہ ہر نیکی کے بدلے میں کم سے کم دس گنا ثواب ملتا ہے اور نیکی صرف اپنے لیے نہیں ہوتی ہے بلکہ نیکی دوسرے کے ساتھ بھی ہوتی ہے فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَاۤ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ تو اُنکی دعا سن لی ان کے رب نے کہ میں تم میں کام کرنے والے کی محنت اکارت نہیں کرتا.

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ مسلمان کے عمل کو ضائع نہیں فرمائے گا. ہاں اگر بندہ کفر کر بیٹھے تو اس کی نیکیاں وہ خود ہی ضائع کر دیتا ہے . یہ بھی معلوم ہوا کہ ایصال ثواب بھی ایک عمل صالح ہے وہ کیسے ضائع ہوگا.

آگے ارشاد فرماتا ہے وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ اور اللہ ہی کے پاس اچھا ثواب ہے اس جملہ سے معلوم ہوا کہ اعمال کے برابر ثواب تو ہوگا لیکن کریم کا کرم ہے چاہے تو عمل کے بدلہ میں

صرف ثواب ہی نہ دیا جائے بلکہ ثواب پر مزید خوبی و عطیہ بھی دیا جائے۔ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ط اَلَا اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ط سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِىْ رَحْمَتِهٖ ط اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔

اور کچھ گاؤں والے وہ ہیں جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں اور جو خرچ کریں اسے اللہ کے نزدیکوں اور رسول سے دعائیں لینے کا ذریعہ سمجھیں ہاں ہاں وہ ان کے لیے باعثِ قرب ہے اور اللہ جلد انہیں اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

یاد رہے کہ ایمان کے بعض اجزاء کے ذکر سے تمام ایمانیات کے اجزاء مراد ہوتے ہیں اور اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ کی رضا کے ساتھ رسول کریم علیہ السلام کی رضا بھی مطلوب ہوتی ہے وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ سے ثابت ہے نیز اس آیت میں ایصال ثواب اور فاتحہ پڑھنے کا ثبوت بھی ہو رہا ہے۔ کیونکہ نیکی اور صدقہ کرنے پر رسول کریم کی دعائیں ملتی ہیں اور رسول کریم اس صدقہ کے قبول ہونے کے لیے دعا فرماتے ہیں اور ایصال ثواب میں بھی صدقہ کا ثواب مُردوں کے لیے ہدیہ کیا جاتا ہے اور قبول ہونے کی دعا کر لی جاتی ہے۔

وَفِىْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (حٰمٓ) اور ان کے مالوں میں حق تھا منگتا اور بے نصیب کا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہل ایمان کے مالوں میں غریبوں کا حصہ ہوتا ہے لہٰذا اسلامی حکومت امیروں سے غریبوں کے لیے دولت لے سکتی ہے کیونکہ ایک ہی ملک کے سب باشندے اس ملک کی دولت میں حصہ دار ہوتے ہیں اس طرح مزدور کو اہل دولت کے حق میں مزدوری کے علاوہ بھی حق حاصل ہے کیونکہ اس آیت میں بغیر مزدوری کے غرباء کا حق قرار دیا گیا ہے غرباء و مساکین کو مال دینا ان پر احسان نہیں ہوتا ہے بلکہ یہ ان کا اپنا حق ہے جو ادا کر لیا جاتا ہے اس طرح جو مسلمان فوت ہو جاتے ہیں وہ بھی حصول ثواب کے محتاج ہوتے ہیں ان کے لیے صدقہ کا ثواب ایصال کرنے سے دونوں کو پورا پورا حصہ ملتا ہے اور یہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے ماں باپ کے وسیلہ سے اولاد کے درجے بھی بلند ہو جاتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ط ر اور جو ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی ہم نے ان کی اولاد ان سے ملا دی اور ان کے عمل میں انہیں کچھ کمی نہ دی

اس آیت سے معلوم ہوا کہ نیکوں کی نیکی کے وسیلہ سے اہل ایمان کی اولاد بھی نیک ماں باپ کے ساتھ مل جائیں گے . گویا کہ ادنیٰ کو اعلیٰ کیا جائے گا معلوم ہوا کہ مسلمان کی ہر نیکی دوسرے مسلمان کے کام آئے گی . لہٰذا ایصال ثواب کی نیکی سے جن کے لیے ایصال ثواب کیا جائے گا ان کو ضرور فائدہ ہوگا . قرآن پاک میں بدنی عبادت سے متعلق کچھ آیات گذر گئیں مزید ملاحظہ فرمائیں کہ دعاء عبادت کا نچوڑ اور مغز واصل ہے حدیث شریف میں اس کا ذکر اس طرح آیا ہے .

اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ دعاء عبادت کا مغز ہے اس حدیث کے راوی حضرت انس رضؓ ہیں (کنزالاعمال)

دوسری حدیث میں یہ عبارت ہے اَلدُّعَاءُ هُوَالْعِبَادَةُ (ابوداؤد) دعاء ہی عبادت ہے اس کے راوی حضرت نعمان بن بشیر ہیں . دونوں حدیثوں کا مفاد یہ ہے کہ بدنی عبادت میں بنیادی عبادت دعا ہے اور نماز بھی دعاء پر مشتمل ہوتی ہے تو نماز کا مغز بھی دعاء ہے . اس لیے قرآن پاک میں دعاء واستغفار کے بارے بہت سی آیات موجود ہیں اور دعاء واستغفار صرف اپنے لیے ہی مامور نہیں ہوتی ہے بلکہ دوسروں کے لیے بھی دعاء کرنا اسلام کا اہم اخلاقی فریضہ ہے . اور انبیاء کرام علیہم السّلام کی سیرت مقدسہ میں ثابت ہے کہ وہ دعاء واستغفار دوسروں کے لیے کرتے رہے . اللہ تعالیٰ فرماتا ہے .

وَالَّذِيْنَ جَاءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ . (ترجمہ) اور وہ ان کے جو بعد میں آئے وہ یوں دعاء کرتے ہیں . اے ہمارے رب! ہم کو بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی بخش دے جو ہم سے پہلے با ایمان گذر چکے ہیں . (پ۲۸)

اس آیت کریمہ سے صاف ظاہر ہوا کہ مسلمانوں کا یہ فعل کہ وہ اپنے لیے بخشش کی دعاء مانگتے ہیں اور اپنے ان بھائیوں کے لیے بھی دعاء بخشش کرتے ہیں جو پہلے ایمان کے ساتھ گذر گئے ہیں . بہت پسندیدہ کام ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس فعل کو بطور تعریف کے ذکر فرمایا ہے اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ زندوں کی دعاؤں

اوراستغفار سے مُردوں کو فائدہ ہوتا ہے۔

حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنے والدین کے حق میں دعاء بخشش فرمائی تھی اور قرآن پاک میں دعائیہ کلمات کا ذکر بھی بطور تعریف وارد ہوا ہے۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ ؕ

اے ہمارے رب مجھے اور میرے ماں باپ اور ایمان والوں کو بخشدے جس دن حساب قائم ہو۔ اس دعاء مبارکہ سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے اپنے والدین کریمین جو وصال فرما گئے تھے ان کے لیے بخشش کی دعاء فرمائی۔ اور آپ کے والدین (تحقیق اور راجح مسلک یہ یہی ہے کہ) وہ اہل توحید تھے والد کا نام تارح تھا اور آذر آپ کا چچا تھا اور قرآن پاک میں چچا کو بھی اَبْ کہا گیا ہے جیسے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے واقعہ میں نَعْبُدُ اِلٰھَکَ وَاِلٰہَ اٰبَآئِکَ سے چچا دادوں کو شامل کیا گیا ہے اور اس کا ذکر میلاد شریف کے مقالہ میں گذر گیا ہے۔ آیت سے معلوم ہوا کہ دعاء جو کہ عبادت کا مغز و نچوڑ ہے یہ بدنی عبادت سے ہے اور اس کو دوسروں کے حق میں نفع پہنچانے کے لیے ادا کی گئی ہے اس طرح قرآن پاک میں فرشتوں کی دعاء و استغفار کا بھی ذکر آیا ہے۔ جو ایمان والوں کے لیے ہمیشہ فرمایا کرتے ہیں وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اور وہ ایمان والوں کے لیے دعائے بخشش بھی کرتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ فرشتے اپنے رب کی حمد و تسبیح کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ اہل ایمان کے لیے بھی بخشش کی دعاء فرمایا کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ فرشتوں کی یہ ڈیوٹی ہے کہ وہ اہل ایمان کے لیے دعاو استغفار فرمایا کریں۔ فرشتوں کی دعاء سے ضرور اہل ایمان کے لیے فائدے ملتے ہیں ورنہ فرشتے بے مقصد دعا نہ کرتے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ فرشتے وہی کام کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا گیا ہو ورنہ نہیں لہذا فرشتوں کی دعاء و استغفار سے مسلمانوں کو فائدے پہنچتے ہیں اور یہی ہم اہل سنت کہتے ہیں کہ دعا و استغفار سے مردوں کو فائدہ ہوتا ہے۔ ہاں اتنی بات ملحوظ رہے کہ جب ہم دوسرے مسلمانوں کو فائدہ پہنچانے کی نیت کریں گے۔ تو اس سے نہ صرف یہ کہ دعاء کرنے والے کو فائدہ ہوگا بلکہ دوسروں کو بھی فائدہ حاصل ہوتا ہے اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ (بیشک اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے)

حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

فَأْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ (سورۃ نور ص ۶۲)

تو ان میں سے جسے چاہیں آپ اجازت دے دیں اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں اس سے معلوم ہوا کہ بغیر آپ کی اجازت کے آپ کے دولت خانۂ نبوت میں کوئی داخل نہیں ہو سکتا ہے یہ آپ کی خداداد شانِ اقدس ہے یہ بھی واضح ہوا کہ آپ کی شفاعت حق ہے کیونکہ اس آیت میں آپ کو شفاعت کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور یہ کہ آپ کی شفاعت صرف اہل ایمان کے لیے ہو سکتی ہے اہل کفر اس سے خارج ہیں کیونکہ وہ شفاعت پانے کے اہل نہیں ہیں اور ہر مومن آپ کی شفاعت کا محتاج ہے۔ دعا و استغفار کا فائدہ یہ ہے کہ خداوند کریم بخشش و مہربانی فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو جیسے ہمیں اپنے گناہوں کی بخشش و استغفار کے لیے دعاؤں کا حکم فرماتا ہے ایسے ہی دوسروں کے گناہوں کی معافی کے لیے بھی استغفار و دعا کا حکم فرماتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے تو اپنے محبوب حضرت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حکم فرمایا کہ آپ اہل ایمان، غلاموں، خاص و عام کے لیے بخشش مانگا کریں۔ ملاحظہ ہو۔

فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ

تو جان لو کہ سوائے اللہ کے اور کوئی لائق عبادت نہیں اور اے محبوب اپنے خاصوں اور عام مسلمانوں، مردوں اور عورتوں کے گناہوں کی معافی مانگیں۔ (سورۂ محمد)

معلوم ہوا کہ جب نبی کریم علیہ السلام توحید بیان کرنے کے لیے تشریف لائے تھے تو پھر جاننے کے معنے یہی ہوئے کہ آپ علم یقین پر قائم رہیں یا حق و یقین سے جان لیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خطاب آپ سے ہے اور استغفار کرنا عام بندوں کو بتانا مقصود ہے۔ نیز یہ بھی واضح رہے کہ جب نبی کریمؐ گناہوں سے معصوم ہیں تو آپ کی طرف ذنب کی نسبت حقیقت پر مبنی نہیں ہے بلکہ یہاں گناہ کو آپ کی شفاعت کی طرف نسبت دی گئی ہے۔ اس طرح آپ کی شفاعت کبریٰ کی یہ دلیل ہے دوسرا مطلب اس کا یہ ہے کہ جس چیز کو آپ نے گناہ قرار دیا ہے وہ اگر آپ کے غلاموں سے سرزد ہو جائے تو

اس کی معافی آپ مانگ لیا کریں۔ یعنی اس کی معافی کی آپ سفارش فرمائیں۔ کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام گناہ کا ارادہ تک نہیں کرتے ہیں۔ جیسے حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا تھا وَمَا اُرِیْدُ اَنْ اُخَالِفَکُمْ اِلٰی مَا اَنْھٰکُمْ یہ بھی معلوم ہوا کہ اہل ایمان گنہگاروں کی شفاعت فرمانے کے لیئے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب علیہ السلام کو حکم دیا ہے کہ اگر آپ ان کی سفارش کریں۔

اگر سفارش و استغفار کا فائدہ دوسروں کو نہ پہنچتا ہو تو پھر اس کا حکم کیوں دیا گیا ہے دعا واستغفار اور بدنی عبادت کا ایصال ثواب حق ہے اس وجہ سے حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا فرمائی تھی۔ قَالَ رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ (سورۂ ابراہیم) ابراہیم نے عرض کیا۔ اے میرے پروردگار مجھے اور میرے ماں باپ اور تمام مومنین کو بخشدے جس دن حساب قائم ہو۔

ایسے ہی حضرت نوح علیہ السلام نے بھی دعا فرمائی۔ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَیْتِیَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ (سورۂ نوح)

اے میرے رب بخش دے مجھے اور میرے ماں باپ اور جو میرے گھر میں ایمان والے ہیں ان کو اور تمام مسلمان مرد و عورت کو اسی طرح کی دعا، حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے بھی مانگی تھی

قَالُوْا یٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا کُنَّا خٰطِئِیْنَ ۝ قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَکُمْ رَبِّیْ اِنَّہٗ ھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ط (سورۂ یوسف)

انہوں نے عرض کیا اے ہمارے باپ ہمارے گناہوں کی معافی چاہیئے۔ ہم ضرور خطا کار ہیں۔ (یعقوب علیہ السلام نے) فرمایا میں جلد ہی اپنے رب سے تمہاری بخشش چاہوں گا۔ وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

فوائد: سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سب سے پہلے اپنے لیے دعا، فرمائی اور یہی سنت ہے اور دوسرے نمبر پر اپنے والدین کا ذکر فرمایا اور ان کی مغفرت کی دعا کی اور آپکے والد کا نام تارح تھا۔ اور آپ کی والدہ کا نام متلی بنت نمر تھا اور یہ دونوں مومن تھے اور شرک سے پاک تھے۔ آذر آپ کا دور کا چچا تھا۔ اور آپنے جوانی ہی میں آذر چچا سے بیزاری کا اعلان فرمایا تھا۔ اور آذر کفر پر مر چکا تھا۔

یاد رہے کہ لفظ اَب اور اُمّ قرآن پاک میں باپ اور ماں دادا دادی پر بولا گیا ہے۔ لیکن والدین کا سگے ماں باپ ہی پر اس کا اطلاق ہوا ہے اور یہ کیسے ممکن ہے کہ والدین اہل شرک بھی ہوں اور نبی اپنے مشرک والدین کے لیے مغفرت کی دعا بھی کریں۔ کیا انبیاء کرام یہ نہیں جانتے تھے کہ اہل شرک کا شرک پر موت واقع ہونے کی صورت میں وہ قابل مغفرت ہی نہیں رہتے ہیں تو پھر دعاء مغفرت کے کیا معنے رہ جاتے ہیں اور ایسے بے معنیٰ دعاء کا ظہور انبیاء کرام علیہم السلام سے تعجب نہیں تو اور کیا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اہل ایمان ہی کے لیے مغفرت کی دعائیں کی گئی ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاء سے یہ فائدہ بھی ظاہر ہوا کہ ہر مسلمان کے حق میں دعاء خیر کرنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔

اور یہ بھی ثابت ہوا کہ صرف دنیا کے لیے دعاء نہ ہو بلکہ آخرت کی دعاء ضرور مانگنا چاہیئے۔ حضرت سیدنا نوح علیہ السلام کی دعا سے بھی معلوم ہوا کہ آپ کے والدین بھی اہل ایمان تھے اسی لیے تو آپ نے ان کے حق میں دعا خیر و مغفرت فرمائی تھی۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ نبی کا گھر امن و سلامتی کا حامل ہوتا ہے۔ نبی کے دامن میں آنے والا اضداد ندکریم کے امن میں آجاتا ہے اور حضرت سیدنا یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی دعا سے یہ فائدہ ملتا ہے کہ دوسرے سے سفارش کرنا جائز ہے تاکہ اللہ والوں کی مقبول سفارش کے ذریعے اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ظالم کو مظلوم سے معافی مانگنا چاہیئے اور یہ ظلم کی معافی کی شرط ہے کیونکہ کسی پر ظلم کرنا یہ حقوق العباد کا مسئلہ ہے اور حقوق العباد میں حقدار اپنا حق معاف کرے تو تب معافی حاصل ہوا اور یہ بھی حضرت سیدنا یعقوب علیہ السلام کے جواب سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی دعاء کی درخواست کرے تو اس کو رد نہ کرے بلکہ دعائے خیر کرے اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے دعاء کی درخواست کو ٹالا نہ تھا بلکہ شرفِ قبولیت فرما کر وقت مقبول کے لیے دعا کرنے کا انتظار فرمانے کا وعدہ فرمایا۔ اس کی کئی وجہیں ہو سکتی ہیں یا تو ابھی وقت سعید سحری کا انتظار تھا یا پھر خاص توجہ کی طرف قلب اطہر کے راغب ہونے کا انتظار تھا یا پھر حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات کا خیال تھا۔

ملائکہ عظام علیہم السّلام بھی اہل ایمان کے لیے دعاء خیر مانگا کرتے ہیں اور اہل ایمان کا تو زیادہ حق بنتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے لیے دعاء خیر مانگا کریں۔ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ

بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (یہ فرشتے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور مسلمانوں کی مغفرت مانگتے ہیں۔

دوسری جگہ پر یوں کلمات دعائیہ ہیں۔

وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ۔ (شوریٰ)

اور فرشتے اپنے رب کی تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بولتے اور زمین والوں کے لیے معافی مانگتے ہیں

اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۔ سن لو بیشک اللہ ہی بخشنے والا مہربان ہے۔

معلوم ہوا کہ ایمان والوں کی طرح مقربین اور مدبرین سب کے سب فرشتے اللہ تعالیٰ کی تسبیح وحمد کرتے ہیں۔ لہٰذا اہل ایمان کو نمازوں کی پوری پابندی کرنی چاہیے تاکہ فرشتوں کی تسبیح وحمد کے ساتھ شریک رہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ فرشتوں کی شفاعت حق ہے کیونکہ فرشتوں کو شفاعت کا اذن مل چکا ہے اس لیے تو فرشتے مسلمانوں کی سفارش کرتے ہیں اور یہ بھی اصل میں اللہ کی عطا ہے جو بذریعہ فرشتوں کے عنایت کرتا ہے لہٰذا استغفار وایصال ثواب امور خیر سے ہیں اگر ایصال ثواب واستغفار دوسرں کے لیے کرنا ممنوع ہوتا تو فرشتے اور انبیاء کرام علیہم السلام ہرگز ممنوع وحرام کا ارتکاب نہ کرتے کیونکہ وہ معصوم ہیں۔ ایمان کی علامت یہ ہے کہ مومن دوسرے اہل ایمان کے لیے دعاء کرتے ہیں اور ان کے ساتھ محبت کرتے ہیں ان کے ساتھ حسد وکینہ نہیں رکھتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۔

ترجمہ: اور وہ جو ان کے بعد آئے، عرض کرتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں بخش دے اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے اور ہمارے دل میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ رکھ اے رب ہمارے بے شک تو ہی نہایت مہربان رحم والا ہے

اس دعا سے صاف معلوم ہوا کہ اہل ایمان کی سنت ہے کہ وہ جو مسلمان فوت ہو چکے ہیں۔ ان کے

حق میں دعاءِ خیر ومغفرت کرتے رہتے ہیں اور یہ عمل قیامت تک اہل ایمان کا جاری رہے گا۔ اس میں زمانہ کی کوئی قید نہیں ہے۔ لہٰذا ہر بعد آنے والا تا قیامت اپنے سابقہ اہل ایمان کے لیے دعاءِ بخشش مانگتے رہا کریں گے۔ یہی وجہ ہے کہ عرس۔ نیاز ختم۔ فاتحہ۔ تیسرا چہلم وغیرہ مواقع صرف دعاء خیر ومغفرت کی غرض سے منعقد کیے جاتے ہیں اور یہ سب چیزیں اس آیت کے افراد و مصداق ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اہل ایمان کی علامت وپہچان یہی ہے کہ وہ تمام صحابہ کرام اور اہلبیت عظام اور بزرگان دین سے اچھی محبت وعقیدت رکھے۔ اور اچھی عقیدت کی پہچان زبانی جمع خرچ کا نام نہیں ہے بلکہ عملی کام بھی کریں اور وہ ان کے حق میں دعاءِ مغفرت کرے اور ان کی عظمتوں اور کارناموں کی یاد تازہ کرنے کے لیے محفلیں منعقد کریں اور ایصال ثواب کی کوشش بھی کریں۔ اور ان کے حق میں کینہ نہ رکھیں۔ نہ دعاءِ مغفرت سے دوسروں کو روکیں

ایک شبہ اور اس کا ازالہ: بعض لوگ قرآن پاک سے یہ دلیل ایصال ثواب کے انکار میں پیش کرتے ہیں اور اس سے اپنے باطل مدعیٰ پر استدلال لاتے ہیں۔ قرآن پاک میں آیا ہے وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی اور یہ کہ آدمی نہ پائے گا مگر اپنی کوشش۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی دوسرے کے عمل سے نفع یا ثواب نہیں ملے گا۔

اس کا ازالہ یہ ہے کہ اولاً یہ آیت کافروں کے حق میں ہے کہ کسی کافر کو دوسروں کی نیکیوں سے کسی طرح کا فائدہ نہیں ملے گا کیونکہ قیامت میں ثواب کی اہلیت کے لیے ایمان شرط ہے اور ایمان کی شرط سے کافر محروم ہیں لہٰذا کافر کے لیے ایصال ثواب درست نہیں ہوسکتا ہے اور یہ ظاہر ہے۔

ثانیاً ازالہ اس کا یہ ہے کہ سعی سے مراد محض فرائض بدنی ہیں لہٰذا اس آیت میں فرائض بدنی کو کوئی ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی طرف سے ادا نہیں کرسکتا ہے ورنہ حج بدل اور مالی واجبات وفرائض کا فدیہ اور کفارہ ہر مسلمان دوسرے کی طرف سے ادا کرسکتا ہے۔ کیونکہ یہ فرائض بدنی محض نہیں ہیں بلکہ بدنی ومالی کا مجموعہ حج ہے اور فدیہ وکفارہ محض مالی عبادت ہیں۔

ثالثاً ازالہ یہ ہے کہ لِلْاِنْسَانِ میں لام ملکیت کا ہے مطلب یہ ہے کہ مسلمان کی ملکیت

میں اس کے اپنے اعمال ہی ہو سکتے ہیں لہذا دوسروں کے ثواب بھیجنے پر اپنے فرائض وواجبات و اعمال حسنہ کو ہرگز نہ چھوڑے ۔

رابعاً اس کا ازالہ یہ ہے کہ حضرت سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا ہے کہ یہ آیت مذکورہ سورۃ طور آیت وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّیَّتُهُمْ بِاِیْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ کے ساتھ منسوخ ہے لہذا لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی کے ساتھ استدلال منکرین ایصال ثواب کا قابلِ قبول نہیں ہو سکتا ہے۔ رہا یہ شبہ کہ نسخ احکام میں ہوتا ہے اور یہ جملہ خبر ہے۔ خبر کا نسخ جائز نہیں ہوتا۔ اس کا ازالہ یہ ہے کہ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی محض خبر نہیں بلکہ یہ جملہ خبر بطور قانون کے ہے اور ایک قانون شرعی دوسرے قانون شرعی سے منسوخ ہوتا ہے کیونکہ قانون احکام سے ہوتا ہے لہذا اگرچہ پہلے پہل یہی قانون تھا کہ ایک مسلمان کے عمل سے دوسرے مسلمان کو فائدہ نہیں ہوگا۔ لیکن بعد میں سورۂ طور کی آیت مذکورہ سے یہ قانون منسوخ قرار دیا گیا کہ مسلمان والدین کے اعمالِ حسنہ سے اور ایمان سے ان کی اولاد اہلِ ایمان کو ترقی دے کر والدین کر یمین کے مرتبہ تک پہنچائی جائے گی۔ لہذا منسوخ پر عمل یا عقیدہ کی بنیاد رکھنا قابل قبول نہیں ہوتا ہے ۔

خامساً ازالہ یہ ہے کہ اکثر مفسرین اس آیت میں سعی سے مراد ایمان لیتے ہیں۔ معنی یہ ہوگا کہ انسان کو ہر عملِ خیر کی جزا اس کے اپنے ایمان کی وجہ سے ملے گی ورنہ بغیر اس کے اپنے سعی (ایمان) کے اس کو کچھ بھی نہ ملے گا۔ نہ اپنے اعمالِ حسنہ کی جزاء اور نہ دوسرے کے ایصال ثواب کا نفع پا سکے گا جب تک کہ ایمان اس کے پاس نہ ہوگا ۔

قرآن پاک میں سعی کا اطلاق ایمان اور کفر دونوں پر وارد ہے ۔ ارشادِ الٰہی ہے ۔

اِنَّ سَعْیَکُمْ لَشَتّٰی ۝ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی ۝ فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰی ۝ وَاَمَّا مَنْ ۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی ۝ وَکَذَّبَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰی (اللیل)

تمہاری سعی مختلف ہے جس نے دیا اور تقویٰ اختیار کیا اور سب سے اچھی بات کو مانا اس کے لیے بہت

جلد آسانی مہیا کر دیں گے۔ اور جس نے بخل کیا اور بے پرواہ رہا اور سب سے اچھی بات کو جھٹلایا اس کے لیے بہت جلد سختی مہیا کر دیں گے۔

بالحُسنٰی سے عقائد ضروریہ قطعیہ مراد ہیں اور صَدَّق سے ان ضروری عقائد قطعیہ پر ایمان لانا مراد ہے اور تکذیب سے مراد کفر ہے اور اس کو سعی سے تعبیر کیا گیا ہے لہٰذا سعی کا اطلاق ایمان پر بھی ہوتا ہے اور غیر ایمان پر بھی ہوتا ہے۔ اور وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيَاتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ (ج)

(اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں میں ہرانے کی کوشش کی وہ جہنمی ہیں۔) یہاں سعی سے کفر مراد ہے۔

سورۂ سبا میں بھی سعی کا اطلاق ایمان پر وارد ہے۔ ارشاد ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَسْعَوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ٥

اور وہ جو ہماری آیتوں میں ہرانے میں کوشش کرتے ہیں وہ عذاب میں لا دھرے جائیں گے

یہاں سعی سے مراد کفر کی سعی ہے اس لیے عذاب کی سزا پائیں گے۔

وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ٥

اور جنہوں نے ہماری آیتوں میں ہرانے کی کوشش کی ان کے لیے سخت عذاب دردناک میں سے عذاب ہے

معلوم ہوا کہ آیات کے جھٹلانے کی کوشش و سعی کفر ہے اور یہی یہاں اس سعی سے مراد ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ آیات ہار جیت کی خاطر پڑھ کر مناظرہ کرنا حرام ہے بلکہ اظہار حق کی خاطر مباحثہ و مناظرہ ہو چونکہ کفر و ایمان دونوں دل کے عمل ہیں اس لیے سعی کا اطلاق ایمان اور کفر دونوں پر ہوتا ہے۔

سادساً: اس کا ازالہ یہ ہے کہ گو قانون تو یہی ہے کہ ایک کی سعی سے دوسرے کو نفع نہیں ہوگا یہی عدل کا قانون ہے کہ ہر ایک کو اس کے عمل کی جزا ملے گی۔ اور یہی عدل کا تقاضا ہے اور دوسرے انسان کے بخشے ہوئے عمل خیر کا ثواب و نفع بھی پائے گا اور یہ عدل کے علاوہ فضل و کرم ہے اور عدل۔ فضل و کرم کے خلاف نہیں ہوتا ہے۔

سابعاً: اس کا ازالہ اس طرح کا ہے کہ دراصل اس آیت میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ ہر ایک کو اس کا اپنا عمل کام آئے گا۔ لہٰذا اپنا عمل جاری رکھو اس میں کمی و سستی نہ کرو۔ اور غیر پر ایصال ثواب کے ذریعے نفع

پانے کی محض امید نہ رکھو بلکہ اپنا عمل بھی جاری رکھو لہٰذا اس آیت میں سستی و غفلت دور کرنے اور اپنے اعمال کی بجا آوری کی ترغیب دلانا مقصود ہے اس سے ایصال ثواب کی نفی ظاہر نہیں ہوتی ہے

ثانیاً ازالہ شبہ یہ ہے کہ آیت مذکورہ سے مراد یہ ہے کہ بِاَنَّ الْمُرَادَ مَاسَعٰی مَحْفُوْظٌ لَهٗ مَصُوْنٌ عَنِ الْاِحْبَاطِ (کبیر) . مراد یہ ہے کہ جو سعی اس نے کی ہے وہ اس کے لیے محفوظ ہے اور ضائع کرنے سے بچا رہے گا. دلیل اس پر یہ ہے کہ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ جس نے ذرہ بھر اچھا عمل کیا وہ اسے دیکھے گا۔

تاسعاً ازالہ یہ ہے کہ ایک قانون ہوتا ہے دوسرا فضل و عطا ہوتا ہے قانون تو یہی ہے کہ ہر مسلمان کو اس کے اعمال ہی کی جزاء ملے گی .اور یہ قانونِ عدل ہے۔ وَمَا اللّٰهُ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ہ اور اللہ کی شان بندوں پر ظلم کرنا نہیں ہے لیکن فضل و کرم و عطاء کی شان نرالی ہے .لہٰذا اپنے عمل کے علاوہ دوسرے مسلمانوں کی دعائیں اور صدقات و خیرات کا نفع و ثواب بھی عطا فرمائے گا اور یہ شانِ عطاءِ الٰہی کا مظاہرہ ہے اور یہ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ بے شک اللہ آدمیوں پر بہت مہربان مہر والا ہے ۔ سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر بہت رحم فرماتا رہے گا۔

عاشراً ازالہ یہ ہے کہ آیت کریمہ میں ترغیب و تشویق دلانا مقصود ہے کہ مسلمانوں کو رغبت و شوق سے جتنی عبادات و مستحبات ادا کریں گے یہ ان کی اپنی ہمت ہے اس کا صلہ اور جزائے خیر ان کی امانت ہے۔ لیکن اگر اس کے علاوہ کسی نے ان کے لیے ثواب کا ایصال کیا تو اس سے بھی وہ نفع پائیں گے مثلاً اگر کسی مزدور کو اس کی اجرت دی جائے اور علاوہ اجرت کے مزید انعام بھی دیا جائے تو اس میں کوئی تضاد نہیں ہوتا ہے. بلکہ دونوں کا اجتماع زیادہ مستحسن ہے۔

علامہ ابن قیم نے کتاب الروح میں ایصال ثواب کے جواز پر کافی دلائل دیئے ہیں اور ساتھ ہی وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی کے ذریعے ایصال ثواب کی نفی کرنے کے بھی کئی جوابات دے دیئے ہیں. مثلاً اس جملہ سے ایصال ثواب کی نفی نہیں ہوتی ہے اس لیے کہ اس آیت سے جو مراد ہے اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کوئی تو انسان سے کافر مراد لیتے ہیں اور اس سے مومن

مراد نہیں لیتے ہیں، کیونکہ مومن کو اپنی سعی کا بھی فائدہ ملتا ہے اور مومن کے لیے اگر کوئی سعی کرتا ہے تو اس کا بھی اسے فائدہ پہنچتا ہے اور بعض کا خیال ہے کہ یہ آیت پہلی شریعتوں کی خبر دیتی ہے ورنہ ہماری شریعت اسلام میں تو اپنی اور غیر کی کمائی دونوں ثابت ہیں اور ایک گروہ کا قول ہے کہ (لام بمعنی علیٰ ہے) اور اس کا یہ معنی ہے کہ انسان کا نقصان اس کی کمائی سے ہوگا غیر کی بدعملی سے اسے نقصان نہیں پہنچے گا۔ ایک فریق کا خیال ہے کہ اس مقام پر (او سُعِیَ لہٗ) مقدر ہے تو اصل آیت یوں ہوگی کہ لَیْسَ لِلْاِنْسَانَ اِلَّا مَا سَعٰی او سُعِیَ لَہٗ

ایک فریق کہتا ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے اس آیت سے کہ (جو لوگ ایمان لائے ہیں اور ان کی اولاد ایمان لانے میں ان کی تابع ہے تو ہم ان کی اولاد کو ان میں ہی شامل کر دیں گے) اور یہ قول ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ہے اور ایک جماعت کی رائے ہے کہ اس آیت سے زندہ انسان مراد ہیں مردہ انسان مراد نہیں ہیں۔

قَالَ الْجَوَابُ الْجَیِّدُ عِنْدِیْ اَنْ یُّقَالَ اِلْاِنْسَانُ بِسَعْیِہٖ وَحُسْنِ عَشِیْرَتِہٖ اِکْتَسَبَ الْاَصْدِقَاءَ وَاَوْلَدَ الْاَوْلَادَ وَنَکَحَ الْاَزْوَاجَ وَاَسْدَی الْخَیْرَ وَتَوَدَّ اِلَی النَّاسِ فَتَرَحَّمُوْا عَلَیْہِ وَاَھْدُوْا لَہُ الْعِبَادَاتِ وَکَانَ ذَالِکَ اَثَرَ سَعْیِہٖ

اور بہتر جواب میرے نزدیک یہ ہے کہ انسان اپنی کوشش سے اور اپنی قوم کے نیک سلوک سے دوست پیدا کر لیتا ہے بچے پیدا کرتا ہے بیوی سے نکاح کرتا ہے غیر سے بھلائی کرتا ہے اور لوگوں سے دوستانہ گانٹھتا ہے تو لوگ اس پہ رحم کرتے ہیں اور عبادات کا تحفہ دیتے ہیں تو یہ سب اس کی کوشش کا نتیجہ ہوگا۔ کَمَا قَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَطْیَبَ مَا اَکَلَہٗ مِنْ کَسْبِہٖ وَاِنَّ وَلَدَہٗ مِنْ کَسَبِہٖ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انسان کی بہتر خوراک وہ ہے جو اپنی کمائی سے کھائے۔ اس کی اولاد بھی اسی کی کمائی ہے۔

مگر یہ جواب نامکمل ہے اس لیے اسے تکمیل کی ضرورت ابھی باقی ہے۔ کیونکہ انسان اپنے ایمان سے اور خدا و رسول کی اطاعت سے اپنے عمل کے علاوہ اپنے مسلم بھائیوں کے عمل سے بھی فائدہ

اٹھانے کی کوشش کرتا ہے۔ جیسا کہ زندگی میں اپنے عمل کے ہوتے ہوئے دوسروں کے عمل سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ کیونکہ مسلمان ایک دوسرے کے ایسے عمل سے فائدہ اٹھایا کرتے ہیں جس میں مل کر شریک کار ہوں جیسے باجماعت نماز ادا کرنا وغیرہ۔ مومن کا مسلمانوں کی جماعت میں داخل ہونا اور ان سے برادری کا معاہدہ کرنا ہی ایک بڑا سبب ہے اس امر کا کہ ہر ایک مسلم کو اپنے بھائی کی طرف سے فائدہ پہنچے زندگی میں بھی۔ اور موت کے بعد بھی۔ کیونکہ انسان اپنے ایمان کی وجہ سے اپنے حق میں دعائے خیر لینے کا باعث ہوتا ہے تو گویا یہ دعا بھی اسی کی کوشش ہے۔ اس کی وضاحت اس سے ہوتی ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے عبادت کو اس امر کا سبب بنایا ہے کہ وہ عابد اپنے مسلم بھائیوں کی دعا اور سعی سے فائدہ اٹھائے تو انسان جب عبادت کرتا ہے تو وہ گویا اس کے سبب پیدا کرنے میں کوشش کرتا ہے جس کے طفیل سے فائدہ اسے پہنچایا جاتا ہے اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بھی دلالت کرتا ہے جو آپؐ نے عمرو بن عاص کو فرمایا تھا جبکہ اس کا باپ بحالت کفر مر گیا اور اس نے اس کی طرف سے ایک غلام آزاد کیا کہ اگر وہ توحید کا قائل ہو جاتا تو یہ غلام آزاد کرنا اُسے مفید پڑتا جو اس کی موت کے بعد اس کی طرف سے آزاد کیا گیا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اگر وہ سبب پیدا کرتا تو گویا یوں سمجھا جاتا کہ وہ ایسا کام کرتا تھا جو اس کو غلام آزاد کرنے کا ثواب پہنچا دیتا۔ یہ طریق جواب بہت لطیف اور خوب ہے۔

فوائد: علامہ ابن قیم کے جوابات سے معلوم ہوا کہ مطلق ایصال ثواب کے وہ شدت سے قائل تھے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ ایصال ثواب کا سبب ایمان کو قرار دیتے ہیں یہ بات اظہر من الشمس ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ایمان تمام اعمال صالحہ کے قبول ہونے کے لیے بنیادی شرط ہے۔ ایصال ثواب بھی اس میں شامل ہو جاتا ہے۔

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اگلے اہل تحقیق ایصال ثواب کی تمام صورتوں کے قائل تھے آج کل کے بے تحقیقے اپنے ہی اکابر کے نقش قدم پر نہیں چلتے ہیں۔

راقم بندہ چشتی قادری عرض کرتا ہے کہ علامہ سبب وعلت کی تلاش میں متوجہ ہو گئے ہیں ورنہ

نصوص واحادیث کے عموم میں ایصال ثواب کا علی الاطلاق ثبوت پایا جاتا ہے اور اہل سنت جماعت کا اس پر اتفاق ہے۔

مالی اور بدنی دونوں عبادات کا ایصال ثواب

علماء اہل سنت وجماعت کا اس پر اتفاق آرہا ہے کہ ایک مسلمان اپنی کسی بھی نفلی نیکی کا ثواب کسی دوسرے مسلمان کے لیے بخش سکتا ہے۔ اس بات کے امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ بھی قائل ہیں کہ مسلمان اپنی عبادت بدنیہ محضہ کا ثواب دوسرے مسلمان کے لیے نہیں بخش سکتا ہے مثلاً نماز۔ روزہ۔ تلاوت یہ عبادت بدنیہ محضہ ہیں۔ لیکن امام مالک اور امام شافعی عبادت مالیہ کے ایصال ثواب کے قائل ہیں۔ عبادت مالیہ جیسے صدقہ۔ خیرات۔ حج ہیں۔ ان آئمہ اہلسنت کے مقابلہ میں معتزلہ فرقہ ہے جو ہر لحاظ سے ایصال ثواب کا انکار کرتا ہے امام شافعی کا مشہور قول ہے کہ وہ قرأت قرآن پاک کے ثواب کے ایصال کے قائل نہیں ہیں۔ ہاں متاخرین شافعی حضرات نے قرأت قرآن پاک کے ایصال ثواب کو درست قرار دیا ہے کہ اس سے میت کو نفع۔ فائدہ پہنچتا ہے اس بیان کو ردالمختار میں علامہ محمد بن عابدین نے تفصیل سے بیان کیا ہے۔

صَرَّحَ عُلَمَاءُنَا فِیْ بَابِ الْحَجِّ عَنِ الْغَیْرِ اَنْ یَّجْعَلَ ثَوَابَ عَمَلِهٖ لِغَیْرِهٖ صَلٰوۃً اَوْصَوْمًا اَوْ صَدَقَةً اَوْغَیْرَهَا کَذَا فِی الْهِدَایَةِ فِیْ زَکٰوۃِ التَّتَارْخَانِیَه عَنِ الْمُحِیْطِ، اَلْاَفْضَلُ لِمَنْ یَّتَصَدَّقُ نَفْلًا اَنْ یَّنْوِیَ لِجَمِیْعِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ لِاَنَّهَا تَصِلُ اِلَیْهِمْ وَلَا یَنْقُصُ مِنْ اَجْرِهٖ شَیْئٌ اھ وَهُوَمَذْهَبُ اَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ لٰکِنِ اسْتَثْنٰی مَالِكٌ وَالشَّافِعِیُّ الْعِبَادَاتِ الْبَدَنِیَّةَ الْمَحْضَةَ کَالصَّلٰوۃِ وَالتِّلَاوَۃِ فَلَا یَصِلُ ثَوَابُهَا اِلَی الْمَیِّتِ عِنْدَهُمَا بِخِلَافِ غَیْرِهَا کَالصَّدَقَةِ وَالْحَجِّ۔ وَخَالَفَ الْمُعْتَزِلَةُ فِی الْکُلِّ۔ تَمَامُهٗ فِیْ فَتْحِ الْقَدِیْرِ اَقُوْلُ مَامَرَّعَنِ الشَّافِعِیِّ هُوَالْمَشْهُوْرُ عَنْهُ وَالَّذِیْ حَرَّرَهُ الْمُتَاَخِّرُوْنَ مِنَ الشَّافِعِیَّةِ وُصُوْلُ

الْقِرَاءَةِ لِلْمَيِّتِ اِذَا كَانَتْ بِحَضْرَتِهٖ اَوْدُعِيَ لَهٗ عَقِبَهَا وَلَوْغَائِبًا لِاَنَّ مَحَلَّ الْقِرَاءَةِ تَنْزِلُ الرَّحْمَةُ وَالْبَرَكَةُ وَالدُّعَاءُ عَقِبَهَا اَرْجٰي لِلْقَبُوْلِ وَمُقْتَضَاهُ اَنَّ الْمُرَادَ انْتِفَاعُ الْمَيِّتِ بِالْقِرَاءَةِ لَاحُصُوْلُ ثَوَابِهَا لَهٗ وَلِهٰذَا اخْتَارُوْا فِي الدُّعَاءِ اَللّٰهُمَّ اَوْصِلْ مِثْلَ ثَوَابِ مَاقَرَأْتُهٗ اِلٰى فُلَانٍ. وَاَمَّا عِنْدَنَا فَالْوَاصِلُ اِلَيْهِ نَفْسُ الثَّوَابِ وَفِي الْبَحْرِ مَنْ صَامَ اَوْصَلّٰى اَوْتَصَدَّقَ وَجَعَلَ ثَوَابَهٗ لِلْغَيْرِ مِنَ الْاَمْوَاتِ وَالْاَحْيَاءِ جَازَ وَيَصِلُ ثَوَابُهَا اِلَيْهِمْ عِنْدَ اَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ كَذَافِي الْبَدَائِعِ

(صفحہ ۶۰۵ ج ۱)

ہمارے علماء نے باب الحج عن الغیر میں اس کی تصریح کی ہے انسان کو جائز ہے کہ اپنے عمل کا ثواب دوسرے کو بخش دے۔ خواہ یہ عمل نماز ہو یا روزہ ہو یا کچھ اور جیسا کہ ہدایہ میں ہے بلکہ فتاوی تتارخانیہ کے باب الزکوٰۃ میں محیط سے منقول ہے کہ افضل یہ ہے کہ ایصال ثواب کرنے والا تمام مؤمنین اور مؤمنات کی نیت کرے تو ثواب سب کو پہنچے گا اور بھیجنے والے کا ثواب بھی نہیں گھٹے گا، یہی اہل سُنت وجماعت کا مذہب ہے، ہاں امام مالک اور امام شافعی نے عبادات بدنیہ محضہ کا استثناء کیا ہے، جیسے نماز روزہ اور تلاوت۔ ان دونوں کے نزدیک عبادت بدنیہ محضہ کا ثواب میت کو نہیں پہنچے گا، ان کے علاوہ دیگر عبادتوں کا ثواب ان کے یہاں بھی پہنچتا ہے۔ جیسے صدقہ اور حج ہیں اور معتزلہ نے سب میں اہل سنت وجماعت کا اختلاف کیا ہے جیسا کہ فتح القدیر میں ہے۔ علامہ شامی فرماتے ہیں کہ امام شافعی کا مذہب جو مذکور ہوا۔ یہی ان کا مشہور مذہب ہے۔ لیکن متاخرین شافعیہ نے جو یہ لکھا ہے کہ میت کے لیے دعاء کی جائے اگرچہ غائبانہ ہو اس لیے کہ قرآت کی جگہ رحمت اور برکت نازل ہوتی ہے اور قرآت کے بعد دعا کے مقبول ہونے کی زیادہ امید ہے اس کا مقتضی یہ ہے کہ قرآت سے میت کو نفع پہنچتا ہے۔ ثواب کا پہنچنا مراد نہیں ہے اور ہمارے نزدیک ثواب ہی پہنچتا ہے اور بحر الرائق میں ہے کہ جس نے روزہ رکھا یا نماز پڑھی یا صدقہ کیا اور اس کا ثواب دوسروں کو بخشا خواہ مُردوں کو خواہ زندوں کو تو یہ جائز

ہے اوران چیزوں کا ثواب ان لوگوں کو پہنچے گا اہل سنت وجماعت کے نزدیک جیسا کہ بدائع میں ہے۔

فائدہ:۔ عبارات مذکورہ سے واضح ہو گیا کہ اہل سنت وجماعت کے نزدیک مطلقاً ایصال ثواب جائز ہے اور اس کے خلاف مطلقاً ایصال ثواب کا انکار کرنا مسلک اہل سنت وجماعت کے خلاف ہے۔ جیسے معتزلہ فرقہ کا مسلک ہے گو اہل سنت وجماعت کے اندر عبادت بدنیہ محضہ کے بارے میں اختلاف ہے لیکن عبادت مالیہ میں سب کا اتفاق ہے کہ عبادت مالیہ کا ایصال ثواب ہر طرح جائز ہے بلکہ اہل سنت وجماعت کا اجماع ہے اور اگر احادیث پر غور کریں تو پھر مزید واضح ہو جاتا ہے کہ مطلقاً ایصال ثواب جائز ہے چاہے عبادت بدنیہ محضہ کا ہو یا عبادت مالیہ کا ایصال ثواب ہو ہر طرح جائز و مستحسن مسنون ہے۔

عبادتِ بدنیہ کا ایصال ثواب

یاد رہے کہ میت کے ایصال و ثواب کے لیے دعاء و استغفار کرنا مستحب ہے کیونکہ دعاء عبادت ہے اور ہر عبادت قابلِ ثواب ہوتی ہے اور دعاء کی یہ اہمیت ہے کہ دعاء بدنی عبادت بھی ہے۔ ملاحظہ کریں۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

۱۔ اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ (ابوداؤد) عبادت دعا ہی ہے۔

۲۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ۔ دُعاء عبادت کا مغز ہے (کنز الاعمال)

معلوم ہوا کہ دعاء عبادت ہے اور دعاء عبادت کا مغز و اصل ہے کیونکہ عبادت انتہائی عجز و انکساری کا نام ہے اور دُعاء میں مانگنا ہوتا ہے اور معبود حقیقی کے سامنے بخشش و حاجات کی التجاء کرنا انتہائی عجز ہوتا ہے اور دعاء و استغفار اپنے لیے اور دوسرے مسلمان میتوں کے لیے کرنا قرآن

پاک سے ثابت ہے۔

۳۔ وَالَّذِیْنَ جَآءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ۔ (قرآن کریم پ ۲۸)

اور وہ جو ان کے بعد آئے وہ یوں دعا کرتے ہیں۔ اے ہمارے رب ہم کو بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان کے ساتھ گذر گئے ہیں۔

اس آیت میں اپنے لیے اور مسلمان بھائیوں اور بہنوں کے لیے دعا و استغفار کا ثبوت ہے اور عمل خیر کو قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے احسن و قابلِ تعریف قرار دے کر بیان فرمایا ہے۔ اس آیت کریمہ پر عمل تب ہی ہو سکتا ہے کہ بعد کے آنے والے مسلمان اپنے لیے اور دوسرے مسلمانوں کے لیے دعاء خیر کرتے رہیں۔

حدیث و آیت سے واضح ہو گیا ہے کہ دعاء عبادت ہے اور اس سے زندہ اور میت کو فائدہ بھی پہنچتا ہے اور اس کا ثواب بھی ملتا ہے اور قرآن پاک کا یہ ارشاد حق ہے اور بخشش و رفع درجات کے لیے بہترین عملِ خیر ہے۔

۴: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بیان کرتے ہیں۔

مَا الْمَیِّتُ فِی الْقَبْرِ اِلَّا کَالْغَرِیْقِ الْمُتَغَوِّثِ یَنْتَظِرُ دَعْوَةً تَلْحَقُ مِنْ اَبٍ اَوْ اُمٍّ اَوْ اَخٍ اَوْ صَدِیْقٍ فَاِذَا لَحِقَتْهُ کَانَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْهَا وَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی لَیُدْخِلُ اِلٰی اَهْلِ الْقُبُوْرِ مِنْ دُعَاءِ اَهْلِ الْاَرْضِ اَمْثَالَ الْجِبَالِ وَاِنَّ هَدِیَّةَ الْاَحْیَاءِ اِلَی الْاَمْوَاتِ الْاِسْتِغْفَارُ لَهُمْ (رواہ البیہقی)

ترجمہ: فرمایا رسول اللہ علیہ وسلم نے کہ میت قبر میں ڈوبتے ہوئے فریادی کی طرح ہوتی ہے کہ ماں باپ بھائی یا دوست کی دعائے خیر کی پہنچنے کی منتظر رہتی ہے پھر جب اسے دعا پہنچ جاتی ہے تو اسے یہ دعا دنیا اور دنیا کی تمام نعمتوں سے زیادہ پیاری ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ زمین والوں کی دعاء سے قبر والوں کو ثواب کے پہاڑ دیتا ہے اور یقیناً زندوں کا مردوں کے لیے تحفہ ان کیلئے

دعائے مغفرت ہے۔ (شعب الایمان)

معلوم ہوا کہ گنہگار مسلمان تو اپنے گناہوں کی وجہ سے فریادی ہوگا اور نیک اس لیے فریادی ہوں گے کہ انہوں نے اور زیادہ نیکیاں کیوں نہ کیں تاکہ ان کے مراتب اور زیادہ بلند ہوتے۔ نئی دلہن جیسے اپنے سسرال میں آرام وعیش میں ہوتی ہے لیکن پھر میکے کی طرف سے جب کوئی چیز تحفۃً پہنچتی ہے تو وہ اور زیادہ خوش ہوتی ہے۔

ایسے ہی قبر والوں کو تحائف عبادت بدنیہ اور مالیہ کے ایصال ثواب سے زیادہ خوش ہوتی ہے یہی حکمت ہے کہ نئی میت کو نیاز، تیجہ، دسواں، بیسواں، چالیسواں وغیرہ کے ذریعے یاد کرکے انہیں خوش کیے جاتے ہیں چاہے میت نیک ہوں یا گنہگار مسلمان ہوں۔ یاد رہے اپنے مسلمان مُردوں کو خوش کرنا اور انہیں ایصال ثواب کے ذریعے امداد کرنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ کل جب یہ زندہ مرجائیں گے تو بعد والے انہیں بھی یاد رکھیں گے۔ یہ بھی یاد رہے کہ ادائے فرض کسی کی طرف سے ہو جائز نہیں ہے اور ثواب پہنچانا ان احادیث سے ثابت ہے

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ یَرْفَعُ الدَّرَجَةَ لِلْعَبْدِ الصَّالِحِ فِی الْجَنَّةِ فَیَقُوْلُ یَارَبِّ اَنّٰی لِیْ هٰذِهٖ فَیَقُوْلُ بِاسْتِغْفَارِ وَلَدِكَ۔ (رواہ احمد)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالےٰ نیک بندے کے جنت میں درجے بلند فرماتا ہے تو بندہ عرض کرتا ہے الٰہی مجھے یہ بلند درجہ کہاں سے ملا رب فرماتا ہے تیرے بچے کے تیرے لیے دعائے مغفرت کرنے کی وجہ سے (احمد)

معلوم ہوا اولاد کی دعائیں والدین کے لیے صدقہ جاریہ ہے یہ بھی معلوم ہوا کہ شفاعت اہل ایمان کی برحق ہے جس کا فائدہ میت کو ملتا ہے اور جو اولاد ہمیشہ والدین کو دعا، وصدقہ کے ذریعے یاد کرتی ہے وہ نیک لوگوں میں شمار ہوگی۔

یَتْبَعُ الرَّجُلَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ مِنَ الْحَسَنَاتِ اَمْثَالُ الْجِبَالِ فَیَقُوْلُ اَنّٰی

هٰذَا ؟ فَيُقَالُ بِاسْتِغْفَارِ وَلَدِكَ لَكَ (الادب المفرد للبخاری ص۹ وشرح الصدور ص۱۲۷)

ترجمہ: کہ قیامت کے دن پہاڑوں جیسی نیکیاں انسان کے (اعمال سے) لاحق ہوں گی تو وہ کہے گا کہ یہ کہاں سے ہیں ؟ تو فرمایا جائے گا کہ یہ تمہاری اولاد کے استغفار کے سبب سے ہیں جو تمہارے لیے کیا گیا۔

پہلے تو بندہ نیک کے لیے قبر میں معمولی درجہ کی کھڑکی کھلتی رہی۔ پھر اچانک اعلیٰ درجہ کی کھڑکی کھل جاتی ہے ایک تو اس حدیث کا مطلب یہ ہے۔ دوسرا مطلب یہ بنتا ہے کہ نیک بندہ کو یہ خبر دی جاتی ہے کہ آج کے بعد تیرا درجہ اتنا بلند ہو گیا ہے جس پر نیک بندہ تعجب کا اظہار کرتا ہے کہ میں تو اتنا عرصہ سے قبر میں بغیر اعمال کے شب و روز گذار رہا تھا اب یہ بلندی کیسی ہے اور یہ تبدیلی کیسی ہو گئی ہے۔ یہ تو رب تعالیٰ کی عطائیں ہیں جو دعاؤں کے ذریعے عطا فرماتا ہے۔ جو انسانی تصور سے بھی بالاتر ہے یہ نیک لوگوں کے ساتھ خاص نہیں ہے کیونکہ گنہگار مسلمان جب عذاب قبر میں مبتلا ہوتا ہے تو اولاد و اقرباء کی دعاؤں و صدقات کے ذریعے اس پر دوزخ کی طرف کھڑکی بند ہو جاتی ہے اور جنت کی طرف کھڑکی کھل جاتی ہے جس پر تعجب پیدا ہو جاتا ہے اور جواب میں اولاد کی دعاء و استغفار کا ذکر کیا جاتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ بیان فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالےٰ نے جنت میں ایک نیک آدمی کا درجہ بلند فرماتا ہے۔

فَيَقُوْلُ يَارَبِّ اَنّٰى لِيْ هٰذِهٖ فَيَقُوْلُ بِاسْتِغْفَارِ وَلَدِكَ لَكَ (رواہ احمد)

تو نیک بندہ عرض کرتا ہے الٰہی مجھے یہ بلندی درجہ کہاں سے ملا

فَيَقُوْلُ بِاسْتِغْفَارِ وَلَدِكَ۔ (مشکوٰۃ شریف ص۲۰۶)

تو ارشاد ہوا کہ تیرے بیٹے کا تیرے لیے دعائے مغفرت طلب کرنے کی وجہ سے (احمد)

معلوم ہوا دُعاء و استغفار سے زندوں اور مردوں کو فائدہ بھی پہنچتا ہے اور جو ثواب بھی بھیجا جاتا ہے وہ ثواب مل بھی جاتا ہے اور دعا و استغفار بدنی عبادت ہے۔

حضرت انس سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اُمَّتِیْ اُمَّةٌ مَّرْحُوْمَةٌ تَدْخُلُ قُبُوْرَهَا بِذُنُوْبِهَا وَتَخْرُجُ مِنْ قُبُوْرِهَا لَا ذُنُوْبَ عَلَيْهَا تُمَحَّصُ عَنْهَا بِاسْتَغْفَارِ الْمُؤْمِنِيْنَ (شرح الصدور ص ۱۲۹)

میری امت امت مرحومہ ہے۔ قبروں میں گناہوں کے ساتھ داخل ہوگی اور جب قبروں سے نکلے گی اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ مومنوں کے استغفار کی وجہ سے اس کو گناہوں سے پاک صاف کر دے گا۔

معلوم ہوا زندوں کی دعاؤں سے گناہ گار مسلمانوں کی بخشش ہو جاتی ہے۔ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارکہ میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اپنے والدین کے ساتھ جب وہ زندہ تھے نیک سلوک کرتا رہا۔ اب جب کہ ان کی وفات ہو گئی ہے اس کے بعد ان کے ساتھ کیا بھلائی کر سکتا ہوں آپ نے فرمایا۔

اِنَّ مِنَ الْبِرِّ اَنْ تُصَلِّیَ لَهُمَا مَعَ صَلٰوتِكَ وَاَنْ تَصُوْمَ لَهُمَا مَعَ صِيَامِكَ

(شرح صدور ص ۱۲۹)

اب تیرا ان کے ساتھ نیکی کرنا یہ ہے کہ تو اپنی نماز کے ساتھ ان کے لیے بھی (نفلی) نماز پڑھ اور اپنے روزوں کے ساتھ ان کے لیے بھی (نفلی) روزے رکھ۔

معلوم ہوا کہ نفلی روزوں اور نفلی نمازوں کا ثواب اور فائدہ والدین وغیرہما کو پہنچتا ہے اور اس کو نیک سلوک قرار دیا گیا ہے۔ ایک اور روایت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامٌ صَامَ عَنْهُ وَلِيُّهٗ (مسلم) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مر جائے اور اس پر روزے ہوں اس کی طرف سے اس کے قریبی رشتہ دار روزے رکھے۔

یاد رہے رمضان یا دوسرے واجب روزے قضا ہو گئے ہوں پھر اسے قضا کرنے کا موقعہ ملا ہو تو اس کا ولی وارث اس کی طرف سے روزہ ادا کر دے۔ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ

قضا جائز ہے۔

مگر دوسرے آئمہ کرام کے ہاں صرف مالی فدیہ دیا جا سکتا ہے کیونکہ قرآن پاک میں آیا ہے۔۔

وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ جو روزہ کی طاقت نہ رکھیں ان پر فدیہ ہے اور مردہ بھی روزہ کی طاقت نہیں رکھتا ہے لہٰذا اس کی طرف سے بھی فدیہ ادا کیا جائے گا اور دوسری احادیث میں اس طرح کی نماز فرض ہو یا فرضی اور واجب روزوں کی قضا میت کی طرف سے ممنوع ہے۔ صرف ان کا فدیہ دینا ضروری ہے۔ محض بدنی عبادت کسی کی طرف سے ادا نہیں کی جا سکتی ہے

دوسری روایت میں آیا ہے۔

عَنْ مَالِكٍ بَلَغَهُ اَنَّ عُمَرَ كَانَ يَسْأَلُ هَلْ يَصُوْمُ اَحَدٌ اَوْيُصَلِّيْ اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ. (رواہ فی الموطا)

روایت ہے حضرت مالک سے انہیں روایت پہنچی کہ حضرت عمر سے پوچھا جاتا تھا کہ کیا کوئی کسی کی طرف سے روزہ رکھ دے یا نماز پڑھ دے تو فرماتے تھے کہ نہ کوئی کسی کی طرف سے روزہ رکھے اور نہ کسی کی طرف سے نماز پڑھے۔

قرآن پاک میں اس حدیث کی تائید موجود ہے۔

لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى نیز لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ۔

یعنی بدنی عبادت بندہ کو خود ہی کرنا ہوگا۔ دوسرے کے ادا کرنے سے بھی ادا نہ ہوگی۔ اور اس حدیث مذکورہ سے مراد یہ ہے کہ روزہ حقیقی ادا نہ ہوگا بلکہ اس سے روزہ حکمی مراد ہے۔ یعنی روزہ کا فدیہ دوسرے مسلمان ادا کر لیں۔ تو یہی نماز اور روزہ کی قضا ہوگی۔ اب بغیر وصیت کے بھی نماز روزہ کا فدیہ ادا کرنے سے ادائیگی ہو جائے گی۔ اس سے حیلہ اسقاط کا بھی ثبوت ہو جاتا ہے اور ساتھ ہی ایصال ثواب بھی ثابت ہو گیا ہے۔ حضرت بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک عورت آئی۔ اس نے عرض کیا یارسول اللہ! میری والدہ وصال ہو گئی ہے اور ایک ماہ کے روزے اس کے ذمہ تھے۔ کیا میں ان کی طرف سے روزے رکھوں؟ فرمایا

ہاں تو اس کی طرف سے روزے رکھ . اس نے کہا میری ماں نے حج بھی نہیں کیا تھا کیا میں اس کی طرف سے حج کردوں ؟ فرمایا اس کی طرف سے حج بھی کر .

معلوم ہوا کہ زندوں کی عبادت سے مردوں کو فائدہ پہنچتا ہے تب یہ حکم دیا جارہا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ قبیلہ خثعم کی ایک عورت نے عرض کیا یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے فریضہ نے جو حج کے متعلق بندوں پر ہے میرے باپ کو بہت بڑھاپے میں پایا ہے جو سواری پر بیٹھ نہیں سکتا تھا .

اَفَاَحُجُّ عَنْهُ قَالَ نَعَمْ وَذٰلِكَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ (متفق علیہ)

تو کیا میں اس کی طرف سے حج کردوں فرمایا ہاں یہ واقعہ حجۃ الوداع میں ہوا . (مسلم وبخاری)

معلوم ہوا کہ زندہ مسلمان اپنے فوت ہوئے مسلمانوں کی مدد اپنے اعمال خیر کے ذریعے کرسکتا ہے اور انہیں حج جیسے فریضہ سے خلاصی دلاسکتا ہے .

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا بولا کہ میری بہن نے حج کی منت مانی تھی اور وہ مرگئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر اس پر قرض ہوتا تو تو ادا کرتا بولا ہاں قَالَ فَاقْضِ دَيْنَ اللّٰهِ فَهُوَ اَحَقُّ بِالْقَضَاءِ (متفق علیہ) فرمایا تو اللہ کا قرض بھی ادا کرو .

معلوم ہوا کہ حج بدل جائز ہے . نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ حج کا ثواب اور فائدہ میت کو ضرور پہنچتا ہے

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا .

مَنْ حَجَّ عَنْ وَالِدَيْهِ بَعْدَ وَفَاتِهِمَا كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ عِتْقًا مِّنَ النَّارِ وَكَانَ لِلْمَحْجُوْجِ عَنْهُمَا اَجْرُ حَجَّةٍ تَامَّةٍ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّنْقُصَ مِنْ اُجُوْرِهِمَا شَيْءٌ

جو شخص اپنے والدین کی وفات کے بعد ان کی طرف سے حج کرے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جہنم سے آزادی لکھ دیتا ہے اور اس کو حج کامل کا ثواب ملتا ہے اور اس کے والدین کے ثواب میں بھی کوئی کمی نہیں ہوتی .

معلوم ہوا کہ کسی کی طرف سے حج کرنے دونوں کو حج کا برابر ثواب پہنچتا ہے

قَالَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا وَصَلَ ذُو رَحِمٍ رَحِمَهُ بِأَفْضَلَ مِنْ حَجَّةٍ يُدْخِلُهَا عَلَيْهِ بَعْدَ مَوْتِهِ فِي قَبْرِهِ (شرح الصدور ص۱۲۹)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ افضل ترین صلہ رحمی میت کی طرف سے حج کرنا ہے معلوم ہوا کہ حج بدل ہو یا حج لطور احسان وایصال ثواب ہو میت کے ثواب کے لیے حج کرنا بہترین اخوت اسلامی کا ثبوت ہے۔

حضرت زید ابن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

مَنْ حَجَّ عَنْ أَبَوَيْهِ وَلَمْ يَحُجَّا جَزَى عَنْهُمَا وَبُشِّرَتْ أَرْوَاحُهُمَا فِي السَّمَاءِ وَكُتِبَ عِنْدَ اللهِ بَرًّا۔ (شرح صدور ص۱۲۹)

جو شخص اپنے والدین کی طرف سے حج کرے جنہوں نے حج نہ کیا ہو تو یہ حج ان کی طرف سے ہوگا اور ان کی ارواح کو آسمانوں میں بشارت دی جائے گی اور یہ شخص (حج کرنیوالا) اللہ تعالیٰ کے نزدیک فرمانبردار لکھا جائے گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

مَنْ حَجَّ عَنْ مَيِّتٍ فَلِلَّذِي حَجَّ عَنْهُ مِثْلُ أَجْرِهِ جو شخص میت کی طرف سے حج کرے تو میت اور حج کرنے والے دونوں کو پورا پورا ثواب ملے گا۔ (شرح صدور ص۱۲۹)

معلوم ہوا کہ میت کے لیے ثواب بھیجنے کی غرض سے حج کرنے کا ثواب میت کو اور بھیجنے والے کو برابر کا فائدہ ملے گا۔ لہٰذا میتوں کو ایصال ثواب سے محروم کرنے والے خود بھی ثواب سے محروم ہو جاتے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

مَنْ دَخَلَ الْمَقَابِرَ فَقَرَءَ سُوْرَةَ يٰسٓ خَفَّفَ اللهُ عَنْهُمْ وَكَانَ لَهُ بِعَدَدِ مَنْ فِيهَا حَسَنَاتٌ جو قبرستان میں داخل ہو اور سورہ یٰسین پڑھے تو اللہ تعالیٰ تمام قبر والوں

اسے تخفیف فرماتا ہے اور اس پڑھنے والے کو بقدر ان کی گنتی کے نیکیاں عطا فرماتا ہے۔

وَقَالَ الْقُرْطُبِيُّ فِي حَدِيْثِ اِقْرَءُوْا عَلٰى مَوْتَاكُمْ يٰسٓ هٰذَا يَحْتَمِلُ اَنْ تَكُوْنَ هٰذِهِ الْقِرَاءَةُ عِنْدَ الْمَيِّتِ فِيْ حَالِ مَوْتِهٖ وَيَحْتَمِلُ اَنْ تَكُوْنَ عِنْدَ قَبْرِهٖ۔ (شرح صدور صفحہ ۱۳۰)

اور علامہ قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کے بارے میں (کہ تم اپنے مردوں پر یٰس پڑھا کرو) فرمایا ہے کہ یہ حدیث اس کی بھی محتمل ہے کہ یہ قرأت میت کے نزدیک اس حال میں ہو جب کہ وہ مر رہا ہو۔ اور اس کی بھی محتمل ہے کہ اس کی قبر کے نزدیک ہو۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ من مرّ علی المقابر وَقَرَأَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اِحْدٰى عَشَرَةَ مَرَّةً ثُمَّ وَهَبَ اَجْرَهٗ لِلْاَمْوَاتِ اُعْطِيَ مِنَ الْاَجْرِ بِعَدَدِ الْاَمْوَاتِ (دارقطنی، درمختار بحث قرأۃ للمیت باب الدفن)

جو شخص قبروں پر گذرا اور اس نے سورۂ اخلاص کو گیارہ مرتبہ پڑھا پھر اس کا ثواب مردوں کو بخشا تو اس کو مردوں کی تعداد کے برابر اجر و ثواب ملے گا۔

معلوم ہوا کہ میت کے لیے بدنی عبادت تلاوت کا ثواب ملتا ہے اور ثواب بھیجنے والے کو مردوں کی تعداد کے برابر ثواب ملتا ہے یہ بوجہ احسان کے ہوتا ہے۔

علامہ بدرالدین عینی شارح بخاری۔ شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں۔

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ مَا زَالُوْا فِيْ كُلِّ عَصْرٍ يَقْرَءُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَيُهْدُوْنَ ثَوَابَهٗ وَلَا يُنْكِرُهٗ ذٰلِكَ مُنْكِرٌ فَكَانَ اِجْمَاعًا عِنْدَ اَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ۔

مسلمان ہر زمانہ میں قرآن پڑھ کر اس کا ثواب (مردوں کو) بخشتے رہے ہیں اور اس کا انکار منکر بھی نہیں کرتا اور اہل سنت و جماعت کا تو اس پر اجماع ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

اِذَا دَخَلْتُمُ الْمَقَابِرَ فَاقْرَءُوْا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَالْمُعَوِّذَتَيْنِ وَقُلْ هُوَ اللّٰهُ

اَحَدٌ وَاجْعَلُوْا ذٰلِكَ لِاَهْلِ الْمَقَابِرِ فَاِنَّهٗ يَصِلُ اِلَيْهِمْ (شرح الصدور صہ ۱۳۰)

کہ جب تم مقابر یعنی قبرستان جاؤ تو سورۂ فاتحہ اور معوذتین اور سورۂ اخلاص پڑھو اور ان کا ثواب اہل مقابر کو پہنچاؤ کیونکہ وہ ان کو پہنچتا ہے۔

حضرت زعفرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اِنِّیْ سَاَلْتُ الشَّافِعِیَّ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَنِ الْقِرَاءَةِ عِنْدَ الْقَبْرِ فَقَالَ لَا بَأْسَ بِهٖ

میں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ قبر پر قرآن پڑھنا کیسا ہے فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (شرح صدور ۱۳۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ دَخَلَ الْمَقَابِرَ ثُمَّ قَرَأَ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ وَاَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ قَدْ جَعَلْتُ ثَوَابَ مَا قَرَأْتُ مِنْ كَلَامِكَ لِاَهْلِ الْمَقَابِرِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ كَانُوْا شُفَعَاءَ لَهٗ اِلَى اللّٰهِ (شرح صدور ۱۳۰)

جو شخص قبرستان جائے پھر ایک مرتبہ سورۂ فاتحہ اور قل ھو اللہ احد اور الھاکم التکاثر پڑھ کر کہے کہ اے اللہ! جو کچھ میں نے تیرے کلام سے پڑھا ہے اس کا ثواب میں نے ان قبر والے اہل ایمان مردوں اور عورتوں کو بخشا تو وہ تمام مردے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کے لیے سفارش کرتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ ایصال ثواب سے اہل ایمان مردے زندوں کے لیے سفارش فرماتے ہیں۔

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

كَانَتِ الْاَنْصَارُ اِذَا مَاتَ لَهُمُ الْمَيِّتُ اخْتَلَفُوْا اِلٰى قَبْرِهٖ يَقْرَءُوْنَ لَهُ الْقُرْاٰنَ۔ (شرح صدور صہ ۱۳۰)

انصار کا طریقہ تھا کہ جب ان کا کوئی مرجاتا تو وہ بار بار اس کی قبر پر جاتے اور اس کے لیے قرآن پڑھتے۔ معلوم ہوا کہ قبر کے پاس تلاوت کرنا صحابہ کرام کا مسنون عمل تھا۔

اسی طرح حضرت امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

يُسْتَحَبُّ لِزَائِرِ الْقُبُوْرِ اَنْ يَقْرَأَ مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ وَيَدْعُوْا لَهُمْ عَقَبَهَا نَصَّ عَلَيْهِ الشَّافِعِيُّ وَاتَّفَقَ عَلَيْهِ الْاَصْحَابُ وَزَادَ فِيْ مَوْضِعٍ اٰخَرَ وَاِنْ خَتَمُوا الْقُرْاٰنَ عَلَى الْقَبْرِ كَانَ اَفْضَلَ۔ (شرح صدور ص ۱۳)

زائرِ قبور کے لیے مستحب یہ ہے کہ جتنا اس سے ہو سکے قرآن پڑھے اور اہل قبور کے لیے دعا کرے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر نص پیش کی ہے اور تمام شافعی حضرات اس پر متفق ہیں اور اگر قبر پر قرآن شریف ختم کیا جائے تو اور بھی افضل۔

معلوم ہوا کہ اہل قبور کے لیے ایصال ثواب بصورت تلاوت قرآن پاک اور خاص کر قبر کے پاس ختم قرآن پاک زیادہ افضل کام ہے

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

كَانَ الشَّيْخُ عِزُّ الدِّيْنِ بْنُ عَبْدِ السَّلَامِ يُفْتِيْ بِاَنَّهٗ لَا يَصِلُ اِلَى الْمَيِّتِ ثَوَابُ مَا يُقْرَأُ لَهٗ فَلَمَّا تُوُفِّيَ رَاٰهُ بَعْضُ اَصْحَابِهٖ فَقَالَ لَهٗ اِنَّكَ كُنْتَ تَقُوْلُ اِنَّهٗ لَا يَصِلُ اِلَى الْمَيِّتِ ثَوَابُ مَا يُقْرَءُ وَيُهْدٰى اِلَيْهِ فَكَيْفَ الْاَمْرُ قَالَ لَهٗ كُنْتُ اَقُوْلُ ذٰلِكَ فِيْ دَارِ الدُّنْيَا وَالْاٰنَ فَقَدْ رَجَعْتُ عَنْهُ لَمَّا رَاَيْتُ مِنْ كَرَمِ اللّٰهِ فِيْ ذٰلِكَ وَاِنَّهٗ يَصِلُ اِلَيْهِ ثَوَابُ ذٰلِكَ (شرح صدور ۱۲۳)

شیخ عزالدین بن عبدالسلام فتویٰ دیا کرتے تھے کہ میت کو قرآن خوانی کا ثواب نہیں پہنچتا جب وہ فوت ہوئے تو ان کے بعض اصحاب نے ان کو خواب میں دیکھا پوچھا کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ میت کو قرآت قرآن پاک کا ثواب وہدیہ نہیں پہنچتا یہ بات کیسی ہے؟ فرمایا دنیا میں تو ایسا ہی کہا کرتا تھا ——— لیکن اب میں اس سے رجوع کر چکا ہوں کیوں کہ میں نے یہاں آکر دیکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ثواب پہنچتا ہے۔ مزید اس طرح امام

جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

وَاَمَّا الْقِرَاءَةُ عَلَى الْقَبْرِ فَجَزَمَ بِمَشْرُوعِيَّتِهَا اَصْحَابُنَا وَغَيْرُهُمْ (شرح صدور)

اور رہا قبروں پر قرآن شریف پڑھنا تو اس کی مشروعیت پر ہمارے اصحاب اور ان کے سوا اور علماء نے جزم و یقین کیا ہے۔

مذہب حنفی کی مشہور مستند ہدایہ انسائیکلوپیڈیا میں ہے اِنَّ الْاِنْسَانَ لَهٗ اَنْ يَّجْعَلَ ثَوَابَ عَمَلِهٖ لِغَيْرِهٖ صَلٰوةً اَوْ صَوْمًا اَوْ غَيْرَهَا عِنْدَ اَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ

کہ بیشک انسان اپنے عمل کا ثواب کسی دوسرے شخص کو پہنچا سکتا ہے۔ خواہ نماز کا ہو یا روزہ کا ہو یا صدقہ و خیرات وغیرہ کا ہو یہ اہل سنت وجماعت کا مذہب ہے۔ امام اجل حنفی حضرت علامہ علی قاری صاحب مرقات شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں۔

اِتَّفَقَ اَهْلُ السُّنَّةِ عَلٰى اَنَّ الْاَمْوَاتَ يَنْتَفِعُوْنَ مِنْ سَعْيِ الْاَحْيَاءِ (شرح فقہ اکبر)

کہ اہل سنۃ کا اتفاق ہے کہ مُردوں کو زندوں کے عمل سے فائدہ پہنچتا ہے۔

مذہب حنفی کے عقائد کی مستند کتاب شرح عقائد نسفی میں ہے۔ وَفِىْ دُعَاءِ الْاَحْيَاءِ لِلْاَمْوَاتِ اَوْ صَدَقَتِهِمْ عَنْهُمْ نَفْعٌ لَهُمْ خِلَافًا لِلْمُعْتَزِلَةِ

کہ زندوں کا مردوں کے لیے دعا کرنا یا صدقہ و خیرات کرنا مردوں کے لیے نفع کا باعث ہے اور معتزلہ اس کے خلاف ہیں۔

ہندوستان کے اسلامی مفکر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں پس اس کے بعد تین سو ساٹھ مرتبہ سورۃ الم نشرح لک، پھر تین سو ساٹھ بار وہی دعاء مذکورہ پڑھے، پھر دس مرتبہ درود شریف پڑھے اور ختم تمام کرے اور تھوڑی سی شرینی پر فاتحہ تمام خواجگان چشت کے نام سے پڑھے اور اپنی حاجت اللہ تعالیٰ سے عرض کرے۔ اسی طرح سے ہر روز کرے انشاء اللہ چند یوم میں مقصد حاصل ہوگا۔ (انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ ص۱۰)

دوسرے مقام پر یہی شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

وَيَقْرَءُ شَيْئًا مِنَ الْقُرْاٰنِ لِوَالِدَيْهِ ثُمَّ بِشَيْخِهٖ وَلِاُسْتَاذِهٖ ثُمَّ لِاَصْحَابِهٖ وَلِاِخْوَانِهٖ وَيَرُوْحُ اَرْوَاحَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ (انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ ۱۳۶)

اور کچھ قرآن پڑھے اور والدین و پیر و استاذ اور اپنے دوستوں اور بھائیوں اور سب مومنین اور مؤمنات کی ارواح (طیبہ) کو ثواب بخشے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اور تمام فقہائے کرام نے حکم کیا ہے کہ قرآن مجید پڑھنے اور اعتکاف کرنے کا ثواب میت کو پہنچتا ہے امام ابوحنیفہ اور امام مالک و امام احمد بھی اس کے قائل ہیں اور حافظ شمس الدین بن عبدالواحد نے فرمایا ہے کہ مسلمان قدیم سے شہر میں جمع ہو کر مردوں کے لیے قرآن خوانی کرتے ہیں پس اس پر اجماع ہے۔ (بحوالہ تذکرۃ الموتیٰ والقبور)

اسی طرح حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ہاں صالحین کی قبروں کی زیارت اور ان کی قبروں سے برکت حاصل کرنا اور ایصالِ ثواب، تلاوتِ قرآن پاک، دعاء خیر، تقسیم طعام و شیرینی سے ان کی مدد کرنا بہت ہی بہتر اور خوب ہے اور اس پر علمائے امت کا اجماع ہے۔ (فتاویٰ عزیزی)

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

یاروں اور دوستوں کو کہہ دیں کہ ستر ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ مرحومی خواجہ محمد صادق کی روحانیت کے لیے اور ستر ہزار کلمہ کا ثواب ایک کی روح کو اور ستر ہزار کلمہ کا ثواب دوسرے کی روح کو بخشیں، دوستوں سے فاتحہ اور دعاء کے لیے التماس ہے۔ (مکتوبات شریف)

مولوی محمد قاسم صاحبؒ نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند اپنی کتاب تحذیر الناس میں ایک واقعہ نقل کرتے ہیں جو ان کے پیروکاروں کے لیے درس عمل ہے۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے کسی مرید کا رنگ یکا یک متغیر ہو گیا۔ آپ نے سبب پوچھا تو بروئے مکاشفہ اس نے کہا کہ اپنی ماں کو دوزخ میں دیکھتا ہوں۔ حضرت جنیدؒ نے ایک لاکھ پانچ ہزار

بار کبھی کلمہ پڑھا تھا یوں سمجھ کر بعض روایتوں میں اس قدر کلمہ کے ثواب پر وعدۂ مغفرت ہے، اپنے جی ہی جی میں اس مرید کی ماں کو بخش دیا اور اس کی اطلاع نہ کی۔ مگر بخشتے ہی کیا دیکھتے ہیں کہ وہ نوجوان ہشاش بشاش ہے۔ آپ نے پھر سبب پوچھا۔ اس نے عرض کیا کہ اب اپنی والدہ کو جنت میں دیکھتا ہوں سو آپ نے اس پر یہ فرمایا کہ اس جوان کے مکاشفہ کی صحت تو مجھ کو حدیث سے معلوم ہوئی اور حدیث کی تصحیح اس کے مکاشفہ سے ہو گئی۔ (تحذیر الناس)

معلوم ہوا کہ ایصالِ ثواب اعمالِ بدنیہ کا جائز ہے اور اس سے میت کو حقیقۃً نفع ہوتا ہے۔ بانی دارالعلوم دیوبند کے پیروکاروں کو دعوتِ فکر و عمل ہے۔

اب ایک بہترین واقعہ مزید ملاحظہ کریں جو عملاً سابقہ دلائل کی تائید پیش کرتا ہے حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے جمعہ کی رات کو قبرستان میں گیا۔ میں نے دیکھا کہ وہاں نور چمک رہا ہے میں نے خیال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے قبرستان والوں کو بخش دیا ہے۔ غیب سے آواز آئی۔ اے مالک بن دینار یہ مسلمانوں کا تحفہ ہے جو انہوں نے قبر والوں کو بھیجا ہے۔ میں نے کہا تمہیں خدا کی قسم ہے۔ مجھے بتاؤ مسلمانوں نے کیا تحفہ بھیجا ہے؟ اس نے کہا ایک مومن مرد نے اس رات قبرستان میں قیام کیا تو اس نے وضو کر کے دو رکعتیں پڑھیں اور ان دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے بعد پہلی رکعت میں قُلْ یٰاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ اور دوسری رکعت میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کو پڑھا اور کہا اے اللہ! ان دو رکعتوں کا ثواب میں نے ان تمام قبروں والے اہل ایمان کو بخشا پس اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ہم پر یہ روشنی اور نور بھیجا ہے اور ہماری قبروں میں کشادگی و فرحت پیدا فرما دی ہے حضرت مالک بن دینار فرماتے ہیں اس کے بعد میں ہمیشہ دو رکعتیں پڑھ کر ہر جمعرات میں اہل ایمان کو بخشتا۔ ایک رات میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا، فرمایا۔ اے مالک بن دینار بے شک اللہ نے تجھے بخش دیا جتنی مرتبہ تو نے میری امت کو نور کا ہدیہ بھیجا ہے اور اتنا ہی اللہ نے تیرے لیے ثواب کیا ہے اور نیز اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے جنت میں ایک مکان بنایا ہے جس کا نام منیف ہے۔ میں نے عرض کیا منیف کیا ہے؟ فرمایا جس پر اہل جنت بھی جھانکیں۔ (شرح صدور ص ۱۲۸)

اسی طرح حضرت حماد مکی رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں کہ ایک رات میں مکہ مکرمہ کے قبرستان میں گیا اور وہیں ایک قبر پر اپنا سر رکھ کر سو گیا۔ خواب میں میں نے دیکھا کہ اہل قبور حلقہ باندھ کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں نے کہا کیا قیامت قائم ہو گئی ہے؟ انہوں نے کہا کہ نہیں۔ بلکہ ہمارے ایک مسلمان بھائی سورۂ اخلاص پڑھ کر اس کا ثواب ہمیں بخشتا ہے جس کو ہم ایک سال سے بانٹ رہے ہیں۔

(شرح صدور ص۱۳۰)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو ہم نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان پر نماز جنازہ پڑھی پھر ان کو قبر میں اتار کر ان پر مٹی ڈال دی گئی۔ بعد ازاں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے تکبیر و تسبیح پڑھنا شروع کر دی، ہم نے بھی آپ کے ساتھ پڑھنا شروع کر دیا۔ دیر تک پڑھتے رہے۔ فَقِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لِمَ سَبَّحْتَ ثُمَّ كَبَّرْتَ؟ قَالَ لَقَدْ تَضَايَقَ عَلٰى هٰذَا الْعَبْدِ الصَّالِحِ قَبْرُهٗ حَتّٰى فَرَّجَهُ اللّٰهُ عَنْهُ۔

تو کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تسبیح و تکبیر کیوں پڑھی؟ فرمایا اس نیک بندہ پر اس کی قبر تنگ ہو گئی تھی۔ ہماری تسبیح و تکبیر کے سبب سے اللہ نے اس کو فراخ کر دیا ہے معلوم ہوا کہ قبر پر کلام پاک کا پڑھنا باعث برکت ہے چاہے اذان ہو یا حمد و ثنا ہو۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ بعد دفن تسبیح و تکبیر کا پڑھنا سنت ہے اور اس سے غضب الٰہی کی آگ بجھ جاتی ہے نیز اس حدیث سے تلقین کا ثبوت بھی ہو جاتا ہے۔ کیونکہ تلقین میں اللہ تعالیٰ کے بارے حمد و ثناء اور وحدانیت کو بتلایا جاتا ہے۔ حضرت سعد ابن معاذ رضی اللہ عنہ پر قبر کا تنگ ہو جانا بطور پیار و محبت کے تھا۔

یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ قبر والوں کے حالات سے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باذن الٰہی باخبر ہوتے ہیں۔ نیز جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہو جاتے ہیں وہاں تکلیف کا ازالہ ہو جاتا ہے۔ یہاں حضرت سعد پر عذاب نہ تھا۔ بلکہ تنگی بطور پیار تھی تسبیح و تکبیر کے ذریعے دور کی گئی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے

پاس سے گذرے تو فرمایا کہ ان دونوں قبروں والوں کو عذاب ہو رہا ہے اور وہ کسی بہت بڑے گناہ کی وجہ سے نہیں بلکہ ایک تو پیشاب کرتے وقت چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا۔ اور دوسرا چغل خور تھا۔

ثُمَّ اَخَذَ جَرِيْدَةً رَطْبَةً فَشَقَّهَا بِنِصْفَيْنِ ثُمَّ غَرَزَ فِيْ كُلِّ قَبْرٍ وَّاحِدَةً قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ لِمَ صَنَعْتَ هٰذَا؟ فَقَالَ لَعَلَّهٗ اَنْ يُّخَفَّفَ عَنْهُمَا مَالَمْ يَيْبَسَا۔ (بخاری، مسلم، مشکوۃ صہ ۴۲)

جب تک یہ شاخیں ہری رہیں گی ان کے عذاب میں تخفیف رہے گی۔

اس حدیث سے چند فوائد نکلتے ہیں۔

ایک تو یہ کہ یہ تخفیفِ عذاب بوجہ تر شاخوں کی تسبیح کے باعث تھی۔

دوم یہ کہ تخفیف عذاب کا باعث سبز شاخوں کی تسبیح تھی جو باعث تخفیف ہوئی۔

سوم: جب سبز شاخوں کی تسبیح کے باعث تخفیف عذاب ہو سکتی ہے تو اہل ایمان کی تسبیح ضرور باعث تخفیف ہو سکتی ہے

چہارم: معلوم ہوا کہ قبروں پر سبز پودوں کا لگانا یا پھل و پھول ڈالنا یا قبروں پر لگوانا باعث مسرت ہے اور تخفیف عذاب بھی ہے۔ اور نیک لوگوں کی قبروں پر باعثِ خیر و برکت سبز پودے اور پھول ہوتے ہیں۔

پنجم: معلوم ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عذاب کو بھی جانتے ہیں اور اس کی خبر رکھتے ہیں اور اسباب عذاب کو بھی جانتے ہوتے ہیں۔

ششم: اگر نبی کریم دنیا میں ہو کر عالم برزخ پر نگاہ رکھتے ہیں تو عالم برزخ میں ہو کر دنیا والوں کو بھی جانتے ہیں اور پہچانتے ہیں۔

یاد رہے ہم نے علما امت کے جمہور محدثین و مفسرین اور آئمہ مجتہدین کرام اور دوسرے فقہا کرام اور علم عقائد کے اہل تحقیق کا یہ نکتہ نظر پیش کیا ہے کہ سوائے فرقہ معتزلہ کے باقی جمہور اہل سنت و جماعت عبادت بدنیہ محضہ کے ایصال ثواب کے قائل ہیں اور آیات کریمہ و احادیث شریفہ سے واضح طور پر ثابت

ہو گیا کہ استغفار و نماز روزہ تلاوت و دعاء وغیرہ سے مسلمان میتوں کو فائدہ اور ثواب پہنچتا ہے

عبادت بدنیہ نماز کا ایصال ثواب جائز ہونے پر مشکوۃ شریف کی روایت ملاحظہ کریں۔

عَنْ صَالِحِ بْنِ دِرْهَمٍ يَقُوْلُ اِنْطَلَقْنَا حَاجِّيْنَ فَاِذَا رَجُلٌ فَقَالَ لَنَا اِلٰى جَنْبِكُمْ قَرْيَةٌ يُّقَالُ لَهَا الْاُبُلَّةُ قُلْنَا نَعَمْ قَالَ مَنْ يَّضْمَنُ لِيْ مِنْكُمْ اَنْ يُّصَلِّيَ لِيْ فِيْ مَسْجِدِ الْعَشَّارِ رَكْعَتَيْنِ اَوْ اَرْبَعًا وَّيَقُوْلُ وَهٰذَا لِاَبِيْ هُرَيْرَةَ سَمِعْتُ خَلِيْلِيْ اَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَبْعَثُ مِنْ مَّسْجِدِ الْعَشَّارِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ شُهَدَاءَ لَا يَقُوْمُ مَعَ شُهَدَاءِ بَدْرٍ غَيْرُهُمْ رواه ابوداؤد وقال هٰذَا الْمَسْجِدُ مِمَّا يَلِي النَّهْرَ ۔ (مشکوۃ شریف باب الملحمہ ص۴۶۸)

روایت ہے صالح ابن درہم سے فرماتے ہیں کہ ہم حج کرنے جا رہے تھے کہ ایک شخص ملا پس اس نے کہا کیا تم سے قریب کوئی بستی ہے جسے اُبُلّہ کہا جاتا ہے ہم بولے ہاں اس نے کہا تم میں سے کون اس کا ضامن بنتا ہے کہ مسجد عشار میں میرے لیے دو چار رکعتیں پڑھ لے اور کہہ دے کہ یہ نماز ابوہریرہ کی ہے۔ میں نے اپنے محبوب ابوقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مسجد عشار سے ایسے شہید اٹھائے گا کہ ان کے سوا شہداء بدر کے ساتھ کوئی نہ کھڑا ہوگا۔ (ابوداؤد) اور فرمایا کہ یہ مسجد نہر کے قریب ہے۔

فوائد: معلوم ہوا کہ نماز جو کہ بدنی عبادت ہے اس کا ایصال ثواب اس روایت میں بیان کیا گیا ہے۔ نیز حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد عشار کے نوافل کے لیے بڑی تاکید ی وعدہ بھی لیا۔ اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کا رد نہیں کیا کیونکہ حضرت ابوہریرہؓ نے اس پر حدیث کو بطور سند بیان فرمایا۔ اور یہی ہمارا مدعا ہے۔

ساتھ ہی دوم یہ بھی معلوم ہو گیا کہ متبرک و مقدس مسجدوں میں نماز ادا کرنا زیادہ بہتر ہے جیسے مسجد نبوی کی ایک نیکی دوسری جگہ کی پچاس ہزار نیکیوں کی برابر ہے

اور سوم یہ بھی معلوم ہو گیا کہ نفلی نماز کا ثواب دوسرے کے لیے بخشدیا گیا ہے۔

چہارم: نیکی کر کے اس کا ثواب دوسرے کے لیے بخشنا. سنت صحابہ کرام ہے تو اہل سنت کا یہ معمول کہ فاتحہ مروجہ ختم شریف وغیرہ کا ایصال ثواب بالکل درست ہے .

پنجم: معلوم ہوا کہ خود اعلیٰ ہو کر ادنیٰ سے دعاء وصدقات کا ثواب اپنے لیے کرایا جا سکتا ہے .

ششم: واضح ہوا کہ ایک زندہ انسان دوسرے زندہ کے لیے نفلی عبادت کا ثواب بخش سکتا ہے

یاد رہے کہ آخر زمانہ میں ایک عظیم جہاد ہوگا. اس جہاد کے غازی اس مسجد عشار میں جمع ہو کر میدان جہاد میں شہید ہوں گے پھر قیامت میں یہی شہداء بدر کے شہداء کے ساتھ کھڑے ہوں گے. اس لیے اس مسجد میں نماز پڑھنے کو افضل بتایا گیا ہے .معلوم ہوا کہ جہاں اللہ کے مقبول بندوں کا ٹھکانہ رہ چکا ہو یا ہونے والا ہو تو وہاں اس نسبت خاص کی وجہ سے عبادت افضل ہوتی ہے حالانکہ شہید تو قرب قیامت میں ہونگے اور فضیلت ان کی وقت سے پہلے بیان کی گئی ہے. اس طرح حضرت سیدنا سلیمان علیہ السلام نے مدینۃ المنورہ کی مٹی کا احترام کیا تھا کہ فرمایا یہاں آخر الزماں نبی رہے گا.

عبادت مالیہ کے ذریعہ ایصال ثواب کا ثبوت

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا پس عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری ماں مرگئی ہے اور وفات کے وقت اس نے کچھ وصیت نہیں کی۔ فَهَلْ لَهَا اَجْرٌ اِنْ تَصَدَّقْتُ ؟ قَالَ نَعَمْ

اگر میں صدقہ کروں اس کے لیے تو کیا اسے اجر و ثواب پہنچے گا ؟ آپ نے فرمایا ہاں.

مسلم کتاب الزکوٰۃ ۔بخاری کتاب الوصایا وغیرہ

نسائی شریف کے الفاظ یہ ہیں.

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اُمِّيْ اُفْتُلِتَتْ نَفْسُهَا وَاَرَاهَا لَوْ تَكَلَّمَتْ تَصَدَّقَتْ اَفَاَتَصَدَّقُ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ تَصَدَّقْ عَنْهَا ۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

سے عرض کیا کہ میری ماں اچانک مرگئیں۔ اور میرا خیال ہے کہ اگر وہ بول سکتیں تو خیرات کرتیں، کیا میں ان کی طرف سے صدقہ کر دُوں، آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ ان کی طرف سے صدقہ کر دو۔

فائدہ: اس حدیث سے واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ میت کی طرف سے مالی صدقہ دینا جائز ہے اور اس کا فائدہ میت کو پہنچتا ہے اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت بھی دی اور اسے احسن قرار دیا اور صدقہ دینے کا حکم دیا

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ اسْتَفْتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ اُمِّيْ مَاتَتْ وَعَلَيْهَا نَذْرٌ فَقَالَ اقْضِهِ عَنْهَا (بخاری کتاب الوصایا)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن عبادہ نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فتویٰ پوچھا کہ میری ماں فوت ہو گئیں اور انہوں نے ایک منت مانی تھی تو آپ نے فرمایا کہ تم اُسے ان کی طرف سے پورا کر دو۔ اور نسائی کے الفاظ اس طرح ہیں۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ اَنَّهُ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ اُمِّيْ مَاتَتْ وَعَلَيْهَا نَذْرٌ فَيُجْزِيْ عَنْهَا اَنْ اُعْتِقَ عَنْهَا فَقَالَ اَعْتِقْ عَنْ اُمِّكَ

سیدنا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میری والدہ فوت ہو گئی۔ ان کے ذمے ایک نذر ہے کیا میں ان کی طرف سے غلام آزاد کر سکتا ہوں آپ نے ارشاد فرمایا۔ اس کی طرف سے غلام آزاد کر دو

ان روایات میں بیان ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ کی والدہ نے غلام کو آزاد کرنے کی نذر مان چکی تھی جسے وہ اپنی زندگی میں ادا نہ کر سکی تھی۔

فَاَفَادَتْ هٰذِهِ الرِّوَايَةُ بَيَانَ مَاهُوَ النَّذْرُ الْمَذْكُوْرُ وَهُوَ اَنَّهَا نَذَرَتْ اَنْ تُعْتِقَ رَقَبَةً فَمَاتَتْ قَبْلَ اَنْ تَفْعَلَ

اس روایت نے یہ فائدہ دیا کہ حضرت سعد کی ماں کی منت کیا تھی انہوں نے منت مانی تھی کہ غلام آزاد کر دیں گی ——————— لیکن منت پوری کرنے سے پہلے ان

کا انتقال ہو گیا۔

خلاصہ یہ ہوا کہ حضرت سعد کی والدہ کے ذمے ایک نذر تھی جو حضرت سعد نے غلام کو آزاد کر کے اس منت کو ادا کر دیا۔

یہ ایک خاص روایت ہے جو صرف اور صرف نذر سے متعلق ہے اس کا تعلق نفلی صدقات کے ایصال ثواب سے نہیں ہے ہاں اس سے معلوم ہوا کہ بغیر وصیت کے بھی نذر غیر کی طرف سے ادا کرنا جائز ہے۔ اور اس طرح سے ایصال ثواب کا بھی ثبوت ہو گیا کہ جب نذر کا ادا کرنا منت ماننے والے کے اوپر واجب تھا اور اس کو دوسرے کے ادا کرنے سے ادا ہو گیا تو معلوم ہوا کہ نفلی صدقہ تو واجب الاداء ہی نہیں ہوتا ہے۔ وہ تو نصوص سے ثابت ہے کہ ہر وقت ہر کوئی دے سکتا ہے

نیز اس روایت پر اغیار یہ سہارا نہ پکڑیں کہ حضرت سعد نے اس نذر کو ادا کیا تھا جو اس کی والدہ کے ذمے اس کا ادا کرنا واجب تھا کیونکہ اس روایت میں صرف نذر کا واقعہ مذکور ہے اور دوسری روایات میں بطور نذر نہیں بلکہ بطور احسان وصلہ رحمی کے صدقہ ادا کیا تھا۔ حضرت سعد نے ایک بار کنواں اور دوسری بار باغ اپنی والدہ کے ایصالِ ثواب کے لیے صدقہ کیا تھا۔ جو مندرجہ ذیل روایات میں مذکور ہے۔

عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّ أُمِّيْ مَاتَتْ أَفَأَتَصَدَّقُ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ قُلْتُ فَأَيُّ الصَّدَقَةِ أَفْضَلُ قَالَ سَقْيُ الْمَاءِ (نسائی کتاب الوصایا)

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میری والدہ فوت ہو گئی ہیں۔ کیا میں اس کی طرف سے کچھ خیرات کروں۔ آپ نے فرمایا ہاں کرو۔ میں نے عرض کیا۔ کون سے صدقے کا ثواب سب سے زیادہ ہے آپ نے فرمایا کہ پانی پلانے کا ثواب سب سے زیادہ ہے۔

دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں۔

عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ أَنَّ أُمَّهُ مَاتَتْ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّ أُمِّيْ مَاتَتْ أَفَأَتَصَدَّقُ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ فَأَيُّ الصَّدَقَةِ أَفْضَلُ قَالَ سَقْيُ الْمَاءِ فَتِلْكَ سِقَايَةُ سَعْدٍ

بِالْمَدِیْنَۃِ (نسائی)

حضرت سعد بن عبادہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری والدہ فوت ہوگئی ہیں۔ کیا میں ان کی طرف سے کچھ خیرات اور صدقہ کروں آپ نے فرمایا ہاں کرو۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا ثواب کے لحاظ سے کونسا صدقہ افضل ہے۔ آپ نے فرمایا پانی پلانا۔ تو ابھی تک مدینہ منورہ میں حضرت سعد ہی کی سبیل ہے۔

یاد رہے اس روایت نسائی میں قدر تفصیل ہے اور اس میں کنواں کا صدقہ جاریہ (بطور نفل) کا ذکر ہے اسمیں نذر و منت کا ذکر نہیں ہے۔

دوسری روایت میں کنواں کے سوا۔ دوسرے مرتبہ صدقہ میں۔ مخراف (نامی) باغ کا صدقہ دیا تھا۔

اَنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَخَا بَنِیْ سَاعِدَۃَ تُوُفِّیَتْ اُمُّہٗ وَھُوَ غَائِبٌ فَاَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ اُمِّیْ تُوُفِّیَتْ وَاَنَا غَائِبٌ عَنْھَا فَھَلْ یَنْفَعُھَا شَیْءٌ اِنْ تَصَدَّقْتُ بِہٖ عَنْھَا قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاِنِّیْ اُشْھِدُکَ اَنَّ حَائِطِی الْمِخْرَافَ صَدَقَۃٌ عَلَیْھَا۔ (بخاری کتاب الوصایا)

بیشک سعد بن عبادہ جو بنی ساعدہ کے بھائی بند تھے، ان کی والدہ وفات پاگئیں اور وہ ان کے پاس موجود نہ تھے، ایک دن وہ رسول اللہ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ اگر میں ان کی طرف سے کچھ صدقہ دوں تو وہ انہیں فائدہ مند ہوگا۔ آپ نے فرمایا ہاں! اس پر انہوں نے کہا میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ میرا باغ مخراف (نامی) ان کے لیے خیرات ہے۔

بخاری شریف کی اس روایت میں صراحۃً لفظ صدقہ آیا ہے اور ساتھ باغ مخراف کے صدقہ کردینے کا ذکر آیا ہے۔ لہٰذا کنواں اور مخراف باغ یہ دونوں سعد نے اپنی والدہ مرحومہ کے لیے ایصال ثواب کیا تھا اور ظاہر ہے کہ باغ حضرت سعد بن عبادہ کا تھا اس کا نذر بھی کوئی دوسرا نہیں مان سکتا تھا: ثابت ہوا کہ نفلی صدقہ مالی کا ایصال ثواب جائز ہے اور نافع ہے اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ عبادت مالیہ کا ایصال ثواب جائز ہے۔

ابوداؤد شریف کی روایت میں الفاظ اس طرح کے آئے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

اِنَّ اُمَّ سَعْدٍ مَاتَتْ فَاَیُّ الصَّدَقَۃِ اَفْضَلُ قَالَ اَلْمَاءُ وَقَالَ فَحَفَرَ بِئْرًا ھٰذِہٖ فَقَالَ لِاُمِّ سَعْدٍ ۔

یا رسول اللہ میری ماں مرگئیں تو ان کے لیے کونسا صدقہ افضل ہے ؟ فرمایا پانی ۔ تو انہوں نے کنواں کھودا اور کہا کہ یہ اُمّ سعد کے لیے ہے (ابو داؤد کتاب الزکوٰۃ (ص ۲۶۶ ج ۱)

معلوم ہوا کہ ایصال ثواب کی نیت سے مجازی طور پر غیر اللہ کی طرف نام لیکر نامزد کرنا جائز ہے جیسے کہ اس روایت میں ہٰذہٖ لِاُمِّ سَعْدٍ کے الفاظ وارد ہوئے ہیں اور صحابہ کرام اور ان کے بعد آنے والوں نے اس نامزدگی کو خلاف اسلام نہیں ٹھہرایا بلکہ سب جانتے تھے کہ کنویں پر اُمّ سعد کا نام رکھنا صرف ایصال ثواب کے لیے ہے اس طرح گیارہویں شریف میلاد شریف کے لیے اور چھٹی شریف نیاز شہداء کربلا کا ۔ ہدیہ امام حسین کا اس طریقے سے نام لیکر پکارنا مجازاً جائز ہے ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے پوچھا کہ ہم اپنے مُردوں کے لیے دعائیں اور ان کے لیے صدقات اور حج وغیرہ امور خیر کرتے ہیں ۔ کیا ان کا فائدہ ان کو پہنچتا ہے ؟

فقال اِنَّہٗ یَصِلُ اِلَیْھِمْ وَیَفْرَحُوْنَ بِہٖ کَمَا یَفْرَحُ اَحَدُکُمْ بِالْھَدِیَّۃِ

آپ نے فرمایا بے شک یہ چیزیں ان کو پہنچتی ہیں اور وہ ان سے خوش ہوتے ہیں جیسا کہ تم ایک دوسرے کے ہدیہ سے خوش ہوتے ہو ۔ (مسند امام احمد)

اس روایت سے واضح ہوگیا کہ ہدیہ اور ایصال ثواب باقاعدہ مسلمان مردوں کو پہنچتا ہے اور اس سے ان کو بڑی خوشی حاصل ہوتی ہے ۔ اور مسلمان مردوں کو خوش کرنا تب ہی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ان کو ان صدقات و دعاؤں کے ذریعے بہتر بدلہ عطا فرماتا ہے ۔

اِنَّ الصَّدَقَۃَ عَنِ الْمَیِّتِ تَنْفَعُ الْمَیِّتَ وَیَصِلُہٗ ثَوَابُھَا وَھُوَ اِجْمَاعُ الْعُلَمَاءِ (تفسیر خازن)

بیشک میت کی طرف سے صدقہ دینا میت کے لیے نفع دیتا ہے ۔ اور اس صدقہ کا ثواب میت کو پہنچتا ہے اور اس پر علماء کا اجماع ہے ۔

یاد رہے کہ حدیث میں آیا ہے میری امت گمراہی پر اکٹھی نہیں ہوگی ۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ ایصال

ثواب امر خیر ہے اور یہ علماء اسلام کا معمول ہے ۔

اب ان علماء کے اقوال بھی پیش کیے جاتے ہیں جو منکرین ایصالِ ثواب کے مذہبی اکابرین ہیں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔

وشیر برنج بنابر فاتحہ بزرگے بقصد ایصالِ ثواب بروح ایشاں پزند وبخورانند مضائقہ نیست جائز است واگر فاتحہ بنام بزرگے دادہ شود اغنیاء راہم خوردن جائز است ۔ زبدۃ النصائح صد ۱۳۲

ترجمہ: دودھ چاول (کھیر) کی بزرگ کی فاتحہ کے لیے ان کی روح کو ایصال ثواب کی نیت سے پکانے اور کھلانے میں کوئی حرج نہیں ہے جائز ہے اور اگر کسی بزرگ کی فاتحہ دی جائے تو مالداروں کو بھی کھانا جائز ہے

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں

وطعامیکہ آں نیاز حضرات امامین نما بند برآں قل وفاتحہ ودرود خواند متبرک می شود خوردن او بسیار خوبست (فتاویٰ عزیزی)

وہ کھانا جو حضرت حسنین کی نیاز کے لیے پکایا جائے اور اس پر قل وفاتحہ درود پڑھا جائے وہ متبرک ہو جاتا ہے اور اس کا کھانا بہت ہی اچھا ہے یہ دو وہ حضرات ہیں جنہیں علماءِ دیوبند خصوصی طور پر اپنا پیشوا مانتے ہیں اب متبوع وتابع کا فرق عمل سے عیاں ہے۔ پیشوا حضرات تو خوب سے خوب بتاتے ہیں اور پیروکار بدعت خیال کرتے ہیں ۔

علماء اہل حدیث کا عدم تقلید اور عقائد میں ۔ علماء دیوبند عقائد واعمال میں جس شخصیت کو اپنا امام تصور کرتے ہیں ۔ وہ مولوی اسمٰعیل شہید دہلوی کے نام سے مشہور ہیں یہ حضرت اپنی کتاب تقویۃ الایمان میں لکھتے ہیں ۔

پس ہر عبادتیکہ از مسلمان ادا شود وثواب آں بروح کسے از گزشتگان برساند وطریق رسانیدن آن دعاء خیر بجناب الٰہیست پس ایں خود البتہ بہتر ومستحسن است ودر خوبی ایں قدر امراز امور مرسومہ فاتحہا وعراس ونذر ونیاز اموات شک وشبہ نیست ۔ (صراط مستقیم صد ۵۵)

پس ہر وہ عبادت جو مسلمان ادا کرے اور اس کا ثواب کسی گزرے ہوئے کی روح کو پہنچائے

اور اس کے لیے اللہ کی بارگاہ میں دعا کرے تو یہ بہت ہی بہتر اور خوب ہے اور رسوم میں فاتحہ پڑھنے عرس کرنے، مردوں کی نذر و نیاز کرنے کی رسموں کی خوبی میں شک و شبہ نہیں ہے۔

دوسری عبارت تقویۃ الایمان کی اس طرح مرقوم ہے:

نہ پندارند کہ نفع رسانیدن باموات با طعام و فاتحہ خوانی خوب نیست چہ ایں معنی بہتر و افضل است۔

کوئی یہ خیال نہ کرے کہ مردوں کو طعام اور فاتحہ خوانی کے ساتھ نفع پہنچانا خوب نہیں ہے کیونکہ یہ بات بہتر و افضل ہے۔ (صراط مستقیم ص۶۴)

اس عبارت سے صاف ظاہر ہوا کہ ایصال ثواب کو بدعت اور غیر مستحسن سمجھنا برا مسلک ہے اور کام ایصال ثواب کا عمدہ طریقہ ہے۔ عوام بے چاروں کو نیم مذہبی پیشواؤں نے ایسے عادی بنادیا ہے کہ وہ اپنے والدین کے لیے بھی ایصال ثواب کے محافل سے گریز کرتے ہیں حالانکہ یہ احسان۔ اور نیک اولاد کے کردار کے خلاف ہے۔ ایک سوال کے جواب میں مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ

سوال: ایصال ثواب کی نسبت بعض وقت خدشہ گذرتا ہے کہ اگر نیک عمل کا ثواب دوسرں کی روح کو بخشا جائے تو بخشنے والے کے لیے کیا نفع ہوا۔ البتہ مردوں کو اس سے نفع پہنچتا ہے۔ حضرت اس خدشہ کو رفع فرمادیں تو فدوی کو اطمینان ہوگا۔

جواب: فِی شَرحِ الصُّدُوْرِ بِتَخْرِیْجِ الطَّبْرَانِیْ عَنْ اِبْنِ عُمَرَ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا تَصَدَّقَ اَحَدُکُمْ صَدَقَۃً تَطَوُّعًا فَیَجْعَلُھَا عَنْ اَبَوَیْہِ فَیَکُوْنُ لَھُمَا اَجْرُھَا وَلَا یُنْقَصُ مِنْ اَجْرِہٖ شَیْئًا۔

یہ حدیث نص ہے اس میں کہ ثواب بخش دینے سے بھی عامل کے پاس پورا ثواب رہتا ہے اور صحیح مسلم کی حدیث مَنْ سَنَّ سُنَّۃً حَسَنَۃً الحدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

(امداد الفتاویٰ ج ۵ ص۳۹۹)

مخالفین ایصال ثواب کے لیے اپنے ان اکابرین کے ارشادات پر عمل کرنا چاہیئے ورنہ کم از کم ایصال ثواب کرنے والوں پر طعنِ بدعت نہ لگائیں۔ کیونکہ ہر جگہ بدعت۔ بدعت کا سبق رٹنے والے حضرات

مندرجہ بالا احادیث کی مخالفت کرتے ہیں جس میں ہر طریقہ حسنہ کو جاری کرنے کی ہدایت موجود ہے اور ہر طریقہ حسنہ جاری کرنے پر ثواب پانے کا وعدہ ہے۔

قربانی اور اس کی اہمیت

وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ بِكَبْشٍ اَقْرَنَ يَطَأُ فِيْ سَوَادٍ وَيَبْرُكُ فِيْ سَوَادٍ وَيَنْظُرُ فِيْ سَوَادٍ فَاُتِيَ بِهٖ لِيُضَحِّيَ بِهٖ قَالَ عَائِشَةُ هَلُمِّي الْمُدْيَةَ ثُمَّ قَالَ اشْحَذِيْهَا بِحَجَرٍ فَفَعَلْتُ ثُمَّ اَخَذَهَا وَاَخَذَ الْكَبْشَ فَاَضْجَعَهٗ ثُمَّ ذَبَحَهٗ ثُمَّ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ وَمِنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ ثُمَّ ضَحّٰى بِهٖ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سینگ والے بکرے کا حکم دیا جو سیاہی میں چلے سیاہی میں بیٹھے سیاہی میں دیکھے آپکی خدمت میں حاضر کیا گیا تاکہ اسکی قربانی کریں فرمایا عائشہ چھری لاؤ پھر فرمایا اسے پتھر پر تیز کر لو۔ میں نے کر لیا پھر آپ نے چھری پکڑی اور بکرا پکڑ کر لٹایا پھر اسے ذبح کیا پھر فرمایا بسم اللہ الٰہی اسے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) وآل محمد وامت محمد کی طرف سے قبول فرما۔ پھر اس کی قربانی کی (مسلم)

فوائد: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ واقعہ مدینۃ المنورہ کا ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ نماز عید مدینۃ المنورہ میں پڑھانے کے بعد قربانی فرمایا کرتے تھے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِيْنَةِ عَشْرَ سِنِيْنَ يُضَحِّيْ۔ (رواہ الترمذی)

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں دس سال قیام فرمایا قربانی کرتے رہے۔

معلوم ہوا کہ قربانی صرف مکہ سے خاص نہیں ہے بلکہ ہر جگہ اہل نصاب پر واجب ہے۔ ہندو نوازفرقوں سے بچنا ضروری ہے۔ ہندو جانور کا گوشت کھانے سے منع کرتے ہیں خاصکر گائے کی قربانی سے وہ روکتے ہیں لہٰذا مسلمان شعائر اسلامی پر ہر جگہ عمل کریں تاکہ شعائر اسلامی کا احیاء زیادہ سے زیادہ ہو سکے۔ نیز فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ میں ہر جگہ نماز اور ہر جگہ قربانی کا حکم ہے۔

دوسرا فائدہ: یہ نکلا کہ ایصال ثواب ہر عبادت بدنی ومالی کا دوسرے مسلمانوں کو کیا جا سکتا ہے چاہے زندہ ہوں یا مر چکے ہوں۔ اس حدیث میں آل پاک اور تمام امت مسلمہ کی طرف سے قربانی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ادا فرمایا کرتے تھے۔ جو قربانی پر قادر نہ تھے یا بھول گئے ہوں یا پھر قربانی کے جانور نہ ملتے ہوں امتِ مسلمہ کی طرف سے ایک قربانی دے دینا یہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے۔ تاکہ امت مسلمہ قربانی کے ثواب میں برابر کے شریک ہو جائیں۔

تیسرا فائدہ: یہ ہے کہ کھانا سامنے رکھ کر ایصال ثواب کرنا اس حدیث سے ثابت ہے۔ کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بکری ہوا کرتی تھی اور اس حال میں آپ امت مسلمہ کے لیے ایصال ثواب فرماتے تھے۔

وَعَنْ حَنَشٍ قَالَ رَأَيْتُ عَلِيًّا يُضَحِّي بِكَبْشَيْنِ فَقُلْتُ لَهُ مَا هٰذَا فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْصَانِي اَنْ اُضَحِّيَ عَنْهُ فَاَنَا اُضَحِّي عَنْهُ رواہ ابو داؤد وروی الترمذی نَحْوَهٗ : کتاب الاضحیہ مشکوٰۃ

روایت ہے حضرت حنش سے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی کو دیکھا کہ آپ دو بکرے قربانی کرتے تھے۔ میں نے عرض کیا یہ کیا ہے، فرمایا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی کہ میں آپ کی طرف سے بھی قربانی کیا کروں۔ لہٰذا میں حضور کی طرف سے قربانی کرتا ہوں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بعد وفات مرحوم کی طرف سے قربانی دینا جائز ہے یاد رہے کہ اگر قربانی صرف ایصال ثواب کے لیے اپنی طرف سے اہل خانہ، وارث حضرات کرتے ہوں تو پھر اسے سب کھا سکتے ہیں۔ نیز حضورؐ کی طرف سے قربانی کرنا بھی ثابت ہو گیا ہے اور آپ کی قربانی کا گوشت ہر کوئی کھا سکتا ہے۔ کیونکہ یہ تبرک کا گوشت ہوتا ہے۔ آج بھی اہل محبت مسلمان صاحبِ نصاب لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی کرتے ہیں۔ جس کی اصل حدیث مذکور ہے۔ نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ جانور کو غیر اللہ کے نام سے نامزد کرنا جائز ہے کہ امت مسلمہ کی طرف سے ہمارے نبی علیہ السلام نے قربانی فرمائی تھی اور امت مسلمہ بھی اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی دیا کرتی ہے۔ جس سے صرف ایصال ثواب

مقصود ہوتا ہے۔ جو لوگ مجازی طور پر نامزدگی کو حرام کہتے ہیں، وہ اس حدیث مذکور پر غور کر کے اپنا ایمان درست کر لیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود امت کی طرف سے قربانی دیتے تھے اور نام بھی لیا کرتے تھے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی یہی وصیت و حکم دیا کہ تم میری طرف سے قربانی کیا کریں اور پھر حضرت علی خود بھی اس پر عمل کرتے رہے اور آج تک امت مسلمہ اس پر عمل کرتے رہے ہیں۔

تنبیہ: بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی دیا کرتے تھے کہ آپ کو وصیت ہوئی تھی۔

جواباً عرض ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ کی صحیح روایت میں باغ کو اور کنوئیں کو صدقہ کرنا بغیر کی وصیت کے اپنی والدہ کی طرف سے یہ دلیل ہے کہ وصیت ہو یا نہ ہو ہر لحاظ سے ایصال ثواب جائز ہے۔ نیز حضرت علی کی حدیث میں اَوْصَانِیْ سے وصیت فقہی مراد نہیں ہے کیونکہ وصیت فقہی یہ ہے کہ مرنے والا اپنے ترکہ سے کچھ حصہ کسی کو دے ترکہ کے کسی حصہ سے کوئی نیک کام کرنے کے لیے کچھ کہہ دیا جائے۔ حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی ترکہ نہیں چھوڑا تھا۔ ملاحظہ ہو۔

مَا تَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ مَوْتِهِ دِرْهَمًا وَّلَا دِيْنَارًا وَّلَا عَبْدًا وَلَا اَمَةً وَلَا شَيْئًا اِلَّا بَغْلَتَهَا الْبَيْضَاءَ وَسِلَاحَهٗ وَاَرْضًا جَعَلَهَا صَدَقَةً

(بخاری جلد اول صہ ۳۸۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے وقت نہ درہم چھوڑا نہ دینار، نہ غلام نہ باندی، نہ کچھ اور سوائے سفید خچر اور ہتھیار اور زمین کے جنہیں حضور نے صدقہ کر دیا تھا۔ معلوم ہوا کہ اس حدیث میں فقہی وصیت مراد نہیں لیا جائے گا۔ بلکہ وصیت سے امر و حکم مراد ہے اس کی تائید ترمذی شریف کی روایت سے ہوتی ہے اس میں اَمَرَنِیْ اور حاکم کی روایت میں بھی اَمَرَنِیْ آیا ہے لہٰذا ترمذی و حاکم کی روایت، اصل میں بطور تفسیر ہے۔

قرآن پاک میں وصیت بمعنٰی امر مراد ہے۔

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا۔ (اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ بھلائی

کا حکم دیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لیے وصیّت فقہی مراد نہیں لیا جا سکتا ہے اسی طرح وَوَصّٰی بِهَآ اِبْرَاهِيْمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ اس میں بھی وصیت بمعنی امر کے ہے۔ چونکہ حضرت علیؓ نبی کریم کے چچا زاد بھائی اور نسبی رشتہ کے علاوہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ تھے اس لیے ان سے فرمایا گیا کہ وہ آپ کی طرف سے قربانی دیا کریں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ کارِ خیر حضرت علی سے خاص قرار پایا۔ اصل میں نبی کریم صلی اللہ وسلم نے یہ بوجہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ذمہ ڈالا ہے۔ ورنہ کوئی بھی احسانِ قربانی کرنے پر صاحبِ قرب ہو سکتا ہے اس لیے اہل محبت و ثروت اپنے آقا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی کیا کرتے ہیں وصیت عرفی کو وصیت فقہی سمجھنا بڑی غلطی ہے۔

نیز عنوان باب سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہاں تخصیص مراد نہیں ہے کیونکہ عنوان یہ ہے۔

بَابُ الْاُضْحِيَةِ عَنِ الْمَيِّتِ یعنی میت کی طرف سے قربانی کا باب۔ میت عام ہے کوئی بھی مسلمان میت ہو سکتا ہے۔ نیز یہ حدیث صحیح ہے مستدرک ص ۲۳ ج ۴)

امام ذہبی نے تلخیص میں اس حدیث کو صحیح بیان کیا ہے اور اگر کہیں غریب ہونے کا ذکر آجائے تو اس سے حدیث کے صحیح ہونے کی نفی لازم نہیں آتی ہے ملاحظہ کریں موضوعات کبیر اور مرقات شرح مشکوٰۃ وغیرہ۔

مزید علامہ شامی کی تصریح ملاحظہ کریں۔

وَبَالَغَ السُّبْكِيُّ وَغَيْرُهٗ فِي الرَّدِّ عَلَيْهِ مِثْلُ ذٰلِكَ لَا يَحْتَاجُ لِإِذْنٍ خَاصٍّ اَلَاتَرٰى اَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَعْتَمِرُ عَنْهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُمَرًا بَعْدَ مَوْتِهٖ مِنْ غَيْرِ وَصِيَّةٍ وَحَجَّ ابْنُ الْمُوَفَّقِ وَهُوَ فِي طَبَقَةِ الْجُنَيْدِ عَنْهُ سَبْعِيْنَ حَجَّةً وَخَتَمَ ابْنُ السَّرَّاجِ عَنْهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكْثَرَ مِنْ عَشَرَةِ اٰلَافِ خَتْمَةٍ وَضَحّٰى عَنْهُ مِثْلَ ذٰلِكَ۔ (شامی جلد اول ص ۶۰۵)

امام تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن تیمیہ کا رد بلیغ کیا کہ اس میں اذن خاص کی حاجت نہیں۔ کیا تجھے نہیں معلوم کہ مشہور صحابی حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بغیر

حضور کی وصیت کے عمر بھر عمرے کیا کرتے تھے اور ابن موفق نے حضرت جنید کے طبقہ میں سے ہیں حضور کی طرف سے ستر حج کیے اور ابن سراج نے حضور کی طرف سے دس ہزار سے زیادہ قرآن مجید ختم کیے اور اس کے برابر حضور کی طرف سے قربانی کی۔

معلوم ہوا کہ وصیت ایصال ثواب کے لیے ضروری نہیں ہے نیز ہر مسلمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی حج ختم قرآن وغیرہا نیکی بطور ہدیہ پیش خدمت کر سکتے ہیں اس کے لیے کسی خاص اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔ اور یہ بات بھی واضح ہوگئی ہے کہ صحابہ کرام کا ایصال ثواب کا عمل ہمارے لیے سنت ہے۔ یہ شبہ بھی زائل ہو جاتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اعمال کا ثواب اپنی کسی زوجہ کو یا کسی صحابی کو دیا ہے۔ ؟ جواباً عرض ہے کہ ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانی کا ذکر پہلا کر دیا ہے جو آپ حسب معمول اپنی امت کی طرف سے قربانی فرمایا کرتے تھے۔ یہی ثواب کا عطا کرنا تھا۔ نیز نبی کریم ہمیشہ اپنی امت کے لیے دعائیں فرمایا کرتے تھے۔ یہی ایصال ثواب ہوتا ہے۔

ہم نے بحث بدعت میں بیان کر دیا ہے کہ کسی عمل کا منقول نہ ہونا یعنی ہم تک نہ پہنچنا اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ عمل یا اس کا وجود یا ثبوت، واقعہ میں نہ ہو۔ مثال کے طور پر دیکھیں۔ نبی کریم کے وہ احوال مبارکہ جو بعثت کے قبل کے تھے۔ وہ تمامہ نہ تحریر میں آئے۔ نہ زبانی محفوظ ہو سکے۔ اسی طرح انبیاء کرام علیہم السلام کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار یا دو لاکھ چوبیس ہزار ہے (جتنے بھی ہیں اللہ تعالیٰ ان پر فضل نازل کرے ہمارا سب پر ایمان بالغیب ہے) نہ تو ان کے نام جمع ہو سکے اور نہ ہی ان کے تمام احوال تحریر ہو سکے ہیں اسی طرح صحابہ کرام کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار تھی۔ لیکن صرف زیادہ سے زیادہ بارہ تیرہ ہزار کے حالات کسی قدر تحریر ہو سکے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کا انکار کر دیا جائے ورنہ آپ کا ایمان قائم نہ رہ سکے گا۔ نیز امام بخاری کو چھ لاکھ حدیثیں یاد تھیں اور صحیح بخاری میں مشکل چار ہزار حدیثیں بھی نہیں جمع ہو سکیں۔ باقی پانچ لاکھ چھیانوے ہزار صحیح احادیث کا تذکرہ نہیں ہے اس کا بھی یہ مطلب نہیں کہ آپ جسے نہ پائیں اس کا انکار کرتے جائیں۔

اسی طرح اگر ایصال ثواب کا عام تذکرہ صحابہ کرام کے ہاں نہ بھی ملے تو پھر بھی ایصال ثواب امر مستحسن

و مستحب رہے گا کیونکہ بالفرض ہمیں پوری طرح معلوم نہیں کہ صحابہ کرام نے ایصال ثواب کیا ہے تو اس میں ہمارے علم کی کمی ہے نہ کہ اصل حقیقت کا انکار کیا جائے۔ نیز ایصال ثواب کی شرعی حیثیت صرف مستحب کام ہے اب اگر کوئی ایصال ثواب نہیں کرتا ہے تو اس پر اس کی گرفت نہ دنیا میں ہو سکتی ہے اور نہ ہی آخرت میں گرفت ہوگی۔ خاص کر اگر فرائض و واجبات کے اندر مشغولیت کا اہتمام ہو تو وہاں مستحبات کا تذکرہ و عمل بے معنی ہوگا۔ صحابہ کرام فرائض اور واجبات کے اہتمام میں زیادہ مشغول تھے۔ جیسے جہاد کا فریضہ۔ تبلیغ کا فریضہ۔ تلقین و تعلیم۔ قرآن مجید کا تحفظ۔ احادیث مبارکہ کا حفظ و ضبط۔ خارجی و داخلی انتشار سے ملت اسلام کا مکمل تحفظ و فکر کرنا زیادہ ضروری تھا۔ مرکز حرم کعبۃ المعظمہ کا تحفظ۔) فرض عملی تھا۔

یہود و عیسائی۔ اہل شرک کے فتنوں سے اور ان کے مقابلوں سے اہل اسلام کا تحفظ زیادہ اہم تھا اور یہ دور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا۔ صحابہ کرام کے دور میں مسائل اور زیادہ الجھ گئے تھے۔ مرتدین کا فتنہ۔ مانعین زکوٰۃ کا فتنہ۔ ختم نبوت کے انکار کا فتنہ صحابہ کرام کے عظیم ترین مشکلات کے دور میں گذرے تھے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِمَّا یَلْحَقُ الْمُؤْمِنَ مِنْ عَمَلِهٖ وَحَسَنَاتِهٖ بَعْدَ مَوْتِهٖ عِلْمًا عَلَّمَهٗ وَنَشَرَهٗ وَوَلَدًا صَالِحًا تَرَكَهٗ اَوْ مُصْحَفًا وَرَّثَهٗ اَوْ مَسْجِدًا بَنَاهُ اَوْ بَیْتًا لِابْنِ السَّبِیْلِ بَنَاهُ اَوْ نَهْرًا اَجْرَاهُ اَوْ صَدَقَةً اَخْرَجَهَا مِنْ مَالِهٖ فِیْ صِحَّتِهٖ وَحَیٰوتِهٖ تَلْحَقُهٗ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهٖ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالْبَیْهَقِیُّ۔ (مشکوٰۃ شریف، کتاب الاضحیۃ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اعمال و نیکیاں مومن کو بعد موت بھی پہنچتی رہتی ہیں ان میں سے وہ علم ہے۔ جسے سکھایا گیا اور پھیلایا گیا اور نیک اولاد جو چھوڑ گیا یا قرآن شریف جس کا وارث بنایا گیا یا مسجد یا مسافرخانہ جو بنایا گیا یا نہر جو جاری کر گیا۔ یا خیرات جو اپنے مال سے اپنی تندرستی و زندگی میں نکال گیا کہ یہ چیزیں مرنے کے بعد پہنچتی رہتی ہیں۔ یہ حدیث نص ہے کہ مرنے کے بعد مذکورہ سات چیزوں کا ثواب باقاعدہ پہنچتا رہے گا۔ نیز اولاد روحانی ہو یعنی شاگرد کامل یا اولاد نسبی ہو ان کی دعاؤں و صدقات وغیرہ سے ثواب کا سلسلہ جاری

رہے گا اور پہنچانے والے اور جن کو ثواب پہنچایا جاتا ہے۔ یہ سب ثواب میں برابر کے شریک رہیں گے

حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

جَآءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَعْتِقُ عَنْ اَبِیْ وَقَدْ مَاتَ؟ قَالَ نَعَمْ (شرح الصدور ص۱۲۹)

ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یارسول اللہ میرا باپ فوت ہو چکا ہے۔ کیا میں اس کی طرف سے غلام آزاد کروں؟

آپ نے فرمایا ہاں کر۔

دوسری روایت حضرت ابوجعفر رضی اللہ عنہ کی ہے۔

اِنَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَیْنَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا کَانَا یُعْتِقَانِ عَنْ عَلِیٍّ بَعْدَ مَوْتِہٖ

کہ حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے انکی وفات کے بعد بھی غلام آزاد کرتے تھے۔ (شرح الصدور ص۱۲۹)

معلوم ہوا کہ عبادت بدنی ہو یا عبادت مالی ہو ہر قسم کا ایصال ثواب جائز ہے۔ اور اس سے بعد الوصال فائدہ ملتا ہے اور خاص کر صدقہ جاریہ سے تو ثواب جاری رہتا ہے۔

بحث

تیجہ۔ ساتہ۔ گیارہویں، چہلم، عرس یا برسی وغیرہا

ہماری سابقہ مباحث سے یہ بات واضح ہو گئی ہے ایصال ثواب چاہے عبادت بدنیہ کی صورت میں ہو یا عبادت مالیہ کی حالت میں ہو ہر طرح جائز ہے و مستحسن و مستحب ہے اس پر دلائل قرآن وسنت اور اکابرین اسلام کی روشنی میں پیش کر چکے ہیں اب تتمہ کے طور پر یہ بتانا ہے کہ ہم مسلمان اپنے فوت ہوئے مسلمان بھائی، بہنوں اور دوسروں کے لیے تیجہ۔ ساتہ۔ چہلم۔ برسی وغیرہ کرتے ہیں اس کا کیا ثبوت ہے ہم ایصال ثواب کے باب میں صرف یہ بتانا کافی سمجھتے ہیں کہ جب قرآن پاک اور سنت مبارکہ اور

فقہ کی روشنی میں مذکورہ دلائل اپنی تفصیل کے ساتھ بیان ہو چکے ہیں کہ ایصال ثواب جائز و مستحن ہے تو اب ایصال ثواب کی سب قسمیں اور شاخیں خود بخود جائز و مستحب ہو جاتی ہیں۔ چاہے۔ تیجہ۔ ساتہ۔ گیارہویں۔ چہلم ہو یا برسی و عرس ہو وغیرہا سب جائز و مستحب ہیں یہ بھی واضح رہے کہ میت پر تین روز تک اہل خانہ اور اقربا۔ واحباب سوگ وغم مناتے ہیں، تین دن کے بعد اہتمام سوگ وغم کا نہیں کرنا چاہیئے تو سوگ کے اہتمام پر میت کے ایصال ثواب کے لیے کھانا۔ صدقہ تیار کر کے فقراء وغیرہ کو کھلانا بہتر و افضل ہے

اِنَّ الْمَوْتٰی یُفْتَنُوْنَ فِیْ قُبُوْرِھِمْ سَبْعًا فَکَانُوْا یَسْتَحِبُّوْنَ اَنْ یُّطْعَمَ عَنْھُمْ تِلْکَ الْاَیَّامَ (شرح الصدور صہ ۵۷، ابو نعیم فی الحلیۃ امام احمد فی الزہد)

بیشک میت سات روز تک اپنی قبروں میں آزمائے جاتے ہیں تو صحابہ کرام سات روز تک ان کی جانب سے کھانا کھلانے کو مستحب سمجھتے تھے۔ وتصدق کردہ شود از میت بعد از دفن او از عالم تا ہفت روز۔ (اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ) اور میت کے مرنے کے بعد سات روز تک صدقہ کرنا چاہیئے۔

روز سوم کثرت ہجوم مردم آنقدر بود کہ بیروں از حساب ست ہشتاد ویک کلام اللہ بشمار آمدہ وزیادہ ہم شدہ باشد وکلمہ را حصر نیست۔ (ملفوظات عزیزی صہ ۵۵)

کہ تیسرے دن لوگوں کا ہجوم اس قدر تھا کہ شمار سے باہر ہے۔ اکیاسی کلام اللہ ختم ہوئے بلکہ اس سے بھی زیادہ ہوئے ہوں گے اور کلمہ طیبہ کا تو اندازہ ہی نہیں کہ کتنا پڑھا گیا۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اپنے عہد کے نامور محدث و مفتی تھے اور ان کے والد گرامی حضرت شاہ ولی اللہ کے تیجہ پر یہ سارا پروگرام منعقد ہوا تھا لہٰذا تیجہ و ساتہ علماء اہل سنت وجماعت کے ہاں مستحسن رہا ہے۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سید الشہداء حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے لیے تیسرے۔ دسویں۔ چالیسویں دن اور چھٹے مہینے اور سال کے بعد صدقہ دیا تھا۔ (مجموعۃ الروایات حاشیہ خزانۃ الروایات) گو کہ یہ سب قسمیں مطلق ایصال ثواب کی ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ مومن پر چالیس روز تک زمین کے وہ ٹکڑے جن پر وہ خدا تعالیٰ کی عبادت واطاعت کرتا تھا اور آسمان کے وہ دروازے جن سے کہ اس کے عمل چڑھتے تھے اور وہ کہ جن سے اس

کی روزی اتر تی تھی روتے رہتے ہیں۔ (شرح صدور صہ ۲۴)

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عُرُوْسًا بِزَیْنَبَ فَعَمَدَتْ اُمِّیْ اُمُّ سُلَیْمٍ اِلٰی تَمْرٍ وَّسَمْنٍ وَّاَقِطٍ فَصَنَعَتْ حَیْسًا فَجَعَلَتْہُ فِیْ تَوْرٍ فَقَالَتْ یَا اَنَسُ اذْھَبْ بِھٰذَا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقُلْ بَعَثَتْ بِھٰذَا اِلَیْکَ اُمِّیْ وَھِیَ تُقْرِئُکَ السَّلَامَ وَتَقُوْلُ اِنَّ ھٰذَا لَکَ مِنَّا قَلِیْلٌ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ فَذَھَبْتُ فَقُلْتُ فَقَالَ ضَعْہُ ثُمَّ قَالَ اذْھَبْ فَادْعُ لِیْ فُلَانًا وَّفُلَانًا وَّفُلَانًا رِجَالًا سَمَّاھُمْ وَادْعُ مَنْ لَقِیْتَ فَدَعَوْتُ مَنْ سَمّٰی وَمَنْ لَقِیْتُ فَرَجَعْتُ فَاِذَا الْبَیْتُ غَاصٌّ بِاَھْلِہٖ قِیْلَ لِاَنَسٍ. عَدَدُکُمْ کَمْ کَانُوْا قَالَ زُھَاءَ ثَلٰثِمِائَۃٍ فَرَئَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَضَعَ یَدَہٗ عَلٰی تِلْکَ الْحَیْسَۃِ وَتَکَلَّمَ بِمَا شَاءَ اللّٰہُ ثُمَّ یَدْعُوْا عَشَرَۃً یَّاْکُلُوْنَ مِنْہُ وَیَقُوْلُ لَھُمْ اذْکُرُوا اسْمَ اللّٰہِ وَلْیَاْکُلْ کُلُّ رَجُلٍ مِّمَّا یَلِیْہِ قَالَ فَاَکَلُوْا حَتّٰی شَبِعُوْا فَخَرَجَتْ طَائِفَۃٌ وَّدَخَلَتْ طَائِفَۃٌ حَتّٰی اَکَلُوْا کُلُّھُمْ قَالَ لِیْ یَا اَنَسُ ارْفَعْ فَرَفَعْتُ مَا اَدْرِیْ حِیْنَ وُضِعَتْ کَانَ اَکْثَرَ اَمْ حِیْنَ رُفِعَتْ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ (مشکوٰۃ شریف باب المعجزات)

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم جناب زینب کی نکاح میں نوشاہ تھے (یعنی نیا دولہا) میری ماں اُمّ سلیم نے کچھ چھوارے گھی اور پنیر کا ارادہ کیا اس سے حلوہ بنایا ایک پیالہ میں ڈالا۔ بولیں اے انس یہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے جاؤ عرض کرو کہ میری ماں نے یہ آپ کی خدمت میں بھیجا ہے وہ آپ کو سلام کہتی ہے اور عرض کرتی ہے کہ یہ آپ کے لیے ہماری طرف سے تھوڑا سا ہدیہ ہے اے اللہ کے رسول چنانچہ میں گیا اور میں نے یہ کہا کہ فرمایا اسے رکھ دو۔ پھر فرمایا جاؤ ہمارے پاس فلاں فلاں کو بلاؤ جن کا حضور نے نام لیا اور جن سے تم ملو ہمارے پاس بلالاؤ۔ میں نے انہیں بھی بلالایا جس کا نام لیا تھا اور اسے بھی جس سے میں ملا پھر میں لوٹا تو گھر حاضرین سے بھرا ہوا تھا جناب انس سے کہا گیا کہ کتنے شمار کے لوگ تھے۔ فرمایا قریباً تین سو پھر میں نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ اس حلوہ پر ہاتھ

رکھا جو اللہ نے چاہا وہ پڑھا پھر حضور دس دس کو بلانے لگے وہ اس سے کھانے لگے۔ حضور ان سے فرماتے تھے کہ اللہ کا نام لو اور ہر شخص اپنے سامنے سے کھائے۔ فرمایا کہ لوگوں نے کھایا حتیٰ کہ سیر ہو گئے ایک ٹولہ نکلتا تھا۔ دوسرا ٹولہ آتا تھا حتیٰ کہ سب نے کھا لیا پھر مجھ سے حضور نے فرمایا اے انس اٹھا لو، میں نے اٹھا لیا تو مجھے پتہ نہیں کہ جب رکھا گیا تھا جب زیادہ تھا یا جب اٹھایا گیا۔ (بخاری و مسلم)

فوائد حدیث: معلوم ہوا کہ عروس نیا دولہا نئی دلہن کو کہا جاتا ہے اور دفن کے وقت فرشتے اہل ایمان کو نَمْ كَنَوْمَةِ الْعُرُوْسِ کہتے ہیں اس میں مرد اور عورت دونوں شامل ہوتے ہیں۔ اس لیے بزرگوں کے یوم وصال کو یوم عرس کے نام سے ایصال ثواب کیا جاتا ہے

یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام بھیجنا صحابہ کرام کی سنت ہے جیسا کہ آج تک یہ سنت زندہ ہے اور سلام زندوں کو بھیجا جاتا ہے اور آپ حقیقی دنیاوی حیات سے بھی اعلیٰ حیات طیبہ سے زندہ جاوید ہیں وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى اس پر شاہد ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی کریم صلے اللہ عَلَيهِ وسلم محبت وعقیدت بھرا ہدیہ کو چاہے کتنا ہی کم سے کم کیوں نہ ہو وہ آپ قبول فرماتے تھے اور اس کا بدلہ اپنی شان کے لائق عطا فرماتے تھے جیسے ایک صحابی نے ککڑی پیش کی آپ نے اسے لپ بھر سونا عطا فرما کر نواز الہٰذا ——— ایصال ثواب کے ہدیے سب آپ قبول فرماتے ہیں اور ان کا عمدہ سے عمدہ بدلہ بھی عطا فرماتے ہیں اور یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم چاہیں تو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت و اختیار سے تھوڑے کو زیادہ فرما سکتے ہیں۔ خاص کر حسبِ مدعا کھانا سامنے رکھ کر دعا کرنا قرآن پاک پڑھنا جائز ہے اور اس کی اصل یہ حدیث ہے جس سے یہ عمل ایصال ثواب سنت سے ثابت ہے جیسے قربانی کے جانور کو سامنے رکھ کر آپ دعا فرماتے تھے کہ اے اللہ اسے میری طرف سے اور میری امت کی طرف سے قبول فرما جیسے کہ اسی حدیث میں کھانا سامنے رکھ کر بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنے کا حکم ہے۔

دوسری حدیث حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں کہ غزوہ تبوک میں لشکر اسلام کو بھوک نے ستایا تو حضرت عمر نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ لشکر اسلام سے بچا ہوا توشہ منگوا کر دعائے

برکت فرمائے. چنانچہ آپ نے دستر خوان بچھوا کر بچا ہوا کھانا منگوایا صحابہ کرام میں سے کوئی مٹھی بھر کھجوریں کوئی روٹی کا ٹکڑا. اور کوئی باقلا وغیرہ غرض کہ جو کچھ کسی کے پاس بچا کھچا تھا وہ لے آیا اور دستر خوان پر تھوڑی سی چیزیں جمع ہو گئیں. فَدَعَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِالْبَرَکَۃِ ثُمَّ قَالَ خُذُوْا فِیْ اَوْعِیَتِکُمْ (مشکوۃ ص۵۳۸)

تو اس پر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی پھر آپ نے فرمایا اپنے توشے دان بھر لو. چنانچہ ان چیزوں میں اتنی برکت ہوئی کہ تمام لشکر اسلام نے اپنے توشہ دان بھر لیے اور پیٹ بھر کر کھایا. اور کھانا پھر بھی بچ رہا تو پھر فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اس کا رسول ہوں.

یاد رہے کہ اس حدیث سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ کھانا سامنے رکھ کر دعا کرنا یا کچھ کلام پڑھنا سنت رسول کریم ہے (صلے اللہ علیہ وسلم) نیز یہ عمل یا خواہش طریقہ صحابہ کرام کا بھی تھا اسی لیے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ثُمَّ ادْعُ اللّٰہَ لَھُمْ عَلَیْھَا بِالْبَرَکَۃِ پھر ان کے لیے اللہ سے اس کھانے پر برکت کی دعا کریں آپ نے رد نہیں فرمایا اس لیے فرمایا فَقَالَ نَعَمْ فرمایا ہاں. پھر جو کچھ جمع ہو سکتا تھا اسے حاضر کیا گیا اور فَدَعَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صلے اللّٰہ علیہ وسلم بِالْبَرَکَۃِ پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے برکت کی دعا کی. معلوم ہوا کہ کھانا (غذا) بھی نعمت الٰہی ہے اور اس نعمت پر جب کلام الٰہی پڑھا جائے گا تو حسی اور معنوی دونوں قسم کی نعمتوں کے اجتماع سے بہت برکتیں حاصل ہو جاتی ہیں جس پر یہ حدیث شاہد ہے.

حضرت سیدنا امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ احیا العلوم میں فرماتے ہیں.

اِذَا لَمْ یَحْرُمِ الْاٰحَادُ فَمِنْ اَیْنَ یَحْرُمُ الْمَجْمُوْعُ

جب ایک ایک کام حرام نہیں تو مجموع کیوں حرام ہوگا.

دوسری عبارت یہ ہے اِنَّ اَفْرَادَ الْمُبَاحَاتِ اِذَا اجْتَمَعَتْ کَانَ ذَالِکَ الْمَجْمُوْعُ مُبَاحًا

چند مباح جمع ہو جائیں تو مجموع بھی مباح رہے گا.

مولوی اسمٰعیل دہلوی نے اپنی کتاب صراط مستقیم میں تحریر کیا ہے

ہر عبادتیکہ از مسلمان ادا شود و ثواب آں بروح کسے از گزشتگان برساند و طریق رسانیدن آں دعائے خیر بجناب الٰہی است. پس ایں خود البتہ بہتر و مستحسن است.

جب میت کو نفع پہنچانا ہی مقصود ہے تو کھانا کھلانے پر توقف نہیں ہونا چاہیئے اگر میسّر ہو تو بہتر ہے ورنہ سورۃ فاتحہ اور سورۂ اخلاص کا ثواب نہایت بہتر وخوب ہے۔

بحثِ تعیین وتخصیص

بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ یہ تیجہ۔ چھٹا۔ ساتہ۔ گیارہویں۔ بارہویں۔ چہلم۔ سالانہ یہ سب تعینات و تخصیصات بدعت ہیں۔ ہم اس کے حق میں یہ کہنا مناسب سمجھیں گے۔ کہ مطلق شئ کہاں پر واقع ہوگی یا پائی جائیگی اگر اس مطلق کے لیے وقت مقرر نہ کیا جائے یوں سمجھیں وقوع اور تعین لازم وملزوم ہیں۔ مثلاً اگر دارالعلوم کے سالانہ تقسیم اسناد کا جلسہ کرنا ہو تو آپ اس جلسہ کے لیے ضرور وقت مقرر کریں گے گو کہ شریعت نے جلسہ کے لیے وقت مقرر نہیں کیا ہے لیکن جن جن عوام وخواص کو دعوت دی جائے گی وہ غیر معین وقت میں جلسہ کی سماعت نہیں کر سکتے ہیں بلکہ پہلے سے اہتمام وتداعی وتعین ضروری ہے۔ اس طرح دارالعلوم کے سلسلۂ تدریس کے اوقات کا تعین کرنا اور داخلہ وتعطیلات کے لیے تعین اوقات کرنا اور تدریسی اوقات کا تعین کرنا۔ شادی نکاح ولیمہ کی دعوت کا تعین کرنا۔ وغیرہا بے شمار امور ایسے ہیں جن میں تعین اوقات ضروری سمجھا جاتا ہے لہٰذا اس مشکل کو اس طرح حل کر سکتے ہیں کہ تعیّن کی دو صورتیں ہیں ایک تعین شرعی۔ دوسرا تعین عادی یا عرفی۔ تعین شرعی وہ اوقات ہیں جنہیں شریعت نے از خود خاص کیے ہیں۔ یعنی شریعت نے کسی کام کا وقت اس طرح مقرر کر دیا کہ وہ کام دوسرے وقت میں بالکل نہ ہو سکے۔ اور اگر ادا کیا جائے تو وہ کام شرعی عمل تصور نہ ہوگا جیسے قربانی کیلئے خاص وقت دن میں مقرر ہے یا عرفات کی حاضری حجاج کے لیے نانویں ذی الحجہ میں ہی ہو سکتی ہے وغیرہا۔

دوسرا تعین عادی یا عرفی ہے یہ اس طرح ہے کہ شریعت نے کوئی پابندئ وقت نہ لگائی ہو شرعاً عام اجازت ہو۔ جب چاہے ادا کر لیا جائے۔ لیکن کام کرنے کے لئے کوئی زمانہ ضرور ہونا چاہیئے۔ غیر معین زمانے میں کام کا ہونا عقلاً ناممکن ہے۔ لہٰذا کام کرنے کے لیے کسی مصلحت کی بنا پر کسی خاص وقت کا تعین اختیار کرنا ہوگا۔ اور یہ نہ سمجھا جائے کہ اس وقت کے علاوہ یہ کام صحیح نہیں یا حلال نہیں یا ثواب نہیں ہوگا تو اس قسم کا تعین۔ یا تقیید مطلق کو واقع کرنے کے لیے ہونا ہے تو اس صورت میں جو حکم مطلق کا ہوگا وہ ہی حکم اس

مقید و معین کا بھی ہوگا۔ اس قسم کے تعین کا فائدہ یہ ہوگا۔ کہ ایک تو وہ کام یاد ہوگا۔ دوم دوسرے حضرات بھی اس کے اندر شریک ہو سکیں گے۔ تیسرا فائدہ یہ ہوگا کہ وہ کام بآسانی اپنے مقصد تک پہنچ جائے گا۔ شریعت کے اندر بھی تعین عادی کی مثالیں موجود ہیں جیسے کہ شہداء احد کی زیارت کے لیے آخر سال مقرر کر دیا گیا تھا۔ ایسے ہی مسجد قباء شریف میں آنے کے لیے ہفتے کا دن مقرر فرمایا گیا تھا بطور شکر رسالت کے پیر کو روزہ رکھنا مقرر کر دیا گیا تھا اور سفر جہاد کے لیے جمعرات کا دن مقرر کر دیا گیا تھا وغیرہ

یہ سب تعین عادی و عرفی کی مثالیں ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ اس قسم کی تعینات میں کچھ نہ کچھ خیر و برکت کا وجود بھی پایا جاتا ہے۔

نتیجہ: لہٰذا ایصال ثواب عبادت بدنیہ اور مالیہ سب کا جائز و مستحب ہے اور یہ مطلق ایصال ثواب کئی مخصوص شکلوں اور وقتوں میں ادا کرنا شرعاً مستحسن قرار پاتا ہے۔

فاتحہ خوانی اور ثواب رسانی کا بہتر طریقہ

ثواب پہنچانے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ جو کچھ عبادت بدنی یا مالی کے کرنے سے فارغ ہو کر اس کے بعد یوں کہے۔ اے اللہ کریم میں نے یہ عبادت یا عمل خیر خالص تیری رضا و خوشنودی کے لیے کیا ہے تو اپنے فضل و کرم سے اسے قبول فرما اور اس کا جو ثواب و نفع ہے وہ تو ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمام انبیاء کرام و رسل عظام علیہم السلام کو اور آپ کے تمام صحابہ کرام اہلبیت عظام اور تابعین اور تمام اماموں۔ عالموں۔ بزرگوں اور تمام اہل ایمان مردوں و عورتوں کی روحوں کو پہنچا کر خصوصاً فلاں کی روح کو ثواب پہنچا! نیز مختصر یہ ہے کہ ایک بار فاتحہ تین بار سورۂ اخلاص پڑھ کر ثواب ایصال کریں۔ یا پھر جو عام طریقہ ہے۔ چند آیات اور سورتوں کو پڑھ کر کار خیر کا ثواب ایصال کیا جائے۔

قربانی واجب ہے

سوال: ایصال ثواب۔ کے اثبات میں قربانی کو پیش کرنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ قربانی کرنا صرف اس زندہ شخص کے لیے مشروع ہے جو عید کے وقت کو پالے۔ جیسے نماز عید اور صدقۂ فطر اس پر واجب ہے جو اس عید کے خاص وقت کو پائے۔ لہٰذا مردوں کے لیے قربانی کرنا جائز نہیں ہے۔

جواب: یہ ہے کہ قربانی کے بارے میں قرآن پاک میں آیا ہے فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ پس اپنے رب کے لیے نماز پڑھیں اور قربانی کریں۔ یہ تو کتاب اللہ قرآن پاک سے ثابت ہے کہ قربانی کرنا واجب ہے کیونکہ امر وجوب کے لیے آتا ہے جب کہ وجوب کے خلاف دلیل نہ آئے۔ اور سنت سے بھی ثابت ہے کہ قربانی کا بہت ثواب ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔

ضَحّٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِکَبْشَیْنِ اَمْلَحَیْنِ اَقْرَنَیْنِ ذَبَحَھُمَا بِیَدِہٖ وَسَمّٰی وَکَبَّرَ قَالَ رَأَیْتُہٗ وَاضِعًا قَدَمَہٗ عَلٰی صِفَاحِھِمَا وَیَقُوْلُ بِسْمِ اللّٰہِ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ۔ مشکوٰۃ شریف باب فی الاضحیۃ)

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو چتکبرے سینگ والے بکروں کی قربانی کی کہ انہیں اپنے ہاتھ سے ذبح کیا بسم اللہ و تکبیر کہی فرمایا کہ میں نے آپ کو ان بکروں کی کروٹوں پر اپنا قدم رکھے دیکھا آپ فرماتے تھے۔ بسم اللہ واللہ اکبر اس حدیث سے واضح ہوگیا کہ قربانی کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی سنت ہے اس میں مزید کچھ کہنے کی گنجائش نہیں ہے اب قربانی کی اہمیت و ثواب کو حدیث ہی سے اس کا ثبوت ملاحظہ کریں۔

قربانی کی اہمیّت

عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا عَمِلَ ابْنُ اٰدَمَ مِنْ عَمَلٍ یَوْمَ النَّحْرِ اَحَبَّ اِلَی اللّٰہِ مِنْ اِھْرَاقِ الدَّمِ اِنَّہٗ لَیَاْتِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ بِقُرُوْنِھَا وَاَشْعَارِھَا وَاَظْلَافِھَا وَاِنَّ الدَّمَ لَیَقَعُ مِنَ اللّٰہِ بِمَکَانٍ قَبْلَ اَنْ یَّقَعَ بِالْاَرْضِ فَطِیْبُوْا بِھَا نَفْسًا۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ۔ مشکوٰۃ شریف)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ انسان بقر عید کے دن کوئی ایسی نیکی نہیں کرتا جو خون بہانے سے خدا کو زیادہ پیاری ہو یہ قربانی قیامت میں اپنے سینگوں بالوں اور کھروں کے ساتھ آئے گی۔ اور خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ کے ہاں قبول ہو جاتا ہے لہٰذا خوش دلی سے قربانی کرو۔

حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ قربانی سے اصل مقصود صرف خدا کی رضا کے لیے خون بہانا ہے گوشت مقصود نہیں ہے۔ اب اگر کوئی شخص ذبح کی جگہ قربانی کے جانور کی قیمت ادا کر دے۔ یا ویسے گوشت خرید کر دے تو اس سے قربانی ادا نہ ہوگی کیونکہ اس میں ذبح اور خون بہانا نہیں پایا جاتا ہے اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ قربانی کے بارے جو لوگ تنگدلی یا اعتراضات کرتے ہیں انہیں سے ارشاد فرمایا گیا کہ قربانی کو خوشدلی سے ادا کریں اور عقل کو سنت و شریعت پر ترجیح نہ دیں۔ یہ تو قربانی کی اہمیت کا حال ہے اب جو لوگ قربانی کرنے سے تنگ دل ہیں ان کا یہ حال ہے حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے آپ فرماتے ہیں

اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَ لَهُ سِعَةٌ وَّلَمْ يُضَحِّ فَلَا يَقْرُبَنَّ مُصَلَّانَا۔ رواہُ ابن ماجة:

بیشک نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کی طاقت و گنجائش ہو اور وہ قربانی نہ کرے وہ ہمارے مصلیٰ عید گاہ کے قریب نہ آئے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قربانی کے جانور کو ذبح نہ کرنے سے آدمی یہ سزا پانے کا مستحق ہو جاتا ہے کہ وہ عید گاہ کے قریب بھی نہ آئے۔ ثابت ہوا قربانی ضروری ہے ہر اس مسلمان کے لیے جو مالی طاقت رکھتا ہو۔ اس طرح قربانی کے فضائل و اہمیت پر دوسری حدیثیں بھی ہیں۔ اجماع سے بھی قربانی کرنے کی اہمیت ثابت ہے کیونکہ آج تک تمام مسلمان جن کو اللہ تعالیٰ نے مالی طاقت دی ہے وہ قربانی کرتے آرہے ہیں اور آج تک مسلمانوں نے قربانی کے مشروع ہونے کا انکار نہیں کیا ہے ہاں اتنی بات ضرور زیر نظر رہے کہ قربانی کی مشروعیت زندوں کے لیے بطور اصل ہے اور مُردوں کے ایصال ثواب کے لیے قربانی کرنا بطور تابع اور ضمنی کے ہے۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا۔

اِنَّهُ شَهِدَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْاَضْحٰى بِالْمُصَلّٰى فَلَمَّا قَضٰى خُطْبَتَهُ نَزَلَ مِنْ مِنْبَرِهٖ وَاَتٰى بِكَبْشٍ فَذَبَحَهُ بِيَدِهٖ وَقَالَ بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ هٰذَا عَنِّيْ وَعَمَّنْ لَّمْ يُضَحِّ مِنْ اُمَّتِيْ۔ (رواہ ابوداؤد)

حضرت جابر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نماز اضحیٰ کے لیے عید گاہ حاضر ہوئے پس جب آپ نے اپنا خطبہ پورا کر دیا۔ اپنے منبر سے اترے اور ایک بکرے کے پاس آئے تو اسے اپنے ہاتھ سے ذبح فرمایا

اور بسم اللہ واللہ اکبر کہا۔ یہ میری طرف سے اور اس کی طرف سے جس نے میری امت سے قربانی نہیں کی ہے
یہ حدیث اور اس قسم کی دوسری احادیث سے واضح ہوا کہ قربانی زندوں اور مُردوں سب کی طرف سے ادا ہو سکتی ہے اور یہ فیصلہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ثابت ہے۔ جو لوگ مردوں کی طرف سے قربانی ناجائز سمجھتے ہیں وہ احادیث پر غور کریں۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی میں زندوں اور مردوں سب کو شریک فرمایا تھا آپ نے نہ تو زندہ کو خاص کیا اور نہ مردوں کو ترک کیا اور کلمہ امتی عام ہے زندوں اور مردوں سب کو شامل ہے اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عام کلمہ ارشاد فرما کر تمام امت مسلمہ کے زندوں اور مردوں سب کو شامل فرما کر سب کے لیے ایصال ثواب فرمایا۔

عجیب بات ہے کہ زندے مسلمان تو قربانی کر کے ثواب حاصل کر لیں گے حالانکہ زندوں کے لیے ثواب کی اتنی حاجت نہیں ہے جتنی حاجت مردوں کے لیے ہے کہ مردوں کی ضرورت عالم برزخ میں ہے اور زندوں کی حاجت دنیا میں ہے مردوں کا سلسلہ اعمال خیر منقطع ہو چکا ہے اور زندوں کے لیے ابھی وقت باقی ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جب مِنْ اُمَّتِیْ کا کلمہ زندوں اور مردوں سب کو شامل ہے تو ظاہر ہو گیا کہ قربانی کا ثواب اور اس کا نفع بھی سب زندوں اور مردوں کو پہنچتا ہے اب اس قربانی کو قریبی رشتہ دار مردوں کے لیے کریں یا غیر رشتہ دار کریں بہرحال ثواب ہر کسی کو پہنچتا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ قربانی صرف اپنے لیے ہی نہ کریں بلکہ زندوں اور مردوں سب کے لیے کریں اگر وسعت حاصل ہو تاکہ سب نفع پائیں۔

یاد رہے اگر سائل کا اصرار صرف اس پر ہے کہ قربانی زندہ مسلمان۔ زندوں کی طرف سے دے سکتے ہیں۔ تو پھر ہم یہ عرض کریں گے کہ اس مطلب کے لیے حدیث کے الفاظ اس طرح کے آنا چاہیئے تھے۔ عَنِّیْ وَعَمَّنْ لَّمْ یُضَحِّ مِنْ اَحْیَاءِ اُمَّتِیْ ۔

ترجمہ: (یہ قربانی میری طرف سے اور اس کی طرف سے جس نے قربانی نہیں کی میری امت کے زندوں سے)، یعنی زندہ امت مسلمہ کی طرف سے قربانی کا ذکر آنا ضروری تھا لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عام ذکر فرما کر زندوں اور مردوں سب کو شامل فرما دیا۔

نیز معلوم ہوا کہ اقربا کی تخصیص بھی بے جا ہے کیونکہ تعاون وصلہ رحمی اور ہمدردی کا عام حکم ہے۔
تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ایک دوسرے کی مدد نیکی اور تقویٰ پر کیا کرو۔ اس میں اقربا اور غیر اقربا سب کو شامل کیا گیا ہے ایصال ثواب کرنے والے کوئی بھی ہوں ایسے ہی میت اقربا ہوں یا غیر اقربا ہوں سب کو ثواب پہنچتا ہے اور اقربا کے ساتھ صلہ رحمی اور صدقہ و تعاون شرعاً زیادہ مقدم ہوتا ہے۔ لہذا اپنے مردہ قریبی رشتہ دار کے لیے ایصال ثواب زیادہ بہتر صلہ رحمی ہے اگر دنیا میں اقربا کا تعاون مقدم تھا تو عالم برزخ میں تعاون بالصدقہ کیونکر ناجائز ٹھہرا۔ کیا عالم برزخ میں قرابت ختم ہو جاتی ہے۔ حالانکہ مودت فی القربیٰ تو قیامت میں بھی جاری رہے گی۔

ایک حدیث میں مومن کی مثال جسد واحد کی طرح بیان فرمائی ہے جب ایک جوڑ کو تکلیف پہنچے تو سارا جسم تکلیف میں ہو دوسری حدیث میں اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهٗ بَعْضًا وَشَبَّكَ بَيْنَ اَصَابِعِهٖ۔ ایک مومن دوسرے مومن کے لیے دیوار کی طرح ہے کہ دیوار کا بعض حصہ دوسرے بعض حصے کو مضبوط کرتا ہے اور آپ نے اپنی انگلیوں کو ایک دوسرے میں پیوست کر دیا۔ دوسری ایک حدیث میں آیا ہے جس نے مومن سے دنیا کی تکلیف دور کر دی اللہ اس سے قیامت کی تکلیف دور فرمائے گا یہ بھی آیا ہے۔ مَنْ يَسَّرَ عَلٰى مُعْسِرٍ يَسَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اور جس نے تنگی میں مبتلا شخص کو آسانی پہنچائی اللہ اس پر دنیا و آخرت میں آسانی دیگا
وَاللّٰهُ فِىْ عَوْنِ الْعَبْدِ مَادَامَ الْعَبْدُ فِىْ عَوْنِ اَخِيْهِ
اور اللہ بندے کی مدد میں ہوتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں ہو۔

معلوم ہوا کہ کوئی بھی مسلمان دوسرے مسلمان کی مدد کرتا ہے چاہے زندوں کی مدد ہو یا مردوں کی مدد ہو اللہ تعالیٰ ایسے شخص پر کرم فرمائے گا۔ اس میں نہ اشخاص کی تخصیص ہے اور نہ ہی حیات و موت کی تخصیص ہے اور اگر زندوں کو حکم ہے کہ زندوں کی مدد کرو تو یہ کہاں آیا ہے کہ زندوں کا ایصال ثواب مردوں کے لیے ناجائز ہے۔ احادیث کے کلمات عام ہیں۔ لہذا زندوں اور مردوں پر رحم۔ تعاون کا حکم ہے۔

اگر یہ قول کیا جائے کہ قربانی صرف زندوں کی طرف سے دی جا سکتی ہے تو ہم یہ مطالبہ کر سکتے ہیں کہ وہ کون سے الفاظ ہیں جس میں آیا ہے کہ میت کی طرف سے قربانی نہیں ہو سکتی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں میت کی طرف سے قربانی کرنے سے ہرگز نہیں روکا ہے، آپ کا نہ روکنا یہ دلیل ہے کہ میت کی طرف سے قربانی کرنا جائز ہے۔

قرآن پاک میں آیا ہے وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ

اور ہم نے قرآن آپ کی طرف اتارا تاکہ آپ لوگوں کو بتائیں جو کچھ ان کے لیے اتارا گیا ہے۔

اب اگر میت کی طرف سے قربانی کرنا ممنوع ہوتا تو آپ ضرور بیان فرما کر ہمیں روک لیتے۔ ایسا نہ کرنا ہمیں اجازت دینے کی دلیل ہے۔ جب صدقہ و خیرات حج و استغفار وغیرہا امور خیر میت کے لیے کرنے کا ثبوت ہو چکا تو قربانی بھی عمل خیر ہے اس کا ثواب بھی میت کو پہنچتا ہے لہٰذا تخصیص بلا مخصص شرعاً اور عقلاً ممتنع ٹھہری۔

سوال: قرآن پاک میں آیا ہے وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ۔

وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ۔

ان آیات مبارکہ میں زندوں سے خطاب ہے اور یہ خطاب ان زندہ لوگوں سے ہے جو اللہ کے نام سے قربانی کے جانوروں کو ذبح کریں۔ اور قربانی کے گوشت کو خود بھی کھائیں اور فقیروں کو بھی کھلائیں۔ ظاہر ہے کہ یہ خطاب ان زندوں سے ہے جو اوامر و نواہی کے مکلف ہیں۔ لہٰذا نہ مردوں کے لیے قربانی ہے۔

جواب: ہم مانتے ہیں کہ قرآن پاک میں عام طور پر ایمان و اعمال کے بابت خطاب زندوں سے ہوتا ہے کیونکہ احکام شرعیہ کے مکلف صرف زندے ہوتے ہیں۔ اور موت واقع ہو جانے سے مُردے مکلف نہیں رہتے ہیں۔ گو آیات مذکورہ میں زندوں سے خطاب ہے، لیکن زندوں کو کب منع کیا گیا ہے کہ وہ

مردوں کے لیے بطور ہدیہ قربانیوں کے ذریعے ایصال ثواب بھی نہ کریں اور مردوں سے احسان وبھلائی نہ کریں اور صرف خود گوشت کھائیں اور فقیروں کو کھلائیں اور مردوں کے لیے ایصال ثواب کی خاطر قربانی نہ کریں۔

حالانکہ حدیث ہی میں آیا ہے مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا فَلَهٗ مِثْلُ اَجْرِهٖ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّنْقُصَ مِنْ اَجْرِ الصَّائِمِ شَيْءٌ" جس نے روزہ دار کو افطار کرایا تو اس کے لیے اس کے برابر اجر ہے بغیر اس کے کہ روزہ دار کے اجر سے کچھ کمی واقع ہو۔ اب ظاہر ہے کہ روزہ دار کا روزہ افطار کرانے والے کو جو ثواب ملے گا وہ بوجہ افطار کے ملے گا اور یہ ہی ثواب اگر وہ مردوں کے لیے ایصال کرے گا تو اس میں کونسی دلیل مانع ہے اگر روزہ دار کا روزہ افطار کرانے سے ثواب مل سکتا ہے تو یہی ثواب میت کو بھی پہنچایا جاسکتا ہے اس میں کوئی شرعی یا عقلی دلیل مانع نہیں ہے ورنہ دلیل یقینی وقطعی کو لانا ضروری ہوگا تاکہ مخالف کا مدعا ثابت ہوسکے اور دعویٰ بلا دلیل خاص مسترد ہوگا۔ لہٰذا قربانی تو اہراق دم (خون بہانا) کا نام ہے اور اس کا نام شرعاً قربانی ہے۔ اور ایام قربانی میں جانور کا ذبح کرنا ہی ضروری ہوتا ہے اور اگر کسی عذر خاص سے قربانی نہ کرسکے تو بعد میں قربانی کی قیمت کو صدقہ کرنا ضروری ہوگا۔ قربانی کے جانور کو ذبح کرنے کا بدلہ ایام قربانی میں اس کی قیمت نہیں ہوسکتی ہے کیونکہ ایام اضحیہ میں ذبح ہی ضروری ہے اور زیادہ محبوب بھی ہے لہٰذا تمام امورِ خیر صدقات ونفلی عبادات بدنیہ اور مالیہ سب کا ہدیہ زندوں اور مردوں کے لیے جائز ومستحسن ہے اور تفریق بلا دلیل ہے۔

سوال: قرآن پاک میں (فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ) آیا ہے اور صلوٰۃ سے نماز عید مراد ہے۔ لہٰذا قربانی کا ذبح کرنا اس شخص کے حق میں ہوتا ہے جو نماز عید کا مکلف ہو تاکہ وہ بطور شکر جانور کو ذبح کرے اور اپنے اہل وعیال وغیرہ پر قربانی کے گوشت کے ذریعے احسان وسرور کرسکے۔ ایسے ہی احادیث سے بھی یہی ثابت وظاہر ہو رہا ہے۔

جواب: آیت مذکورہ میں صلوٰۃ سے مراد صرف صلوٰۃ عید نہیں ہے بلکہ تمام فرائض وواجبات نوافل کی نمازیں مراد ہیں اور نمازِ عید بھی ایک نماز ہے جو اس میں شامل ہے اسی طرح قربانی بھی مالی عبادت

ہے اور نحر سے ایام نحر ہیں قربانی کے جانور کو ذبح کرنے کا نام ہے اور ہر وہ جانور جو اللہ کے نام سے ثواب کی نیت سے ذبح کیا جائے وہ بھی نحر کے حکم میں شامل ہے سبب نزولِ آیت گو کہ خاص ہے یعنی صلوٰۃ عید اور ذبح ایام نحر مراد ہے لیکن اصول فقہ کا قاعدہ مسلمہ ہے کہ شانِ نزول کی خصوصیت کا اعتبار نہیں ہوتا ہے بلکہ عموم لفظ کا اعتبار ہوتا ہے کیونکہ قرآن پاک احکام شرعیہ و عقائد دینیہ کی دعوت دیتا ہے سبب نزول کوئی ہو لیکن دعوت مذکورہ عام ہے ہر زمانہ ہر شخص کو شامل ہے جو بھی اہلیت رکھتا ہے صلوٰۃ و نحر کا حکم اگرچہ زندوں کو ہے لیکن اموات غیر مکلف اور غیر مخاطب ہونے کے باوجود زندے مسلمان اپنے مسلمان مُردے کے لیے ہدیہ ثواب کر سکتے ہیں۔ چاہے قربانی ہو یا نماز۔ روزہ۔ حج صدقہ ہو یا غلام آزاد کرنا ہو۔ یا دعا۔ و استغفار کوئی امور خیر ہوں سب کا ایصال ثواب جائز ہے۔

اگر اضحیہ کی تخصیص زندوں سے قرار پائے تو پھر صرف نبی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ہی قربانی و صلوٰۃ کے مخاطب رہیں گے۔ باقی مسلمانوں کے ذمہ قربانی اور نماز نہیں رہیں گی۔

سوال: جتنی احادیث اضحیہ کی فضیلت میں وارد ہیں سب یہ بتا رہی ہیں کہ زندوں کی اضحیہ فضیلت رکھتی ہیں اور بس۔ صریح کتاب و سنت و عمل صحابہ اور تابعین و سلف صالحین وغیرہم سے اضحیۂ احیاء ہی قابل فضیلت ہے اور مشروع ہے۔

جواب: ہم نے کب انکار کیا ہے کہ زندوں کی قربانی قابل فضیلت نہیں ہے بلکہ نزاع اس میں ہے کہ کیا کوئی ایسی دلیل صریح کتاب و سنت و اجماع و قیاس سے ثابت ہے کہ میت کے لیے قربانی کرنا ممنوع ہے۔ اگر ہے تو اسے سامنے لایا جائے ورنہ بلا دلیل صریح رد کرنا بجائے خود قابل رد ہے اور ہمارے پاس اثباتِ قربانی کے حق میں دلیل ہے یعنی مردوں کے ایصالِ ثواب کے لیے قربانی کرنا دلیل سے ثابت ہے اور وہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تمام ان امتیوں کی طرف سے قربانی کی تھی۔ جو قربانی نہیں کر سکے تھے اور آئندہ نہیں کر سکیں گے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل صریح ہو سکتی ہے۔ پھر اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی حسبِ وصیت ہر سال قربانی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ادا کرتے رہے یہ دلیل صریح ہے کہ میت کے لیے قربانی جائز اور

سنت بھی ہے اور سلف صالحین کا بھی اس پر عمل رہا ہے۔

آیت فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ کے متعلق تفسیر فتح القدیر میں ہے کہ کلمہ فَا سے غرض یہ ہے کہ اس کا مابعد اس کے ماقبل پر مرتب ہو مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دائمی طور پر صلوٰۃ مفروضہ کو قائم رکھیں اور ــــــــــــ بُدنہ کے جانور کو ذبح فرمایا کریں۔

محمد بن کعب کی روایت کے مطابق اہل شرک چونکہ غیر اللہ کے لیے سجدے کرتے تھے اور قربانی بھی غیر اللہ کے لیے کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے دونوں عبادتوں کا حکم دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں عبادتوں (نماز- قربانی) کو خالص اللہ تعالیٰ ہی کے لیے کیا کریں۔ مزید یہ کہا کہ

وَظَاهِرُ الْآيَةِ الْأَمْرُ لَهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمُطْلَقِ الصَّلٰوةِ وَمُطْلَقِ النَّحْرِ وَاَنْ يَجْعَلَهُمَا لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ لَا لِغَيْرِهِ

اور آیت کا ظاہر- آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلق صلوٰۃ اور مطلق نحر کا حکم کرنا ہے اور یہ کہ آپ دونوں کو اللہ عزوجل ہی کے لیے خاص کریں نہ غیر کے لیے۔

معلوم ہوا کہ نماز سے عام مراد ہے چاہے کوئی نماز ہو اور ذبح سے بھی عام مراد ہے کہ ہر ذبح اللہ ہی کے نام سے ہو۔ دونوں عبادتیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے خاص ہیں۔

امام ابن تیمیہ نے بھی اس آیت کے تحت کہا ہے کہ اَمَرَهُ اللهُ تَعَالٰى اَنْ يَجْمَعَ بَيْنَ هَاتَيْنِ الْعِبَادَتَيْنِ الْعَظِيْمَتَيْنِ وَهُمَا الصَّلٰوةُ وَالنُّسُكُ الدَّالَّتَانِ عَلَى الْقُرْبِ وَالتَّوَاضُعِ وَحُسْنِ الظَّنِّ وَعُمْدَةِ الْيَقِيْنِ وَطَمَانِيْنَةِ الْقَلْبِ اِلَى اللهِ تَعَالٰى۔ الخ

آپ کو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ ان دو عظیم الشان عبادتوں کو جمع کریں جو کہ نماز و قربانی ہیں قرب اور عاجزی اور حسن ظن اور عمدہ یقین اور اللہ تعالیٰ کی طرف اطمینان قلب پر رہنمائی کر رہی ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ بدنی عبادتوں میں نماز اور مالی عبادتوں میں قربانی نہایت العبادات اور غایت الغایات عبادتیں ہیں۔ اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر نماز میں رہا کرتے تھے اور زیادہ نحر فرمایا کرتے تھے۔ حجۃ الوداع میں تو آپ نے تریسٹھ جانور ذبح فرمائے تھے۔ لہٰذا آیت

مذکورہ کو صرف نماز عید اور نحر کو صرف عید الاضحیٰ سے خاص کرنا قابل تسلیم نہیں ہے۔

سوال: کیا قربانی میت کی طرف سے ثابت ہے اور اس کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔

جواب: صاحب عون المعبود شرح سنن ابوداؤد سے پوچھا گیا۔

هَلْ تَثْبُتُ الْاُضْحِيَّةُ عَنِ الْاَمْوَاتِ وَيَصِلُ ثَوَابُهَا، فَاَجَابَ الْاُضْحِيَّةُ عَنِ الْمَيِّتِ سُنَّةٌ وَيَصِلُ ثَوَابُهَا اِلَيْهِ بِلَا مِرْيَةٍ۔

کیا قربانی میت کی طرف سے ثابت ہے اور اس کا ثواب پہنچتا ہے تو جواب دیا قربانی کرنا میت کی طرف سے سنت ہے اور اس کا ثواب بے شک میت کو پہنچتا ہے اس مسئلہ کے اثبات پر احادیث وارد ہیں۔

اِنَّهُ كَانَ يُضَحِّيْ عَنْ اُمَّتِهٖ مِمَّنْ شَهِدَ لِلّٰهِ بِالتَّوْحِيْدِ وَشَهِدَ لَهُ بِالْبَلَاغِ وَعَنْ نَفْسِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ

بیشک آپ اپنی امت کے ان لوگوں کی طرف سے قربانی کرتے تھے جو اللہ کی توحید کی گواہی دیتے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ رسالت کی گواہی دیتے تھے اور آپ اپنی طرف سے اور اہل بیت کی طرف سے قربانی فرمایا کرتے تھے۔

علامہ ابن تیمیہ نے کہا۔ مَنْ زَعَمَ اَنَّ الْاِنْسَانَ لَا يَنْتَفِعُ بِعَمَلِ غَيْرِهٖ فَقَدْ خَرَقَ الْاِجْمَاعَ (قَالَ اَيْضًا) مَنِ اعْتَقَدَ اَنَّ الْاِنْسَانَ لَا يَنْتَفِعُ اِلَّا بِعَمَلِهٖ۔ فَقَدْ خَرَقَ الْاِجْمَاعَ وَذٰلِكَ بَاطِلٌ مِّنْ وُّجُوْهٍ كَثِيْرَةٍ الخ

جس نے یہ خیال کیا کہ انسان دوسرے کے عمل سے نفع نہیں پاتا ہے تو اس نے اجماع کو توڑ دیا (اور علامہ نے یہ بھی کہا) جس نے یہ اعتقاد کیا کہ انسان صرف اپنے عمل سے نفع پاتا ہے تو اس نے اجماع کے خلاف کیا اور یہ اعتقاد کئی طریقوں سے باطل ہے۔

شیخ محمد بن عبد الوہاب سے سوال ہوا کہ

اَيُّمَا الصَّدَقَةُ عَنِ الْمَيِّتِ اَوِ الْاُضْحِيَّةُ۔ قَالَ۔ الْاُضْحِيَّةُ

کونسا صدقہ میت کی طرف سے ہو یا قربانی۔ تو کہا قربانی۔ یعنی قربانی کرنا میت کی طرف سے بہتر ہے۔

سوال: میت کی طرف سے قربانی کرنے کے جواز میں فقہاء وغیرہم نے جس حدیث کو دلیل میں لایا ہے تو وہ صرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت ہے۔

عَنْ حَنَشٍ قَالَ. رَأَيْتُ عَلِيًّا يُضَحِّي بِكَبْشَيْنِ فَقُلْتُ لَهُ. مَا هٰذَا. فَقَالَ. إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْصَانِيْ أَنْ أُضَحِّيَ عَنْهُ فَلَا أَزَالُ أُضَحِّيْ عَنْهُ رَوَاهُ التِّرْمَذِيُّ فِيْ جَامِعِهِ بِلَفْظِهِ وَمَعْنَاهُ وَقَالَ غَرِيْبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ

حضرت حنش سے روایت ہے۔ فرمایا میں نے علی کو دیکھا دو بکروں کو ذبح کر رہے تھے تو میں نے انہیں کہا یہ کیا ہے فرمایا بیشک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت فرمائی کہ میں ان کی طرف سے قربانی کروں تو میں ہمیشہ ان کی طرف سے قربانی کروں گا۔ اس کو ترمذی نے روایت کیا اپنی جامع میں اور کہا کہ یہ غریب ہے میں تو صرف اس طریق سے اسے پہچانتا ہوں۔

معلوم ہوا کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور ضعیف حدیث قابلِ استدلال و حجت نہیں ہوتی۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ ابو داؤد نے اپنی سنن میں اس حدیث علی کو ذکر کیا ہے۔ (باب الاضحیہ عن المیت) کے تحت اور ذکر کرنے کے بعد وہ خاموش ہو گئے اور ابو داؤد ہی نے فرمایا

إِنِّيْ ذَكَرْتُ الصَّحِيْحَ وَمَا يُشْبِهُهُ وَيُقَارِبُهُ وَمَا كَانَ فِيْهِ وَهْنٌ شَدِيْدٌ بَيَّنْتُهُ وَمَالَمْ أَذْكُرْ فِيْهِ شَيْئًا فَهُوَ صَالِحٌ وَبَعْضُهَا أَصَحُّ مِنْ بَعْضٍ.

بیشک میں نے اپنی سنن میں صحیح اور مشابہ اور مقارب صحیح کو ذکر کیا ہے اور جس حدیث شدید میں ضعف ہو تو اس کو میں نے بیان کیا ہے اور اگر کسی چیز کو میں نے حدیث میں ذکر نہیں کیا ہے تو وہ صحیح و صالح ہے اور بعض حدیثیں بعض سے زیادہ صحیح ہیں اور صاحب ترمذی نے کتاب العلل میں فرمایا۔ جَمِيْعُ مَا فِيْ هٰذَا الْكِتَابِ مِنَ الْحَدِيْثِ مَعْمُوْلٌ بِهٖ.

تمام جو کچھ اس کتاب (ترمذی) میں حدیثیں ہیں وہ سب یہ ہیں جن پر عمل کیا گیا ہے سوا دو حدیثوں کے جن میں ایک وہ ہے جس میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بغیر کسی خوف سفر و مطر کے مدینہ میں ظہر اور عصر اور مغرب وعشاء کو اکٹھی کر کے پڑھتے تھے اور دوسری حدیث اِذَا شَرِبَ الْخَمْرَ فَاجْلِدُوْهُ فَاِنْ عَادَ فِي الرَّابِعَةِ فَاقْتُلُوْهُ. جب شرابی شراب پی لے تو اسے کوڑے مارو اگر چوتھی بار لوٹے تو اسے قتل کر دو۔

صرف ان دو حدیثوں پر کبھی عمل نہیں کیا گیا ہے باقی سب احادیث ترمذی معمول بہا ہیں۔ اور اس میں شک نہیں کہ محدثین اور فقہا کرام نے حدیث علی رضی اللہ عنہ کو میت کی طرف سے قربانی کرنے کو بطور استدلال بیان کیا ہے آخر ان حضرات کے ہاں یہ حدیث قابلِ حجت وعمل تھی تب ہی انہوں نے اسے بطور دلیل ذکر کیا ہے۔

سوال: فقہاء کرام سے جب یہ سوال ہوا کہ میت کی طرف سے مطلقاً اُضحیہ جائز ہے تو فقہاً جواز کا فتویٰ دے جاتے رہے یا یہ کہ اضحیہ کا جواز میت کی جانب سے وصیت کی صورت میں یا میت کے لیے وقف مال سے اضحیہ میت کا پوچھا گیا ہے تو فقہاء نے ان سب صورتوں میں حضرت علی کی حدیث اضحیہ سے استدلال کرتے رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو وصیت کی تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی کیا کریں حالانکہ حدیث علی صحیح حدیث نہیں ہے دراصل فقہاء کی اکثریت صحیح وضعیف حدیث میں معرفت تامہ کے حامل نہیں تھے اور نہ محدثین کے کلام پر یہ واقفیت کاملہ رکھتے تھے کہ یہ حدیث محدثین کے ہاں صحیح ہے۔ یا ضعیف ہے۔ اس طرح سے فقہا حدیث سے بلا تحقیق استدلال کر کے فتویٰ دے جاتے تھے، لہٰذا قربانی میت کی طرف سے بھی اسی طرح کی ہے۔

جواب: ہم نے اس سوال کا جواب پہلے دے دیا ہے باقی حدیث علی اس درجہ کی ضعیف نہیں ہے۔ کہ وہ متروک اور نا قابل احتجاج ہو۔ بلکہ حدیث علی صحیح ہے اور اکابرینِ اسلام آئمہ دین اور محدثین فقہاء کرام نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔ جیسے ابوداؤد۔ ترمذی، حاکم، حافظ ذہبی وغیرہم

نے اس حدیث کو قابل حجت قرار دیا ہے سائل دراصل بے ادب ہے ورنہ فقہائے کرام کی اکثریت روایت و درایت، نقل و عقل دونوں کے حامل کامل تھے۔ خصوصاً آئمہ مجتہدین تو کمال تام اور علم حق وصواب اور اجتہادی قوتِ کاملہ کے حامل رہنما تھے کیا سائل جیسے ناقص و متعصب شخص، اکابرین فقہاء کرام کے برابر ہوسکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ جمہور فقہاء کرام تومیت کی جانب سے اضحیہ کے اثبات میں حدیث علی کرم اللہ وجہہ کے علاوہ اصل استدلال ان کا، بذات خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہے کہ آپ نے اپنی امت کے احیاء اور اموات دونوں جماعتوں کی طرف سے قربانی کی تھی اس سے بڑھ کر اور کون سی دلیل قطعی العمل کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔ اسی طرح وہ آیات جن میں اہل ایمان کی دعاء کا ذکر ہے دوسرے اہل ایمان مرد و عورتوں کے لیے اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وہ استغفار جو آپ نے اہل ایمان کے لیے فرمائی تھی اور ملائکہ عظام علیہم السلام کی استغفار و دعا۔ اہل ایمان کے حق میں یہ دلیلیں ایسی ہیں کہ ان سے اضحیہ ہر دو ل کے حق میں ثابت ہوجاتا ہے۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی ان ہی دلائل کی طرح ہے۔

یاد رہے کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول يُعْمَلُ بِالْحَدِيْثِ الضَّعِيْفِ اِذَا لَمْ يَكُنْ فِي الْبَابِ شَيْئٌ يَدْفَعُهُ۔ حدیث ضعیف پر عمل کیا جائے گا جب کہ باب میں ایسی شئ نہ ہو جو حدیث ضعیف کے لیے دافع ہو۔ اور حدیث ضعیف سے مراد موضوع حدیث نہیں ہے بلکہ وہ حدیث مراد ہے جو صحیح حدیث کے درجہ تک نہ پہنچ سکے یہ بھی اصول کا قاعدہ ہے کہ حدیث ضعیف مجتہد کی رائے سے افضل و اقویٰ ہوتی ہے لہٰذا میت کی طرف سے قربانی کرنے کے خلاف نہ تو کوئی حدیث ہے نہ کوئی آیت ہے نہ اجماع ہے نہ قیاس کے خلاف ہے اور حدیث ضعیف جبکہ مجتہد کی رائے سے اقویٰ ہوتی ہے تو سائل مذکور کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنی رائے کو (جبکہ اہل تحقیق بھی نہیں ہے) وہ حدیث کے خلاف استعمال کرتا ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ فن حدیث اور اصول فقہ کا یہ قاعدہ ہے کہ فضائل اعمال میں حدیث ضعیف معتبر ہوتی ہے اور اضحیہ عن المیت تو نہ عقیدہ ہے نہ اور امر و نہی کے برابر مرتبہ رکھتا ہے بلکہ اضحیہ عن المیت صرف فرعیہ مسئلہ ہے اور وہ بھی صرف

درجہ استحباب و استحسان تک حیثیت رکھتا ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا۔ اِذَا جَآءَ الْحَلَالُ وَالْحَرَامُ شَدَّدْنَا فِی الْاَسَانِیْدِ وَاِذَا جَآءَ التَّرْغِیْبُ وَالتَّرْهِیْبُ تَسَاهَلْنَا فِی الْاَسَانِیْدِ۔ جب حلال وحرام کا ذکر آئے تو ہم سند حدیث میں سختی کرتے ہیں اور جب صرف رغبت دلانا اور ڈرانا مقصود ہو تو ہم سندوں میں نرمی کرتے ہیں۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ مسئلہ مذکورہ میں حدیث علی رضی اللہ عنہ حُجَّت و دلیل ہے۔

سوال: کیا حدیث علی کے علاوہ بھی کوئی ایسی حدیث ہے جس میں جانوروں کا ذبح کرنا مُردوں کیلئے واقع ہوا ہو؛

جواب: جناب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے خود حلال جانور کو ساری امت کے لیے قربانی فرمایا تھا۔

دوسری حدیث وہ ہے جسے ابو اُسید مالک بن ربیعۃ الساعدی رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے فرماتے ہیں کہ ہم بیٹھے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں نبی سلمہ کا ایک آدمی آیا اور کہا

یَارَسُوْلَ اللهِ هَلْ بَقِیَ مِنْ بِرِّ اَبَوَیَّ شَیْئٌ اَبَرُّهُمَا بِهٖ بَعْدَ مَوْتِهِمَا۔

فَقَالَ: نَعَمْ اَلصَّلٰوۃُ عَلَیْهِمَا وَالْاِسْتِغْفَارُ لَهُمَا وَاِنْفَاذُ عَهْدِهِمَا مِنْ بَعْدِهِمَا وَصِلَةُ الرَّحِمِ الَّتِیْ لَا تُوْصَلُ اِلَّا بِهِمَا وَاِکْرَامُ صَدِیْقِهِمَا۔ رواہ ابوداؤد۔

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کیا میرے ماں باپ کی بھلائی سے کوئی چیز باقی ہے کہ اپنے ماں باپ کے لیے ان کے مرنے کے بعد کروں آپ نے فرمایا ہاں نماز اور استغفار ان دونوں کے لیے کرنا اور ان کے دوستوں سے احسان کرنا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ میں نے کبھی کسی ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر غیرت نہیں کھائی ہے جتنی غیرت کہ میں نے حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا) پر کھائی تھی میں نے اکثر آپ کو خدیجہ کا ذکر کرتے دیکھا۔ اکثر آپ بکری کو ذبح فرماتے پھر آپ اس کے اعضاء کو کاٹ

کر حضرت خدیجہ کی سہیلیوں کے ہاں بھیج دیتے. بعض وقت میں کہہ دیتی کہ گویا دنیا میں حضرت خدیجہ کے سوا اور کوئی عورت نہیں ہے تو آپ فرماتے. بیشک وہ خدیجہ ایسی ایسی تھی اور اس سے میرا لڑکا تھا. (متفق علیہ)

معلوم ہوا کہ مردوں کے دوستوں کیلئے صدقہ و ہدیہ اس لیے دیا جاتا ہے. تاکہ اس سے میت کی روح خوش ہو اور اس سے میت کو فائدہ پہنچے. اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ کے ثواب کے لیے بکری کے اعضاء کو ان کی سہیلیوں میں تقسیم فرمائے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اہراق دم تو اللہ تعالیٰ ہی کے لیے تھا لیکن اس کا ثواب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لیے تھا اسی لیے حدیث میں آیا ہے كُلُّ مَعْرُوْفٍ صَدَقَةٌ. (رواہ مسلم) ہر نیکی بھلائی صدقہ ہوتا ہے جس میں تمام امور خیر آجاتے ہیں

سوال: میت کی طرف سے قربانی کرنا. یہ کسی صحابی، اہل بیت، تابعین سے منقول نہیں ہے حالانکہ عرصہ گذرا تھا اور ان کی محبت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وافر تھی اور وہ اتباع کے بھی کامل نمونے تھے. معلوم ہوا کہ اضحیۃ عن المیت غیر مشروع ہے.

جواب: اگر ہم یہی فرض کرلیں جیسا کہ آپ نے سمجھا ہے کہ اضحیہ عن المیت منقول نہیں ہے تو پھر بھی ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ عدم نقل سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ صحابہ کرام نے میت کی طرف سے قربانی نہیں کی ہے اس لیے کہ صحابہ کرام تو بہت سے اعمال خیر کرتے رہے لیکن بے شمار امور مستحسنہ کا ذکر ہم تک نہیں پہنچا ہے بالفرض اگر صحابہ کرام نے ایسا نہیں کیا ہے یعنی اضحیہ عن المیت کا کام انہوں نے نہیں کیا ہے تو اس کی یہ وجہ ہوسکتی ہے کہ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے اور اہل بیت کی طرف سے اور ساری امت کی طرف سے جو قربانی دی تھی صحابہ کرام نے اس کو کافی سمجھا تھا اور حضرت انس کی روایت ہے.

اِنَّهٗ كَانَ يُضَحِّيْ بَعْدَ وَفَاةِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكَبْشَيْنِ مُتَابَعَةً مِّنْهُ لِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. حضرت انس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد دو بکروں کو آپ کی طرف سے آپ کی متابعت میں ذبح کرتے تھے گویا ایک بکرا آپ

کی طرف سے اور آپ کی اہل بیت کی طرف سے اور دوسرا کبرا تمام اہل ایمان کی طرف سے۔

معلوم ہوا کہ صحابہ کرام اضحیہ عن المیت کرتے تھے صرف منقول ہونا آپ پر ظاہر نہیں ہوا۔ نیز جب حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد زمانہ خلافت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی کرتے رہے تو ظاہر ہے کہ صحابہ کرام کی موجودگی ہیں یہ قربانی ہوتی تھی اور اس امر خیر پر کسی صحابی کا انکار منقول نہیں ہے۔ حضرت ابورافع سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو موٹے، سینگوں والے بکروں کو ذبح کرتے تھے ایک امت کی طرف سے اور دوسرا اپنے اور آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ذبح فرماتے تھے۔ کئی سال ہم ٹھہرے رہے کوئی بنی ہاشم ایسی قربانی (مذکور) نہیں کرتے تھے، آپ کی قربانی کو ہم سب کافی سمجھتے تھے (خلاصہ) اس کو امام احمد نے روایت فرمایا ہے۔

اسی طرح فتح الباری میں ہے کہ امام عبدالرزاق نے اپنے مصنف میں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ نے ابوہریرہ سے نقل کیا ہے کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم دو جانور قربانی کرتے تھے جن میں ایک اپنی امت کی طرف سے اسی طرح کی ایک روایت ابوطلحہ انصاری کی ہے۔ نیز صحابہ کرام اور تابعین حضرات میں زیادہ تر یہ عمل رہا ہے کہ وہ نوافل و مستحبات کو چھپا کر کرتے رہے اور فرائض کو آزادانہ طور پر ادا کرتے تھے جیسے نماز۔ زکوٰۃ۔ صوم۔ حج۔ جہاد۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر وغیرہا ہیں اس لیے مستحبات کے اظہار کم پائے جاتے رہے ہیں۔ نیز علامہ ابن تیمیہ نے فرمایا۔ قرآۃ۔ صدقہ۔ دعا و استغفار صلوٰۃ جنازہ اور دعا عند القبر۔ علماء اہل سنت وجماعت کے نزدیک اس میں کوئی نزاع نہیں ہے کہ عبادات مالیہ کا ثواب بلانزاع میت کو پہنچتا ہے۔

وَتَنَازَعُوْا فِیْ وُصُوْلِ الْاَعْمَالِ الْبَدَنِیَّةِ كَالصَّوْمِ وَالصَّلٰوةِ وَالْقِرَاْۃِ وَالصَّوَابُ اَنَّ الْجَمِیْعَ یَصِلُ اِلَیْهِ۔

اور نزاع کیا علماء نے اعمال بدنیہ کے پہنچنے میں جیسے روزہ۔ نماز۔ قرآۃ ہیں اور درست یہ ہے کہ تمام کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔

سوال: میّت کی طرف سے اضحیہ کرنے کو جو لوگ جائز سمجھتے ہیں وہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کی طرف سے قربانی کی تھی اور امت میں زندہ اور مردے سب شامل ہیں گو یہ فعل نبی علیہ السلام سے ثابت ہے لیکن یہ آپ کا اپنا فعل ہے نیز یہ قربانی کا واقعہ نبی علیہ السلام کی طرف سے بطور اصالت کے ہے کہ آپ نے جو قربانی اپنی طرف سے کی تھی اس قربانی کے ثواب میں آپ نے اُمت کو بھی شامل فرمایا تھا جیسا کہ آپ نے دوسری قربانی میں امت کو شریک فرمایا تھا اور یہ واقعہ دراصل ایک ایسے فعل کا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت سے ہے اور آپ کا جو فعل خصوصیات سے ہو اس پر غیر کو قیاس نہیں کیا جاسکتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ویسے بھی قیاس کیا جا سکتا ہے کیونکہ آپ تو بمنزلہ شفیق باپ کے ہیں اپنی امت کے حق میں۔ اگر اضحیہ کا فعل بطور تشریح اور سیرت واسوۂ حسنہ کے ہوتا تو یہ ہر ایک مسلمان پر سنت یا مستحب ہو جاتا کہ ہر ایک مسلمان ساری امت مسلمہ کی طرف سے قربانی کرتا جس طرح کہ نبی علیہ السلام نے اپنی امت کی طرف سے قربانی دی تھی حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔ اسی لیے صحابہ کرام سے اضحیہ عن المیت ثابت نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اور امت کی طرف سے انہوں نے قربانی کی ہو۔

جواب: ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے زندوں اور مردوں سب کی طرف سے قربانی کی تھی لہٰذا اضحیہ عن الاموات جائز ہے تو جیسے قربانی زندوں کی طرف سے جائز ہے ایسے ہی مردوں کی طرف سے بھی جائز ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل دلیل قاطع اور حجت واضحہ ہے کہ اضحیہ عن الاموات جائز ہے زندوں کی طرف سے قربانی کرنے میں تو کوئی نزاع نہیں ہے کہ یہ بالکل جائز ہے اور اگر اس قسم کی احادیث کو پیش کیا جائے تو یہ مخالف کو مفید نہ ہوگا۔ اور جو احادیث اضحیہ عن الاموات کے حق میں وارد ہیں ان کو نظر انداز کرنا انصاف نہیں ہے جن کا ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں۔ کیونکہ تحقیق وانصاف کا تقاضا یہ ہے کہ دلائل دو طرفہ کو لیکر پھر راجح مرجوح قوی، ضعیف خطاء وصواب پہلوؤں کو معلوم کیا جائے ایسا نہیں کہ اپنے مقصد کی دلیل لیکر اسی پر اکتفا کیا جائے۔ کیونکہ یہ طریقہ طلبِ حق کے خلاف ہے مگر سائل چونکہ مسلمان مردوں کی مخالفت کو اپنا راستہ

متعین کر چکا ہے اس لیے وہ ان احادیث کو ذکر کرتا ہے جن میں ایسی قربانی کا ذکر ہے کہ ایک ہی جانور کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے اور امت کی طرف سے قربان کیا تھا۔ لیکن جو قربانی انفرادی طور پر امت کی طرف سے آپ نے کی تھی، سائل اس کا ذکر گوارا نہیں کرتا ہے اور دعویٰ یہ کر بیٹھا کہ امت کی طرف سے قربانی کرنا یہ آپ کی خصوصیت ہے غیر کو یہ حق نہیں ملتا۔ حالانکہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قربانی الگ انفرادی طور پر امت کی طرف سے دی تھی اس کے بارے یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ آپ نے اپنی طرف سے جو قربانی دی تھی اس میں امت کو ثواب کے اندر شریک فرمایا تھا۔ حالانکہ یہ واقعہ دوسرا ہے جس کو سائل نے اختیار کیا ہے اور انفرادی قربانی کی حدیث الگ ہے۔ رہی خصوصیت کی بات تو سائل کی اس میں بھی بڑی غلطی ہے کیونکہ خصوصیت کے لیے باقاعدہ دلیل خارجی کی ضرورت ہوتی ہے اور امت کی طرف سے قربانی کرنے کی خصوصیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ نہیں ہے کیونکہ اس پر کوئی دلیل نہیں آئی ہے۔ اور عدم خصوصیت کے بارے آپ کا یہ فعل کافی ہے۔ قرآن پاک میں آیا ہے۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ رسول اللہ کی زندگی تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا هٰذِهِ الْآيَةُ الْكَرِيمَةُ أَصْلٌ كَبِيرٌ فِي التَّأَسِّي بِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أَقْوَالِهِ وَأَفْعَالِهِ وَأَحْوَالِهِ۔ اس آیۃ کریمہ میں ہمارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال واحوال میں پیروی کرنے کا اصل وبنیاد موجود ہے لہٰذا بغیر دلیل خاص کے خصوصیت کا دعویٰ بلا دلیل ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کی طرف سے قربانی دی تھی یہ دلیل قاطع ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس فعل میں آپ کی خصوصیت پر دلیل بھی وارد نہیں ہے۔ جب اس اضحیہ عن الامت کی خصوصیت پر دلیل وارد نہیں ہوئی ہے تو اضحیۃ عن الاموات اصل عام کے تحت امت کے لیے بھی اضحیہ عن الاموات جائز ہے کیونکہ یہ اصول ہے کہ جو کام آپ کے لیے مباح ہے وہ امت کے لیے بھی مباح ہے جب تک خصوصیت کے لیے دلیل خاص وارد نہ ہو اور حضرت انس تو ایک قربانی اپنی طرف سے اور دوسری قربانی امت محمدیہ کی طرف سے دیتے رہے اور امام نووی نے اس کے تحت فرمایا حضرت انس کا عمل اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں تھا۔

سوال: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بالاصالت جو ایک جانور ذبح کیا تھا اس میں امت کو بھی شریک کیا تھا۔ معلوم ہوا کہ بالتبع امت کو شریک کیا جاسکتا ہے لیکن انفرادی طور پر مردوں کے لیے قربانی کرنا جائز نہیں ہے۔

جواب: یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو قربانی اپنی طرف سے دی تھی اس میں آپ نے امت کو شریک فرمایا تھا۔ یہ حدیث حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں
صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِيدَ الْاَضْحٰى فَلَمَّا انْصَرَفَ اُتِيَ بِكَبْشٍ فَذَبَحَهٗ فَقَالَ بِاسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ هٰذَا عَنِّيْ وَعَنْ مَنْ لَّمْ يُضَحِّ مِنْ اُمَّتِيْ.

(رواہ احمد۔ وابوداؤد والترمذی)

میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز عید الاضحیٰ پڑھی، جب آپ واپس لوٹے تو ایک بکرا لایا گیا تو آپ نے اس کو ذبح کر دیا۔ فرمایا۔ اللہ کے نام سے اور اللہ سب سے بڑا ہے۔ یہ میری طرف سے اور ان کی طرف سے جنہوں نے قربانی نہیں کی ہے۔ اور صحیح مسلم میں اس طرح الفاظ ہیں۔
اُتِيَ بِكَبْشٍ اُضْحِيَةٍ ثُمَّ ذَبَحَهٗ فَقَالَ بِاسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ وَمِنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ ثُمَّ ضَحّٰى بِهٖ۔

ایک بکرا قربانی کا لایا گیا، پھر اسکو ذبح فرمایا تو فرمایا اللہ کے نام سے اے اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آل محمد کی طرف سے اور امت محمد کی طرف سے قبول فرما۔ پھر اس کی قربانی کر دی اس روایت میں فقط ایک بکرے کو سب کی طرف سے آپ نے قربانی دے کر سب کو ثواب میں شریک فرمایا یہ الگ واقعہ ہے دوسرا واقعہ الگ ہے جس میں دو بکروں کو آپ نے قربانی میں ذبح فرمایا ایک بکرا انفرادی طور پر ساری امت مسلمہ کی طرف سے دیا تھا اور دوسرا بکرا اپنی طرف سے اور اہل بیت کی طرف سے دیا تھا پہلے واقعہ میں یہ الفاظ ہیں اَللّٰهُمَّ هٰذَا عَنْ اُمَّتِيْ جَمِيْعًا مَنْ شَهِدَ لَكَ بِالتَّوْحِيْدِ وَشَهِدَ لِيْ بِالْبَلَاغِ ثُمَّ يُؤْتٰى بِالْاٰخَرِ فَذَبَحَهٗ عَنْ نَفْسِهٖ فَيَقُوْلُ هٰذَا مِنْ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ الخ

(یہ حدیث حضرت ابو رافع سے روایت ہے) اس حدیث کا پہلے ذکر ہو چکا ہے اس سے ظاہر ہے

اس سے ظاہر ہے کہ امت کی طرف سے انفرادی طور پر قربانی دی گئی تھی۔ لہٰذا احادیث دو طرح کی ہیں بعض میں آپ نے اپنے ساتھ امت کو شامل و شریک فرمایا تھا اور دوسری حدیث میں آپ نے انفرادی طور پر امت کا ذکر فرمایا۔

سوال: سنت بکثرت ہونے کے باوجود کسی صحابی سے ثابت نہیں کہ انہوں نے اپنے مردوں کے لیے اضحیہ (قربانی) بطور تبرع یا اپنے وقف مال سے کی ہو۔ یا صحابہ کرام نے وصیت فرمائی ہو کہ میرے بعد قربانی کیا کرو۔

جواب: یہ حدیث پہلے گذر چکی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ میرے بعد میرے لیے قربانی کیا کریں اور خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ساری امت کی طرف سے قربانی کی تھی۔ نیز حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے حضرت نافع روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر کو خیبر کی اچھی زمین پہنچ گئی تھی۔ آپ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے مال خیبر کی زمین عمدہ ترین مال سے ہے آپ اس کے بارے کیا حکم فرماتے ہیں۔ فرمایا اگر چاہتا ہے تو اصل زمین اپنے پاس رکھ لو۔ اور اس کی آمدن صدقہ کرلو۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کردیا۔

معلوم ہوا کہ صدقہ جاریہ اور دوسری چیزیں اموات کے لیے کرنا اگر جائز ہے تو قربانی بھی صدقہ ہے نیز وصیت اضحیہ کی روایات سے بھی ظاہر ہو چکا ہے

نوٹ: یاد رہے کہ قربانی کرنا کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور عمل صحابہ کرام سے اور امت مسلمہ کے تعامل سے ثابت ہے۔ قرآن پاک میں آیا ہے

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ۔ اپنے رب کے لیے نماز پڑھیں اور قربانی کریں۔ قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ فرما دیجئے بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت اللہ کے لیے ہے جو جہانوں کا رب ہے۔ اور قربانی سے مقصود گوشت نہیں ہوتا ہے بلکہ ذبح کرنا مقصود ہوتا ہے۔ جیسے قرآن میں آیا ہے۔ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ اللہ کو ہرگز قربانی کا گوشت نہیں پہنچتا ہے اور نہ ہی اس کا خون۔ اور لیکن اللہ کو تمہارا تقوی پہنچتا ہے

اور حدیث میں آیا ہے۔ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا عَمِلَ ابْنُ آدَمَ مِنْ عَمَلٍ يَوْمَ النَّحْرِ اَحَبَّ اِلَى اللهِ مِنْ اِهْرَاقِ الدَّمِ وَاِنَّهُ لَيَأْتِيْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بِقُرُوْنِهَا وَاَشْعَارِهَا وَاَظْلَافِهَا وَاِنَّ الدَّمَ لَيَقَعُ مِنَ اللهِ بِمَكَانٍ قَبْلَ اَنْ يَّقَعَ بِالْاَرْضِ فَطِيْبُوْا بِهَا نَفْسًا۔ (رواہ الترمذی، ابن ماجہ، مشکوٰۃ شریف)

ترجمہ: روایت ہے حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ انسان بقر عید کے دن کوئی ایسی نیکی نہیں کرتا جو خون بہانے سے خدا کو زیادہ پیاری ہو یہ قربانی قیامت میں اپنے سینگوں بالوں اور کھروں کے ساتھ آئے گی۔ اور خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ کے ہاں قبول ہو جاتا ہے۔ لہذا خوش دلی سے قربانی کرو۔

نتیجۂ تحقیق

ان آیات و احادیث سے ثابت و ظاہر ہو گیا کہ قربانی خداوند کریم کی طرف سے واجب کی گئی ہے۔ اور یہ مالی عبادتوں میں سب سے بہترین مقبول عبادت ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ قربانی کا بدل اس کی قیمت نہیں ہو سکتا ہے یا کوئی دوسرا صدقہ یا کوئی خریدا ہوا گوشت بھی بدل نہیں بن سکتا ہے قربانی کی اپنی مخصوص حیثیت و مقام ہے اور اس کی اپنی جداگانہ شان ہے ہر دین و مذہب میں جانوروں کا ذبح کرنے کا رواج رہا ہے۔

فلسفۂ قربانی

فرق یہ ہے کہ آسمانی دین میں قربانی صرف خدائے وحدہٗ کے لیے ہو سکتی ہے۔ غیر کے نام کے ساتھ قربانی کے جانور کو ذبح نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ دوسرے باطل دینوں میں لوگ جانور کو غیر اللہ کے نام سے ذبح کرتے رہے ہیں مسلمان مالی قربانی بصورت جانور کو ذبح کر کے یہ بتانا چاہتا ہے کہ میری انتہائی محبت صرف اللہ تعالیٰ سے وابستہ ہے۔ آج جانور کو ذبح کرتا ہوں کل جب وقت آئے گا۔ تو اپنی جان کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کر کے شہادت کا جام نوش کروں گا

گویا کہ بدن و مال اللہ تعالیٰ کی امانتیں ہیں۔ جس کی ضرورت ہو گی۔ ان امانتوں کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینا ایمان و اخلاص کی علامت ہے۔ نیز قربانی سے جو مقاصد حاصل ہو سکتے ہیں وہ دوسرے صدقات سے حاصل نہیں ہو سکتے ہیں اور یہ قربانی قیامت میں پل صراط پر سواری ہو گی۔ جس کے ذریعے یہ شخص

بآسانی پل صراط سے گذرے گا اور قربانی کا ہر عضو قربانی کرنے والے کے ہر عضو کا فدیہ بنے گا۔ اور قربانی اتباع سنت کا بہترین نمونہ و مثال ہے۔ اس سے زندوں اور مردوں سب کو ثواب و فائدہ پہنچتا ہے۔ قربانی سے توحید کا احیاء اور شرک کا خاتمہ ہوتا ہے۔

اس مقالہ میں ایصال ثواب اور قربانی کی اہمیت وغیرہ پر تحقیقی بحث کی گئی ہے۔

وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيْم

از خادم اہل سنت مفتی محمد گل رحمٰن قادری چشتی عفی عنہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الْمَعْبُوْدِ وَحْدَہٗ - وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہٗ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نذر و نیاز کی شرعی حیثیت

اللہ تعالیٰ کے ماننے والوں میں اس کے آخری نبی سیدنا محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ماننے والے آخری اُمّتِ مسلمہ ہیں۔ اُمّتِ مسلمہ کو جو کتاب دی گئی ہے وہ آخری کتاب ہے جس کا مشہور نام قرآن مجید ہے جو عقائدِ حقہ اور شریعت و احکام، ہدایات کاملہ اور نجات ابدی کا آخری پیغامِ الٰہی ہے جس میں کاملیت و اتمیت کا یہ حال ہے کہ وہ تمام خوبیاں اپنے اندر رکھتا ہے جو انسانی ضروریات ہیں اور قرآن پاک نے اُن تمام خوبیوں کو بھی اپنے اندر شامل کر دیا ہے جو سابقہ آسمانی کتابوں میں انسانی حاجات تھیں۔ اس لحاظ سے قرآن پاک اصلِ دین ہے اور اصل شریعتِ اسلام بھی ہے۔ سنّتِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی عملی فعلی تقریری تشریح و توضیح ہے۔ اسی لیے مسلمانوں کے لیے قرآن و سنّت کے ماننے اور اس پر عمل کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس کے علاوہ کوئی چھٹکارا ہو سکتا ہے۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے دینی و دنیاوی مسائل کا حل قرآن و سنّت میں تلاش کریں۔ جن کی فقہاءِ اسلام، مذاہب اربعہ کے آئمہ کرام نے اجتہادی کاوشوں کے نتیجہ میں عقائد و احکامِ شرعی کی تشریح و تدوین فرمائی ہے۔

ارشادِ الٰہی ہے۔ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ

اللہ اور اس کے رسول کی پیروی کرو اور امر والے تم میں سے کی پیروی کرو۔

اِذَا تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ

جب تم کسی شی میں آپس میں جھگڑو تو اُسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لے جاؤ (لوٹاؤ)

صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ و رسول کریم کی اطاعت کے سوا کوئی جائے قرار نہ راہ فرار ہے۔ اس اطاعت و پیروی کے پابند علماء بھی ہیں اور عام مسلمان بھی ہیں۔ نہ تو علماء علم کے نام سے اطاعت و پیروی سے بے نیاز ہو سکتے ہیں بلکہ علم و فکر کے جوہرِ دانش کے باعث زیادہ تر پابندی کے مامور ہیں کہ ایک تو علم دین کے ہوتے ہوتے خود بھی عمل کریں۔ دوسرا یہ کہ علم کے ہوتے ہوئے دوسروں کو بھی راہِ علم و عمل پر لائیں۔ ورنہ دوہرے وبالوں میں گرفتار ہوں گے۔ اور نہ ہی عوام اطاعتِ اسلام سے بے نیاز ہو سکتے ہیں۔ آیات بالا سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور امر والوں کی اطاعت کریں یہ نہیں آیا کہ اپنے اُستادوں نے جو کہا بس اُسے دینِ اسلام کا آخری فیصلہ سمجھ لیا کریں۔ جیسے کہ فرقہ واریت کے شکار بعض اہل علم اور عوام ہوتے ہیں۔ العیاذ باللہ تعالیٰ اپنا مطمحِ نظر اندھی تقلید نہیں ہے بلکہ شرعی تحقیق ہے۔ ہم شرعی تحقیق و استدلال کی روشنی میں حق کے نمائندوں کی پیروی یا ان سے عقیدت جائز سمجھتے ہیں۔ اب ہم ایک سوال و نظریہ کا (شرعی تحقیق کی روشنی میں) جواب و حل پیش کرتے ہیں۔

سوال یا نظریہ: نذر و نیاز کے طور پر جانوروں یا زراعت میں سے کسی زراعت کا کچھ حصہ بزرگوں ولیوں کے لیے تعین کرنا، نامزد کرنا مطلقاً حرام اور ایسا کرنے والا کافر و گمراہ ہے اس کا جواب شرعاً مطلوب ہے؟

جواب: شرعی تحقیق سے جواب دینا ہم اپنے لیے ضروری سمجھتے ہیں کیونکہ ہم شرعی تحقیق کی پیروی کو اپنے لیے راہِ نجات سمجھتے ہیں۔ اور دوسروں کے لیے راہِ ہدایت جانتے ہیں یاد رہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام یا اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم کے لیے کوئی جانور یا زراعت کا کوئی حصہ یا مال میں سے کسی قدر کا تعین کرنا۔ یہ مطلقاً ناجائز نہیں ہے بلکہ اس کی تفصیل ہے بعض صورتیں

ناجائز ہیں اور بعض جائز ہیں۔ اگر مخلوط ہیں تو ناجائز ہیں اور نہ ہی یہ تمام کی تمام جائز ہیں۔
ان کا فیصلہ کن امر یہ ہے کہ جانور یا زراعت و مال کو نامزد کرنے والے کے اعتقاد و نیت
کو دیکھا جائے گا۔ کہ اس کا اعتقاد کیا ہے اور اس کی نیت کیسی ہے۔ اس لئے بعد میں مقرر و نامزد جانور
کا گوشت اور زراعت و مال کا مقرر کردہ حصہ کی حلت و حرمت کا حکم لگے گا!
اگر کوئی شخص جانور، زراعت و مال کو بزرگوں کے لیے اس لئے مقرر کرتا ہے کہ مقرر کرنے والا
انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کو قدرت و اختیار کے لحاظ سے مستقل یا بالذات
یا الوہیت میں شریک یعنی متصرف بالذات اور لائق عبادت مانتا ہے اور ان کا یہ اعتقاد ہے
کہ جو جانور یا زراعت و مال کا حصہ نامزد کیا گیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کسی دوسرے کے طفیل نہیں
صرف ان کا ہے اور جن بزرگوں کے لیے جو کچھ نامزد کیا گیا ہے وہ ان کے علاوہ کسی دوسرے
کے لیے اس کا استعمال شریعت اسلامیہ میں حرام ہے۔ اگر ایسا اعتقاد ہو اور ایسی نیت ہو تو اس
جیسے اعتقاد والوں کو بعض علماء کافر و مشرک سمجھا جائے گا۔ قرآن پاک میں ہے مشرک لوگ عرب
کے بتوں پر چڑھاوے چڑھاتے تھے۔ وہ اسی طرح بحیرہ، سائبہ وغیرہ کے نام پر جانور اپنے معبودوں
کے لیے نامزد کرتے تھے۔ وہ انہیں اپنے لیے استعمال حرام ٹھہراتے تھے۔ قرآن پاک میں ان
مشرکوں کو افتراء باندھنے والے اور جھوٹے قرار دیا گیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ
ایسے باطل عقیدے رکھنے والے کافر و مشرک لوگ ہوتے ہیں جو غیر اللہ کو مستقل بالذات قدرت والا
بذات امور میں تصرف کرنے والا یا مستحق عبادت ماننے والے ہوتے ہیں۔ اگر یہ لوگ صرف اعتقاد ہی
کی حد تک رہیں تو ان کا اعتقاد تو باطل ہے لیکن اگر وہ جانور جو انہوں نے نامزد کیا ہے جب تک
یہ لوگ بذات خود یا دوسرا کوئی مرتد، یا غیر کتابی ذبح نہ کریں یا غیر اللہ کے نام پر ذبح نہ کیا جائے یا
جانور کو ذبح کرنے والے کا مقصد اس کے ذریعے غیر اللہ کی تعظیم و تقرب حاصل کیا جانا ہو
تو وہ جانور حرام نہ ہوگا۔ اور اگر یہی اعتقاد باطل رکھتے ہوئے کسی نے نامزد کیا ہوا جانور کو
غیر اللہ کے حصے مقرر کرنے والا شخص اسی حالت شرک میں اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کرے پھر بھی

مشرک و مرتد کا ذبح کئے ہوئے جانور کا گوشت حرام ہے اسی طرح اگر کوئی جانور کا خون اس لیے بہاتا ہے کہ اس سے غیر اللہ کی تعظیم کی جائے تو ایسے جانور کا گوشت حرام ہوگا۔ ایسے ذبیحہ کا گوشت حلال نہیں ہو سکتا ہے۔

اب اگر اُسی جانور کو جس کو مرتد۔ مشرک نے غیر اللہ کی تعظیم کے لیے نامزد کر دیا ہے اُس جانور کو کلمہ گو مسلمان نے جو اللہ تعالیٰ کو اپنی شانوں کے ساتھ مانتا ہے اور اُس کے رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آخری رسول مانتا ہے اور اللہ کا نام لے کر ذبح کرتا ہے تو اس ذبیحہ کا گوشت کھانا جائز و حلال ہے کیونکہ ذابح کی نیت بھی اچھی ہے اور ذبح کے وقت اللہ ہی کے نام پر ذبح کرتا ہے۔ اب غیر اللہ کے نام پر اس کا نامزد کرنا کارگر نہ ہوگا۔ اور مسلمان جو بھی جانور ذبح کرتا ہے وہ اللہ ہی کے نام پر ذبح کرتا ہے اور اس خون بہانے سے اس کا مقصد صرف یہی ہوتا ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی تعظیم و تقرب ہو۔ اور اس گوشت کو مسلمانوں میں تقسیم کرنے سے مقصد بزرگوں کی روحوں کو ثواب پہنچانا ہوتا ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام اور صحابہ کرام اہلبیت عظام اولیاء اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے سمجھتا ہے اور ان کی تمام خوبیوں کو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ سمجھتا ہے اور مستقل بالذات اور لائق عبادت صرف اللہ تعالیٰ کو یقین کرتا ہے۔ مسلمانوں کی طرف بلا دلیل شرعی کفری عقیدوں کو منسوب کرنے والے خود ——— کفر و ارتداد اور بدعقیدگی کے شکار ہو جاتے ہیں کیونکہ مسلمان کو مسلمان سمجھنا اور کافر کو کافر سمجھنا دین کی ضروری باتوں سے ہے۔ (اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو بدعقیدگی سے بچائے آمین)

توحید باری اور شرک میں فرق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ ہے یعنی اللہ ایسی ذات واجب الوجود ہے جو تمام صفاتِ کمال کو بذات خود جامع ہے۔ واجب الوجود اس کو کہتے ہیں جس کا ہونا عقلی طور پر ضروری ہو اور اس کا نہ ہونا بھی عقلی طور پر محال ہو۔ اور یہ مرتبہ صرف اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا باقی ساری مخلوق واجب الوجود نہیں ہے اور نہ ہی

واجب الوجود ہو سکتی ہے بلکہ سب غیر اللہ ممکن ہیں اور ہر ممکن مخلوق ہوتا ہے اور ہر مخلوق اللہ تعالیٰ کی صفتِ تخلیق وتکوین کے ثمرہ ونتیجہ ہے۔ ساری مخلوق کو صرف اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا فرمایا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر شئی کا خالقِ حقیقی ہے

جس طرح اللہ تعالےٰ واجب الوجود ہے ایسے ہی وہ مستقل بالذات ہے اس کی ذات اور اس کی خاص صفتیں سب مستقل وذاتی ہیں۔ غیر سے نہ اس کی ذات وجود میں آئی ہے اور نہ ہی اس کی صفتیں غیر سے ملی ہیں بلکہ اس کی ذات کی طرح اس کی تمام صفاتِ کمال مستقل اور ذاتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے سوا ہر شئی اپنی ذات وصفات میں محتاج ہے بے نیاز مند ہے۔ اللہ تعالیٰ ساری مخلوق کا حقیقی حاجت روا ہے اور غنی وبے نیاز ذات ہے۔

جیسے اللہ تعالیٰ کا واجب الوجود۔ مستقل بالذات ہونا ضروری ہے ایسے ہی اس کا حقیقۃً مالکِ کل ہونا بھی ضروری ہے اور یہ بھی اس کی خاص صفت ہے۔ قرآن پاک میں ہے خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ۔ ہر شئے کے پیدا کرنے والا ہے۔ اَلَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ اس نے تمہیں پیدا کیا اور جو تم کرتے ہو۔ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اللہ ہی خالقِ حقیقی ہے اس کے سوا سب اس کی مخلوق ہے۔ یہ چاروں ذاتی صفات ہیں۔ جو اللہ تعالےٰ کی ذات کے ساتھ خاص ہیں۔ اب ان صفات میں تلازم کو ملاحظہ کریں واجب الوجود بالذات وہی ہوتا ہے جو قدیم بالذات بھی ہو یہ ایک دوسرے کو لازم ہیں۔ اور جو ذات ایسی شان والی ہو وہی مستقل بالذات بھی ہو گی اس کے سوا چارہ نہیں کیونکہ مخلوق و ممکن مستقل بالذات نہیں ہو سکتی ہے۔ اور جو ذات واجب الوجود بھی ہو اور قدیم بالذات بھی ہو وہی مستقل بالذات بھی ہو گی اور مستقل بالذات ہستی ہی حقیقی خالق کل ومالک کل ہو سکتی ہے۔

جب اللہ تعالیٰ ہی کی یہ شان ہے کہ وہ واجب الوجود۔ قدیم بالذات مستقل بالذات۔ خالق و مالک حقیقی ہے تو وہی مستحق عبادت لائقِ عبادت حقدارِ عبادت بھی ہے۔ ان وجہوں سے غیر اللہ کی عبادت شرک وحرام ہے کیونکہ غیر اللہ لائقِ عبادت ہونے کی صفات نہیں رکھتا ہے۔ لہٰذا

توحید باری تعالیٰ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات واجب الوجود بالذات، قدیم بالذات مستقل بالذات ہے۔ اسی لیے وہ ان خاص خاص صفات کی وجہ سے مستحق عبادت ہے اور غیر اللہ چونکہ ان صفات سے خالی ہے اس لئے وہ عبادت کے لائق نہیں ہو سکتا ہے اب اگر کوئی شخص غیر اللہ کے لیے بھی یہ صفات مختصہ ثابت کرتا ہے مانتا ہے عقیدہ رکھتا ہے تو اس کو شرک کہا جائیگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفات مختصہ غیر کے لیے ثابت نہیں ہو سکتی ہیں اس وجہ سے ایسا عقیدہ رکھنا شرک قرار پائے گا۔

عقائد کی مشہور درسی کتاب شرح عقائد میں اس حقیقت کو مختصر لفظوں میں بیان کیا گیا ہے۔

اَلاِشْرَاكُ هُوَ اِثْبَاتُ الشَّرِيْكِ فِي الْاُلُوْهِيَّةِ بِمَعْنٰى وُجُوْبِ الْوُجُوْدِ كَمَا لِلْمَجُوْسِ اَوْ بِمَعْنٰى اِسْتِحْقَاقِ الْعِبَادَةِ كَمَا لِعَبَدَةِ الْاَصْنَامِ۔ یعنی شرک کرنا وہ اثبات شریک ہے الوہیت میں، بمعنی وجوب الوجود، جیسا کہ مجوس کے لیے ہے، یا بمعنی استحقاق عبادت جیسا کہ بتوں کی عبادت کرنے والوں کے لیے ہے۔ اس عبارت سے ہماری تقریر کی تائید ہوتی ہے کہ شرک کے یہ معنے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اِلٰہ ماننا اور الوہیت کا معنی وجوب الوجود اور مستحق عبادت ہے۔ اگر غیر اللہ کو کسی نے واجب الوجود مانا تو مشرک ہو گیا اور اگر مستحق عبادت مانا پھر بھی مشرک ہو گیا اور توحید یہ ہے کہ واجب الوجود اور مستحق عبادت صرف اللہ تعالیٰ ہی کو مانا جائے اگر مجوسیوں کی طرح وجوب الوجود غیر اللہ کے لیے مانا گیا تو یہ عقیدہ شرک بن جائے گا۔

مجوس دو واجب الوجود مانتے ہیں۔ ایک یزدان (خالق خیر) دوسرا واجب اُهرمن (خالق شر) اسی لیے مجوسی مشرک ہیں۔ کہ انھوں نے ایک کے بجائے دو واجب مان لیے ہیں اور اگر واجب الوجود غیر اللہ کو نہ مانا جائے بلکہ صرف غیر اللہ کو مستحق عبادت مانا جاتا ہے تو بھی شرک ہوگا جیسے بتوں کی عبادت کرنے والے اگرچہ وہ اپنے معبودوں کو واجب الوجود نہیں مانتے تھے بلکہ اپنے معبودوں کو وہ مخلوق مانتے تھے لیکن لائق عبادت ماننے سے مشرک ہو گئے۔ کیونکہ مستحق عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ ایسی صورت میں مجوس بھی مشرک ہیں اور بت پرست بھی مشرک ہیں۔ کیونکہ دونوں نے اللہ تعالیٰ کی صفات مختصہ

میں غیر اللہ کو بھی شریک بنائیں یعنی تفسیر الدیانۃ میں ہے کتب ماتریدیہ و اشاعرہ میں تحقیق ہے کہ ... یصف
ہندو بھی مشرک ہیں کیونکہ وہ زمانہ کو قدیم واجب غیر مخلوق مانتے ہیں ۔ ایسے ہی روح کے بارے
بھی ان کا عقیدہ ہے کہ وہ قدیم ہے اور ایسے ہی اکثر فلاسفہ بھی مطلق زمانہ اور مطلق مادہ کو قدیم غیر فانی مانتے
ہیں اسی عقیدہ کو شرک کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہمسر بنایا حقیقی لیکن جو خدا کا انکار کرتے تھے وہ
مشرکوں کافروں سے بڑھ کر تھے یعنی دہریہ تھے کیونکہ مشرکین تو وجود باری تعالیٰ کے قائل ہیں ۔
لیکن وہم یا جہالت سے یا غلط فہمی و کفر میں مبتلا ہو گئے ہیں منکرین خدا تو سماوی اور آفاقی
دلائل توحید کے علاوہ اپنی عقل سے بھی کام نہیں لیتے کہ جو وحدانیت خداوندی پر دلائل قائم
کرتی ہے اگر عقل سے کام لیتے تو یہ جہالت نہ کرتے بغیر انسان کے کوئی کام نہیں ہو سکتی ہے یہ
بھی یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات ذاتیہ حقیقیہ اللہ تعالیٰ کی استحقاق عبادت کے لیے عبادت
ہونے کا مدار و مناط ہوتی ہیں الوہیت کسی ایک صفت ذاتیہ کو غیر اللہ کے لیے ثابت کرنا
اس کو عبادت اور الوہیت کا ثابت کرنا لازم ہے ...
یہ صفات ذاتیہ حقیقیہ یعنی والاختیار الوجود بالذات قدیم بالذات مستقل بالذات
خالق کل و مالک کل حقیقی ہونا یا علم محیط و قدرت تامہ بالذات کو غیر خدا کے لیے ثابت کرنا
شرک ہوگا کیونکہ ان سے مخلوق کا خدا اور معبود ہونا لازم آتا ہے گا ۔ اور ممکنات چونکہ ان صفات
ذاتیہ کے اہل نہیں ہیں لہٰذا مخلوق کو خالق کے ساتھ ان میں شریک کرنا شرک ہوگا مخلوق کی ذات و
صفات عطائی غیر مستقل حادث قابل زوال و محدود ممکن ہوتی ہیں ۔ اسی واضح فرق کے
ہوتے ہوئے توحید و شرک کے درمیان تضاد و تقابل تباین کلی حقیقی طور پر موجود ہے
لہٰذا الحق علیحدہ ہونے کے لیے ایسی صفات کا خیال رکھنا ضروری ہے جو ذاتی کامل مستقل ہی
ہوں جب صفات ذاتیہ مستقلہ باقی نہ رہیں گی تو الوہیت بھی باقی نہ رہے گی لہٰذا صفات مستقلہ
کے بغیر استحقاق عبادت نہیں ہو سکتی ہے اور استحقاق عبادت کے بغیر صفات مستقلہ ذاتیہ
نہیں پائی جا سکتی ہیں یہ دونوں لازم ملزوم ہیں یعنی ایک دوسرے کو لازم ہیں ...

تفصیلی بیان سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ جب تک کوئی مسلمان غیر اللہ کو واجب الوجود۔ یا صفاتِ مستقلہ مذکورہ جوکہ مدارِ استحقاقِ عبادت ہیں کے ساتھ موصوف نہ مانے اس وقت اُسے مشرک ھــــر گز نہیں کہا جاسکتا ہے۔ نہ ہی مسلمان شرک وکفر کے حکم کا مصداق ہوسکتا ہے۔ مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ انبیاً کرام علیہم السلام اور اولیاً کرام رحمہم اللہ تعالیٰ خداداد خوبیوں سے موصوف ہوتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے انہیں غیر مستقل علم وقدرت واختیارات وتصرفات سے نوازا ہے۔ ان کے اختیارات وتصرفات۔علم وقدرت باذنِ الٰہی کی قید کے ساتھ مقید ہوتے ہیں۔اور انکے کمالاتِ مذکورہ اُن کے مراتب کے اعتبار سے ہوتے ہیں اور یہ کمالات بھی محدود ہوتے ہیں لیکن اُن کی حد ہمارے حدودِ علم سے ماورا رہوتی ہے۔کمالات کا جو جو ذکر قرآن مجید واحادیث مبارکہ میں جس تفصیل واجمال کے ساتھ آیا ہے اُسی مقدار کے ساتھ ایمان لانا ضروری ہے۔ یہ تخصیص اہل علم کے لیے ہے ورنہ عوام کے لئے صرف ایمان لانا اور احترام کرنا نجات کے لئے کافی ہے۔انبیاً کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم کو مسلمان باذن اللہ تصرف وقدرت و علم والے اور مدد وعونِ الٰہی کے مظاہر مانتے ہیں اور فیضانِ الٰہی کے حصول کے لیے انہیں واسطہ، وسیلہ تصور کرتے ہیں۔صرف اللہ تعالیٰ کے لیے حقیقی وذاتی مستقل صفات کا اعتقاد رکھتے ہیں۔اگر کوئی ایسا گروہ ہو جو اسلام کو مانتا ہو لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان کا یہ عقیدہ ہو کہ وہ غیر اللہ کو ندا و پکار اس طرح کرتا ہو کہ ان کے نزدیک انبیاً کرام علیہم السلام اور اولیاً کاملین امور میں مستقل اور بالذات قدرت واختیار وعلم رکھتے ہیں اور عطائے خداوندی کے قائل نہ ہوں تو ایسے عقیدے سے وہ مشرک ہو جاتے ہیں اگرچہ اسلام کا دعویٰ بھی کرتے ہوں۔یہ بھی یاد رہے کہ بعض کلمات ایسے ہیں کہ اگر اُسے مسلمان بولتا ہے تو اِس کے بولنے سے مسلمان کے عقیدے میں کوئی خرابی پیدا نہیں ہوتی ہے۔اور اگر وہی کلمات دہری کافر بولتا ہے تو اس سے اُس کے کفر کا اظہار ہوگا۔دیکھئے مسلمان نے اَنبَتَ الرَّبِیعُ البَقلَ (موسمِ ربیع نے سبزی کو اگایا) کہا۔اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان موسم کو صرف ایک سبب ظاہری سمجھ کر سبزی کے اگنے کا

ذریعہ سمجھتا ہے۔ اور سببِ حقیقی اور مستقل قدرت وتصرف والا سبزی اگانے والا اصل میں اللہ تعالیٰ ہی کو سمجھتا ہے۔

لہٰذا ایسے جملے بولنے سے مسلمان کے ایمان میں کوئی نقصان پیدا نہیں ہوتا ہے۔ اگر یہ کلمات دہری بولے تو اس کا مقصد اس سے اپنے عقیدے کا اظہار ہوتا ہے کہ دہری جو خداوند کریم کے وجود کا منکر ہوتا ہے اور زمانہ کو ہی متصرف مستقل طور پہ مانتا ہے لہٰذا ایسا کہنا دہری کے شرک کو ظاہر کرتا ہے۔ کیونکہ دہری کے نزدیک اسنادِ حقیقی یعنی زمانہ ہی حقیقت میں سبزی کو اگاتا ہے۔ تو یہ عقیدہ بالکل کفری ہوگا۔ ایسے ہی یہ بھی سمجھ لیں کہ اگر مسلمان انبیاء کرام علیہم السلام کو ندا کرتا ہے یا اولیاء کاملین کو پکارتا ہے تو اس سے ان کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ متصرف حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام صرف فیوض و برکات کو حاصل کرنے کے لیے وسیلے اور ذرائع ہیں۔ ایسے ہی تیسری مثال سمجھیں کہ مسلمان انبیاء کرام علیہم السلام سے یا اولیاء کاملین سے مدد کے لیے جو طریقہ اختیار کرتا ہے اس سے مقصد صرف یہی ہوتا ہے ہے بزرگانِ ملت اسلامیہ صرف واسطے اور وسیلے ہیں حصولِ فیوضِ الٰہی کے لئے اور حقیقی و مستقل متصرف صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

اسی عقیدے کے تحت اگر استمداد اس طرح کرتا ہے۔ کہ محتاج بندہ اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت طلب کرتا ہے مقرب و مکرم بندے کی روحانیت کے توسل سے اور کہے اے اللہ! اس بندے کی برکت سے جس پر تو نے اپنی رحمت اور اپنا کرم فرمایا ہے میری حاجت کو پورا کر دے۔ یا پکارے اس بندۂ مقرب و مکرم کو کہ اے خدا کے بندے اور اللہ کے ولی میری شفاعت کر اور اللہ تعالیٰ سے میرا مطلوب مانگ تا کہ وہ میری حاجت پوری فرما دے پس بندہ درمیان میں صرف وسیلہ ہوتا ہے اور حقیقی قادر اور عطاء کرنے والا حقیقی طور پر اور جس سے سوال حقیقتہً کیا گیا ہے وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ ان دونوں صورتوں میں کسی قسم کا شرک و کفر کا شائبہ تک نہیں ہے۔ یہ دونوں صورتیں جائز ہیں۔ فتاویٰ عزیزی جلد دوم ص۱۰۷

ہوں جیسے برکات میلاد شریف کی ایصال ثواب بزرگوں کی روح کو ثواب پہنچانا اور تبرک وسیلہ پکڑنا جائز ہوتا ہے جیسے

اور روح زندہ ہوتی ہے اور چاہے مقرب بندے زندہ ہوں یا وصال پا چکے ہوں جس میں کوئی

فرق نہیں کیونکہ جب یہ عقیدہ رکھا جائے کہ حقیقی متصرف اللہ تعالیٰ ہے ان کے عقیدہ میں کوئی خرابی نہ ہوگی

ہے علم ہوگا یا نہ ہو ان کا تصرف دراصل اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہے جس کا ظہور ان کے ہاتھ پر ہوتا ہے یہ عقیدہ

ہے اگر وہ شرکیہ عقیدہ رکھے کہ ان کو خود بخود مستقل طور پر طاقت حاصل ہے تو یہ شرک ہے

جو قطعی یقینی طور پر کافر کا عمل ہے آپ کے علم غیب کا انکار ہو جاتا ہے اس عقیدہ کے بغیر اگر مسلمان

کو کافر یا مشرک کہا جائے تو ان کی اپنی لاعلمی اور کوتاہی ہے تقویٰ کا تقاضا ہے کہ ایسی بات نہ کہی جائے

ہو جاتے ہیں اور یہ کبھی یاد رہے کہ بعض کلام اور حاجت روائی کے لئے اہل اللہ کو پکارتے ہیں

پولیس والے سے مدد لینا اور خرید و فروخت وغیرہ کے معاملے ختم ہو جاتی ہے بیماری یا پانی

وغیرہ جیسے کام ہو جاتے ہیں اور بیمار صحت یاب ہو جاتا ہے یہ سب ماتحت الاسباب کام

ماتحت الاسباب کہلاتے ہیں اور ایسے ہی بعض کام ایسے ہیں جو اسباب ظاہری سے

بالاتر ہوتے ہیں جیسے معجزات اور کرامات کا ظاہر ہونا وسیلہ اور برکات سے

مشکلیں حل ہو جاتی ہیں ایسے امور کو مافوق الاسباب کہا جاتا ہے حقیقی

مستقل بالذات مسبب حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے اور مجازی طور پر یہ نسبت

مظاہر عون الٰہی ہیں اگر یہ عقیدہ ہو کہ حقیقی طور پر مستقل بالذات متصرف اللہ تعالیٰ ہے

کا ہے اور وہی سب کچھ کرتا ہے تو ماتحت الاسباب ہوں یا

مافوق الاسباب ہوں ان کا حصول یا تحقیق اس عقیدہ کے ساتھ ہو کہ ان اسباب کا مسبب حقیقی

اللہ تعالیٰ ہی ہے تو یہ اسلام کے عین مطابق ہوگا اور شریعت کے مطابق ہوگا

حصول کے لئے وسیلہ بنانا جائز ہے اور یہ اعتقاد عقل و نقل اور قرآن و سنت کے مطابق ہے

اگر کسی نے اس کے برعکس عقیدہ رکھا کہ اسباب ظاہری ہی حقیقی مؤثر ہیں تو

ایسا شخص اسلام سے خارج ہو جائے گا کیونکہ ظاہری اسباب اصل میں اللہ تعالیٰ کے تابع ہیں

موجد نہیں ہوتے۔ ہر چیز کا خالق و موجد اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ مؤثر حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ ظاہری اسباب محض وسائل ہوتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عادت و دستور ہے کہ وہ ظاہری وسائل و اسباب کے استعمال کے بعد افعال و اشیاء کو ایجاد فرماتا ہے اور یہ افعال عادیہ میں دستور چلا آ رہا ہے۔ ورنہ افعال غیر عادیہ میں وسائل و ذرائع کے بغیر اللہ تعالیٰ اشیاء کو وجود میں لاتا رہا ہے جیسے حضرت آدم علیہ السلام کی خلقت بغیر ماں باپ کے واسطہ کے واقع ہوئی تھی ایسے ہی حضرت سیدنا عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی پیدائش بغیر باپ کے ہوئی تھی۔

قرآن مجید و احادیث مُبارکہ میں جہاں کہیں اللہ تعالیٰ کے علم و قدرت وغیرہا صفات و کمالات کا ثبوت ہے تو وہاں ان سے یہی مراد ہے کہ وہ کمالات و صفات اللہ تعالیٰ کے لیے حقیقی۔ ذاتی۔ مستقل۔ دائمی۔ غیر محدود طور پر ثابت ہیں۔ انہی کمالات و صفات کا غیر اللہ سے نفی ہوئی ہے اور جہاں کمالات و خوبیوں کا غیر اللہ کے لیے اثبات آیا ہے تو وہاں ان سے مراد وہ کمالات و خوبیاں ہیں۔ جو عطائی۔ غیر مستقل۔ غیر ذاتی۔ محدود ہوں اس شرعی تحقیق سے تمام آیات و احادیث میں تطبیق و موافقت ہو جاتی ہے۔ اثبات و نفی کی آیاتِ مبارکہ و احادیث شریفہ میں تقابل و تضاد و تعارض واقع نہ ہو گا۔

اگر اس فرق و امتیاز کو نظر انداز کر کے توحید و شرک علم و قدرت و اختیار وغیرہا سے متعلق آیات و احادیث کو پیش کیا جائے گا تو اس سے قرآن و مجید احادیث مبارکہ میں تغایر و تضاد نظر آئے گا حالانکہ قرآن مجید تغایر ٹکراؤ سے پاک ہے قرآن میں ہے۔ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا۔ اور اگر یہ قرآن غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں بہت اختلاف (ٹکراؤ) پاتے۔ معلوم ہوا کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی ایسی کتاب ہے کہ جس میں کسی قسم کا نہ ٹکراؤ ہے اور نہ ہی تضاد ہے۔ اگر فرق و امتیاز کے اصلی طریقہ و تقسیم جو مذکور ہو چکا ہے اس کو اختیار کیا جائے تو کہیں بھی قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں تضاد نظر نہیں آئے گا۔

ان اصولوں سے اہلسنت وجماعت کے عقائدِ حقہ قائم و ثابت ہیں۔اب تک سوال میں کفر وشرک کی کامل توضیح وتشریح ہو چکی ہے

فرقہ وہابیہ یا اہل شرک و دہریہ عادلانہ غور کریں گے تو وہ حقیقی توحید اور اس کے مقابل شرک میں فرق کرسکیں گے۔

ہم نے مثالوں کے بجائے اصول تحریر کر دیئے تاکہ ہر مقام پر ان سے استفادہ کیا جائے۔مثالوں ودلائل کے لیے یہ مقالہ ناکافی ہے اب سوال کا دوسرا حصہ۔نذر و نیاز پر شرعی تحقیق کو ملاحظہ کریں۔

ھدیہ اور نذر و نیاز کی شرعی حیثیت

ہمارا مسلک یہ ہے کہ ہم بحیثیت مسلمان صرف اللہ تعالیٰ ہی کو واجب الوجود و مستحقِ عبادت مانتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نیک صالح بندوں کو احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ان سے عقیدت ومحبت کا اظہار کرتے ہیں۔جانور وزراعت ومال میں سے جو حصہ صالحین کے لیے مقرر کرتے ہیں تو وہ زندہ نیک بندوں کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کرتے ہیں اور اگر نیک بزرگ حضرات وصال ہو چکے ہوں تو ان کے لیے جانور یا زراعت ومال کو ایصالِ ثواب کی نیت سے پیش کرتے ہیں کہ ان اشیأ کا ثواب ان کی ارواح کو پہنچے۔بس اسی نیت وقصد کے ساتھ اگر ہم کسی جانور یا زراعت ومال کا کچھ حصے کو ان بزرگوں کی طرف منسوب کر کے ان کے نام پر اُسے مشہور بھی کر دیں گے تب بھی جائز ہوگا۔اور ان چیزوں کا کھانا حلال وطیب ہوگا۔کیونکہ مشہور حدیث میں آیا ہے اِنَّما الاَعمَالُ بِالنِیاتِ۔عملوں کے مقبول ودرست ہونے کا مدار ——— نیت پر ہوتا ہے۔لہٰذا جیسے صحابہ کرام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور ہدیہ جانور اور دوسری چیزیں پیش کرتے تھے ایسے ہی ہم بھی ہدیوں کو تحفوں کو پیش کرنے کو جائز سمجھتے ہیں۔

حدیث شریف میں آیا ہے۔ تَهَادُوْا تَحَابُّوْا ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو تاکہ آپس میں محبت بڑھاؤ۔ آج بھی ہدایا و تحفوں کا تبادلہ مسلمانوں میں عمدہ رواج ہے۔ خاص کر اللہ تعالیٰ کے محبوب و مقبول بندوں کی خوشنودی حاصل کرنے میں بے شمار برکتیں ملتی ہیں اور ہزار مصیبتوں سے بچنا نصیب ہوتا ہے۔

قرآن پاک میں آیا ہے۔ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا. وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ط اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ط وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۔ (توبہ ۱۰۳)

اے محبوب ان کے مال میں سے زکوٰۃ (وصدقہ) لیں جس سے تم انہیں ستھرا اور پاکیزہ کردو اور ان کے حق میں دعائے خیر کرو بے شک تمہاری دعا ان کے لیے دلوں کا چین ہے اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ معلوم ہوا کہ محبوبوں کی خدمت میں صدقات و خیرات یا ہدایا و تحائف کو پیش کر کے پھر ان کے ہاتھوں خیرات کرانا یا تقسیم کرانا زیادہ مقبول ہونے کا ذریعہ ہے۔ آج مسلمان ثواب کو پہلے حضور علیہ السلام کی خدمت میں ہدیہ کرتے ہیں پھر دوسروں کے لئے ایصال کرتے ہیں یہ مستحسن و بہتر ہے۔ ورنہ براہِ راست بھی ایصالِ ثواب جائز ہے اور اسی لئے ثواب کو کسی بزرگ کی مِلک کر کے پھر دوسروں کے لئے بخشنے کے لئے عرض کیا جاتا ہے یہ بھی معلوم ہوا۔ صدقات و زکوٰۃ عبادت ہیں۔ یہ حضور اقدس علیہ السلام کی خدمت میں پیش کرنے سے آپ کی نگاہِ کرم حاصل ہوتی ہے۔ عبادت ذریعہ ہے کہ اس سے آپ کی نگاہ کرم کو حاصل کرنا ہوتا ہے۔ پاکیزگی آپ کی نگاہ سے حاصل ہوتی ہے یہ بات اس سے معلوم ہوتی کہ آپ سے فرمایا گیا ہے کہ آپ اس صدقہ کے ذریعے لوگوں کو پاک وصاف فرمائیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ کی دعا سے اللہ تعالیٰ لوگوں پر مہربانی فرماتا ہے

دوسری آیت میں ہے۔ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ط اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ط سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ط اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۹۹ توبہ)

اور کچھ گاؤں والے وہ ہیں جو اللہ اور قیامت پہ ایمان رکھتے ہیں اور جو خرچ کریں اسے اللہ کے نزدیکیوں اور رسول سے دعائیں لینے کا ذریعہ سمجھیں ہاں ہاں وہ ان کے لیے باعث قرب ہے اللہ جلد انہیں اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے اس سے معلوم ہوا کہ نیک اعمال میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے ساتھ حضور کی خوشنودی کی نیت کرنی شرک نہیں ہے بلکہ قبولیت کی دلیل ہے اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْہُ ۔ اللہ اور اس کے رسول زیادہ حقدار ہیں کہ انہیں وہ راضی کریں ۔ اس لیے صحابہ کرام ملاقات میں حضور کی رضا کی نیت کرتے تھے ۔ اس سے ایصال ثواب اور فاتحہ کا ثبوت ہوتا ہے یعنی نیک عمل پہ عرض کرنا کہ حضور ان کے متعلق دعا فرمائیں کہ مولیٰ قبول فرما کر ان لوگوں کو ثواب دے ۔ اب بھی یہ بہتر ہے کہ صدقہ لینے والا دینے والے کے لیے دعائے خیر کیا کریں کہ اس میں دونوں کا فائدہ ہوتا ہے ۔ اور یہ بھی اس آیت سے ظاہر ہے کہ اس میں صدقات و خیرات کی قبولیت کی خوش خبری ہے اگر اللہ تعالیٰ کے نیک بندے دُنیا سے وصال پا چکے ہوں تو ان کے لئے جانور نامزد کرنا یا زراعت یا مال کا کچھ حصہ مُعیّن کرنا اس نیّت و قصد کے ساتھ کہ ان اشیاء کا ثواب ان بزرگوں کی ارواح طیبہ کے لیے ایصال کیا جائے تو یہ بھی شرعِ اسلام میں جائز ہے اور اس کی بہت سی مثالیں عہدِ رسالت میں پائی گئی ہیں ۔ جس کی تفصیل ایصال ثواب کی بحث میں موجود ہے ۔ حضرۃ سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ علیہ وسلم ۔ سعد کی ماں کا انتقال ہو گیا ، کونسا صدقہ بہتر ہو گا ، فرمایا پانی بہتر رہے گا تو انہوں نے ایک کنواں کھدوایا اور کہہ دیا کہ یہ کنواں سعد کی ماں کا ہے ۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ صدقات و خیرات یا دیگر اطاعت و عبادات کا ثواب مرنے کے بعد اہل قبور کو پہنچتا ہے ۔ اگر مرنے والوں کے لیے کسی چیز کا نامزد کرنا حرام ہوتا تو وہ کنواں جو حضرت سعد کی ماں رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے لیے نامزد و مشہور ہو گیا تھا ۔ حرام اور اس کا پانی نجس قرار دیا جاتا ۔ (نعوذ باللہ من ذالک) حالانکہ رسول کریم علیہ السلام کا اجازت دینا یہ دلیل ہے

کہ ثواب کے بھیجنے کی نیت سے کسی چیز کو نامزد کرنا مشہور کرنا حرام وممنوع نہیں بناتا۔ خوب یاد رہے کہ اگر کوئی بزرگوں کے نام پر جو جانور یا زراعت کا کوئی حصہ یا مال کی کوئی مقدار نامزد کرتا ہے اس نیت وقصد کے ساتھ کہ یہ نذرِ شرعی ہے جو کہ حقیقت میں عبادت ہے۔ تو ایسے شخص کو جو نذرِ شرعی سے نذر کرتا ہے اُسے مشرک ومرتد ماناجائے گا۔ کیونکہ اس صورت میں غیر اللہ کے لیے الوہیت بمعنیٰ استحقاقِ عبادت ثابت ہوگا۔ اور غیر اللہ کو مستحقِ عبادت ماننے یا سمجھنے سے مسلمان مرتد ومشرک بن جاتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ایسے نذر کرنیوالے شخص کے شرک وارتداد سے کیا وہ جانور بھی حرام ہوگا؟

ہر گز نہیں۔ کیونکہ کسی کے اعتقاد کے باطل ہونے سے جانور حرام نہیں ہوگا۔ اعتقاد کی خرابی سے لازم نہیں آتا کہ منذور جانور بھی نجس وحرام ہوجائے۔ ہاں اگر ایسے بدعقیدہ مرتد مُشرک اپنے ہاتھ سے اس جانور کو ذبح کرتا ہے اس قصد کے ساتھ کہ اس ذبح سے غیر اللہ کی تعظیم و تقرب وعبادت کی جائے تو ایسا کرنے سے جانور کا گوشت حرام قرار پائے گا۔ کیونکہ اس صورت میں جانور کو غیر اللہ کی عبادت وتقرب کے لیے ذبح کیا گیا ہے اور اگر ذبح کرنے والا شخص غیر اللہ کو امور میں متصرف بالذات مانتا ہے تو یہ نذر بھی شرک وارتداد ہوجائے گی کیونکہ یہ نذرِ شرعی نذر بن جائے گی۔ جو عبادت کے معنی میں ہوتی ہے اگر نذرِ شرعی اولیاءَ اللہ کے لیے نہ بھی مان لی جائے تب بھی غیر اللہ کو مستقل بالذات یا مستحقِ عبادت سمجھنے سے شرک واقع ہوجاتا ہے نذرِ شرعی یہ ہے کہ اللہ کے لیے بطور تقرب وعبادت نذر دی جائے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے بجائے غیر اللہ کے لیے نذر بمعنیٰ تقرب وعبادت مان لی جائے۔ یا دی جائے۔ تو یہ نذرِ شرعی غیر اللہ کے لیے حرام وکفر ہے اور اگر غیر اللہ کے لیے نذرِ شرعی نہ دی جائے بلکہ نذرِ لغوی۔ نذرِ عُرفی جس کا معنی یہ ہے کہ کسی بزرگ کے لیے بطورِ ہدیہ ونذرانہ ونیاز ایصالِ ثواب کی نیّت وقصد سے دی جائے اور اس حال میں نذرِ شرعی بمعنیٰ تقرب وعبادت اللہ کے لیے مراد ہو تو ایسی نذر کا عمل شریعت میں جائز بھی ہے اور اس سے جو نیک مقصد خیر وبرکت مراد ہے وہ بھی نصیب

ہو گی۔لیکن اس کا فیصلہ ذبح کرنے والے کی اس نیت پر ہو گا جو ذبح کرنے والے کے حال کو دیکھتا ہو گا کہ وہ مسلمان ہے یا اہل کتاب ہے کہ وہ اپنی زبان سے کیا کہتے ہوئے ذبح کر رہا ہے ۔ جانور کی حلت وحرمت ذابح کے احوال سے وابستہ ہیں چاہے مالک مسلمان ہو یا مشرک ہو۔ فقہا کرام کی چند عبارات ملاحظہ ہوں۔ فتاویٰ رد المختار میں ہے۔

اِعْلَمْ اَنَّ الْمَدَارَ عَلَى الْقَصْدِ عِنْدَ اِبْتِدَاءِ الذَّبْحِ در المختار جلد خامس ص۲۱۷ جاننا چاہیئے کہ بے شک ——— مدار قصد پر ہے خاص ابتدار ذبح کے وقت معلوم ہوا کہ ذابح کے ابتدائے وقتِ ذبح کے حال و قصد پر حلت وحرمت کا مدا ہوتا ہے۔

جامع الفتاویٰ اور فتاوی عالمگیری میں ہے

مُسْلِمٌ ذَبَحَ شَاةَ الْمَجُوْسِيِّ لِبَيْتِ نَارِهِمْ اَوِالْكَافِرُ لِاٰلِهَتِهِمْ تُؤْكَلُ لِاَنَّهُ سَمَّى اللّٰهَ تَعَالٰى وَيُكْرَهُ لِلْمُسْلِمِ فتاویٰ عالمگیری جلد ۴ ص۴۲

مجوسی نے آتش کدہ کے لیے بکری نامزد کی، یا کافر نے اپنے بتوں کے لیے کوئی جانور نامزد کیا، اوران جانوروں کو مسلمان نے ذبح کر دیا، اگرچہ مسلمان کے لیے ایسا کرنا مکروہ ہے۔ مگروہ جانور حلال وطیّب ہے کھایا جائے گا۔کیونکہ مسلمان نے اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کیا ہے۔ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ بتوں یا بت خانوں کے لیے کفار و مشرکین کے نامزد کئے ہوئے جانوروں کو اگر مسلمان ذبح کرتا ہے توان کا کھانا حلال وطیّب ہے ان جانوروں کے حلال ہونے کے حکم سے وہ جانور زیادہ بابرکت حلال ہوتے ہیں جو اولیار کرام، بزرگوں کے نیاز و ایصالِ ثواب کے لیے مسلمان اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کریں۔

در المختار اور شرح وہبانیہ وغیرہا کی عبارت ملاحظہ کریں۔

لَانُسِیْئُ الظَّنَّ بِالْمُسْلِمِ اَنَّهُ يَتَقَرَّبُ اِلَى الْاٰدِمِيِّ بِهٰذَ النَّحْرِ

ہم کسی مسلمان کے حق میں ہرگز یہ بدگمانی نہیں کرتے ہیں کہ وہ اس فعل ذبح کے ذریعے کسی آدمی کا تقرب حاصل کرتا ہے۔اس عبارت کی تشریح صاحب رد المختار ج۴ ص۲۱۸ فرماتے ہیں

اَیْ عَلٰی وَجْہِ الْعِبَادَۃِ لِاَنَّہٗ الْمُکَفِّرُ وَھٰذَا الْبَعِیْدُ مِنْ حَالِ الْمُسْلِمِ۔

یعنی تقرب بطور عبادت اس لئے کہ تقرب مسلمان کے حال سے بہت دور ہے۔

اِن عبارتوں سے معلوم ہوا کہ نذرِ شرعی بمعنی عبادت حرام وکفر ہے اور مسلمان ایسی نذر غیر اللہ کے لیے کبھی نہیں کرتے ہیں۔ کیونکہ مسلمان بزرگوں کے لیے نذر عرفی بمعنی ہدیہ ونیاز وایصال ثواب کرتے ہیں۔ کیونکہ مستحق عبادت صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

اس عبارت سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ مطلق تقرب کفر نہیں ہے بلکہ علی وجہ العبادت تقرب کفر ہوتا ہے۔

یہ بھی یاد رہے کہ اولیاً کرام کے لئے جو نذر کی جاتی ہے۔ اُس سے مقصود یہ کہ ان کو ثواب ایصال کیا جائے اور وہاں آستانوں پر پہنچانے سے یہی مراد لیا جاتا ہے کہ وہاں اہل ذکر اور اہل حاجت پر صدقہ کیا جائے۔ حدیقہ ندیہ میں حضرت عبدالغنی نابلسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بہت اچھا فیصلہ فرمایا ہے۔ وَالنَّذْرُ لَھُمْ بِتَعْلِیْقِ ذٰلِکَ عَلٰی حُصُوْلِ شِفَاءٍ اَوْ قُدُوْمِ غَائِبٍ فَاِنَّہٗ مَجَازٌ عَنِ الصَّدَقَۃِ عَلٰی الْخَادِمِیْنَ لِقُبُوْرِھِمْ۔ اولیاً کرام کے لیے جو نذر مانی جاتی ہے اور اسے مریض کی شفاً حاصل ہونے یا غائب کے آنے پر معلق کیا جاتا ہے تو وہ نذر مجاز ہے اس سے اولیاء اللہ کے قبور پہ خادمین کے لیے صدقہ کرنا مراد ہوتا ہے اس عبارت سے ظاہر ہے کہ ہر نذر پر عبارت یا حرام وشرک کا فتویٰ نہیں لگانا چاہیئے۔ ورنہ اس سے فتویٰ لگانے والے کا اپنا نقصان ہوگا۔ نذر مجازی سے مراد لغوی، عرفی ہے یعنی صرف صدقہ کرنا مراد ہے۔ تاکہ وہاں آستانوں پر اور درباروں کے خادموں پر خیرات وصدقہ کرنا مقصود ہوتا ہے جس سے حصولِ برکت وحاجت مطلوب ہوتا ہے۔ نذرِ شرعی مراد نہیں ہوتی ہے اسی کی تائید میں ہے۔ وَمِنْ ھٰھُنَا عُلِمَ اَنَّ الْبَقَرَۃَ الْمَنْذُوْرَۃَ لِلْاَوْلِیَاءِ کَمَا ھُوَ الرَّسْمُ فِیْ زَمَانِنَا حَلَالٌ طَیِّبٌ ۔ تفسیرات احمدیہ ص۲۹ تحت وَمَا اُھِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ ہے۔ اور یہاں سے معلوم ہُوا کہ بے شک وہ گائے جس کی نذر اولیائے کے لیے

مانی جائے ــــــــ جیسا کہ ہمارے زمانہ میں رسم ہے حلال وطیب ہے۔ اس تفسیر سے خوب واضح ہو گیا کہ وَ مَا اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ سے وہ جانور مراد ہے جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے۔ اس سے وہی جانور مراد ہے جو بوقت ذبح غیر اللہ کے نام پر تقرب وعبادت کے قصد سے ذبح کیا جائے۔ تو اس کا گوشت حرام ہوگا۔ لیکن مسلمان جو نذر اولیا کرام اور بزرگوں کے لیے مانتے ہیں اس سے مقصود مجازی نذر۔ ہدیہ۔ نیاز۔ صدقہ۔ ایصال ثواب ہوتا ہے۔ گویا یہ نذر عرفی ہے اور یہ بالکل جائز ہوتا ہے اس کو شرک کہنا باطل ہے۔ طبقات کبریٰ جلد دوم ص۶۸ پر امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاذلی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل فرمایا ہے۔

كَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُوْلُ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِذَا كَانَ لَكَ حَاجَةٌ وَأَرَدْتَ قَضَائَهَا فَانْذُرْ لِلنَّفِيْسَةِ الطَّاهِرَةِ وَلَوْ فَلْساً فَاِنَّ حَاجَتَكَ تُقْضٰى۔

امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شاذلی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل فرمایا کہ وہ فرماتے تھے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے جب تجھے کوئی حاجت درپیش ہو اور تو اس کے پورا ہونے کا ارادہ کرے تو سیدہ نفیسہ طاہرہ کی نذر مان لے اگرچہ ایک پیسہ ہی کیوں نہ ہو، بے شک تیری حاجت پوری ہو جائے گی،

اس عبارت سے یہ معلوم ہوا کہ نذر بمعنی نیاز وایصال ثواب اولیاء کرام کے لیے ماننا شرعاً جائز ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنی حاجتوں کو حاصل کرنے کے لیے نذر عرفی جائز ہے۔ لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ نذر شرعی کا صرف اللہ تعالیٰ کے لیے قصد ونیت ہو۔ اور نذر عرفی بزرگوں کے لیے مراد ہو۔ اور عقیدہ وایمان میں باطل کی آمیزش نہ ہو۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ہم ایصال ثواب اور ہدیہ ونیاز کو بھی نذر کہتے ہیں اس کا ثبوت بھی ہو گیا۔ حضرت شاہ رفیع الدین بھی نذرِ عرفی ماننے کے قائل ہیں

انہوں نے فرمایا ہے

نذرے کہ ایں جا مستعمل میشود نہ بر معنی شرعی است
چہ عرف آنست کہ آنچہ پیش بزرگان مے برند نذر و نیاز می گویند

جو نذر کہ اس جگہ استعمال ہوتی ہے وہ اپنے معنی شرعی پر نہیں بلکہ معنی عرفی پر ہے، اس لیے کہ جو کچھ بزرگوں کی بارگاہ میں لے جاتے ہیں اس کو نذر و نیاز کہتے ہیں۔ یعنی نذر عرفی مراد لیا جاتا ہے۔

سوال۔ بعض فقہاً نے جیسے در مختار، بحر الرائق وغیرہ نے تو نذرِ اولیاً کو حرام اور باطل کہا ہے۔

جواب۔ یہ ہے کہ جو باطل ہو اُسے باطل کہنا فقہاء کا حقِ منصبی ہے۔

اور جو حق ہو اُسے حق سمجھ کر بیان کرنا بھی فقہاء کا منصب ہے۔ جن فقہاً نے اولیاء کرام کی نذر کو ناجائز قرار دیا ہے وہ اجمالی حکم کا درجہ رکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ دوسرے فقہاء کرام نے ان کے بطلان کی وجوہ کو بھی بیان کیا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بیان کی گئی ہے۔ نذر چونکہ عبادت ہے اور نذر بمعنی عبادت مخلوق کے لیے ناجائز ہے۔ دوسری وجہ یہ بیان کی ہے کہ جو چیز منذور ہے اُسے قبول کرنا میت کے لیے اس لیے ناجائز ہے کہ میت قبول نہیں کرسکتی ہے کہ ان میں مالک ہونے کی شرعی صلاحیت نہیں ہوتی۔ تیسری وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ ناذِر نے اگر یہ عقیدہ رکھا کہ جس میت کے لیے نذر مان لی گئی ہے وہ متصرف بالذات ہے اور اللہ تعالیٰ متصرف نہیں ہے۔ تو اس کا یہ اعتقاد کفر ہے۔ شامی جلد دوم ص ۱۳۹

ہم نے بار بار لکھا ہے کہ نذر شرعی بمعنی عبادت غیر اللہ کے لیے شریعت اسلام میں کفر و شرک ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ میت نذر کی گئی چیزوں کو قبول کر کے مالک بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی ہے اور غیر اللہ کو اللہ کے سوا متصرف و حاجت روا ماننا بھی باطل ہے اب اگر کوئی اس بدعقیدگی کی حالت میں نذر مان رہا ہے تو ایسی نذر باطل ہے۔ اس میں ہمارا نزاع ہے نہ انکار ہے۔ نزاعی صورت یہ ہے کہ جب ہم اللہ تعالیٰ ہی کو مستقل بالذات اور مستحقِ عبادت سمجھ کر اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے لیے نذر عرفی و مجازی مانتے ہیں تو اس

حالت میں نہ کوئی عیب ہے نہ ہی یہ اعتقاد باطل ہے اس کی تائید علامہ رافعی نے بھی کی ہے۔

وَنَذْرُ الزَّيْتِ وَالشَّمْعِ لِلْاَوْلِيَاءِ لِيُوْقَدُ عِنْدَ قُبُوْرِهِمْ تَعْظِيْمًا لَهُمْ وَمَحَبَّةً فِيْهِمْ جَائِزٌ اَيْضًا لَا يَنْبَغِي النَّهْيُ عَنْهُ تحریر المختار لرد المختار جلد اول ص۱۲۳

تیل اور شمع کی نذر ماننا اولیاء اللہ کے لیے کہ وہ چراغ روشن کئے جائیں ان کی قبروں کے نزدیک ان کی تعظیم اور محبت کے لیے تو یہ بھی جائز ہے اس سے منع کرنا بھی مناسب نہیں اس عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ عقیدت و محبت و احترام کی نیت سے چراغ روشن کرنا مزارات اولیاء کرام پر جائز ہے۔ اس سے منع کرنا یا مزارات کو گرانا۔ یہ محبت و احترام کے خلاف عمل ہے۔

مزید فتاوٰی ابی اللیث کی عبارت ملاحظہ کریں۔

اَلنَّاذِرُ لِغَيْرِ اللّٰهِ اِنْ قَصَدَ بِالنَّذْرِ التَّقَرُّبَ اِلٰى غَيْرِ اللّٰهِ وَظَنَّ اَنَّهُ يَتَصَرَّفُ فِي الْاُمُوْرِ كُلِّهَا دُوْنَ اللّٰهِ فَنَذْرُهُ حَرَامٌ بَاطِلٌ وَارْتِدَادُهُ ثَابِتٌ وَاِنْ قَصَدَ بِالنَّذْرِ التَّقَرُّبَ اِلَى اللّٰهِ وَاِيْصَالَ الثَّوَابِ لِلْاَوْلِيَاءِ وَيَعْلَمُ اَنَّهُ لَا تَتَحَرَّكُ ذَرَّةٌ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَيَجْعَلُ الْاَوْلِيَاءَ وَسَائِلَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللّٰهِ فِي حُصُوْلِ مَقَاصِدِهٖ فَلَا حَرَجَ فِيْهِ وَذَبِيْحَتُهُ حَلَالٌ طَيِّبٌ

غیر اللہ کی نذر ماننے والے نے اگر اپنی نذر سے غیر اللہ کی طرف تقرب کا ارادہ کیا اور یہ گمان کیا کہ تمام امور میں میت ہی متصرف ہے نہ اللہ تعالیٰ تو اس کی نذر حرام اور اس کا مرتد ہونا ثابت ہے اور اگر اس نے اس نذر سے تقرب الی اللہ کا ارادہ کیا اور اولیاء اللہ کو ثواب پہنچانے کی نیت کی اور وہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر کوئی ذرہ متحرک نہیں ہوتا اور وہ اولیاء اللہ کو اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان وسائل قرار دیتا ہے تاکہ اس کے مقاصد حاصل ہو جائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اس کا ذبیحہ حلال طیب ہے۔

معلوم ہوا کہ نذر کرنے والا اگر باطل اعتقاد رکھتا ہے کہ غیر اللہ ہی متصرف ہے تو ایسے شخص

کی نذر باطل ہے اور ایسی نذر سے اللہ تعالیٰ کی عبادت وتقرب حاصل کرنا مقصود ہو اور اولیاء کرام کو صرف وسائل سمجھتا ہے اور ثواب کا ایصال کرنا مراد ہے اور ہر چیز کے اندر اللہ تعالیٰ کو متصرف حقیقی سمجھتا ہے اور ہر چیز کی حرکت اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہوتی ہے، یقین کرتا ہے تو ایسی نذر کے ذریعے مقاصد کو حاصل کرنا جائز ہے اور ذبیحہ کا گوشت حلال وطیّب ہے جو لوگ ایسی نذر کو باطل وحرام سمجھتے ہیں وہ گمراہ عقیدہ رکھتے ہیں۔

ہمارے اس موقف کے موافق تفسیر نیشاپوری کی عبارت ملاحظہ کریں۔

اَجْمَعَ الْعُلَمَاءُ لَوْ اَنَّ مُسْلِمًا ذَبَحَ ذَبِيْحَةً وَقَصَدَ بِذَبْحِهَا اِلٰى غَيْرِ اللّٰهِ صَارَ مُرْتَدًّا وَّذَبِيْحَتُهٗ ذَبِيْحَةُ مُرْتَدٍّ

علماء نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ اگر کسی مسلمان نے کوئی جانور ذبح کیا اور اس کے فعل ذبح سے غیر اللہ کی طرف تقرب (علی وجہ العبادۃ) کا ارادہ کیا تو وہ مرتد ہو گیا اور اس کا ذبیحہ مرتد کا ذبیحہ قرار پائے گا۔ اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ اگر مسلمان نے جانور کو ذبح کیا اور اس جانور کے ذبح سے قصد یہ ہو کہ غیر اللہ کے لیے ذبح کرنا ہے تو ذبح کرنے والا مرتد ہے اور ذبیحہ بھی مُردار ہو گا اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ذبح صرف خدا کے لیے غیر اللہ کے نام پر ذبح بھی نہ ہو اور غیر اللہ کے لیے بطور عبادت کے لیے ذبح نہ کرے اس عبارت میں ذبح مقید ہے غیر اللہ کے تقرب کے قصد کے ساتھ کہ غیر اللہ کے لیے ذبحہ اس لیے کر رہا ہے تاکہ غیر اللہ کے لیے تقرب وعبادت کرے اس وجہ سے یہ نذر باطل ہے صرف غیر اللہ کے نام سے مشہور کرنا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ جانور حرام ہو جائے اور اس کا گوشت نجس ہو جائے۔ صرف نامزدگی سے حرمت لازم نہیں آتی جب تک غیر اللہ کے نام پر ذبح نہ ہو جائے۔ یہ وہ تفصیل ہے جس پر تمام امت مسلمہ کا اتفاق آ رہا ہے اور یہی مسلک اہلسنت وجماعت کا ہے۔

تنبیہ: یاد رہے ہمارا مسلک واضح طور پر یہی ہے کہ نذر شرعی بمعنی عبادت صرف

اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہے کیونکہ وہی ذاتِ الٰہی مستقل بالذات اور مستحق عبادت ہے۔ ذبح جانور میں اُسی کی تعظیم وتقرب بمعنیٰ عبادت مقصود ہو۔ دوسری چیز یہ ضروری ہے کہ جانور صرف اللہ تعالےٰ کے نام کے ساتھ ذبح کیا جائے۔ اب اگر جانور کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا۔ یعنی بوقتِ ذبح غیر اللہ کا نام لیا۔ تو جانور حرام ہو جائے گا۔ اور اگر غیر اللہ کو راضی کرنے کے لیے جانور کا خون بہایا اس طور پر کہ گوشت مقصود نہ ہو تو پھر بھی جانور حرام ہو جائے گا کیونکہ اس ذبح سے مقصود غیر اللہ کا تقرب حاصل کرنا ہے۔ اس کو فقہا تقرب لغیر اللہ کہہ کر حرام فرماتے ہیں اور فقہا جس تقرب سے عبادت مراد لیتے ہیں۔ اُس کو غیر اللہ کے لیے حرام وکفر قرار دیتے ہیں اور اگر مجازی۔ عرفی نذر بمعنیٰ ہدیہ ایصال ثواب مراد لیا جائے تو اس کے جائز ہونے میں کوئی شک نہیں ہے اس نذر کو پورا کرنا ضروری ہے۔ قرآن پاک میں آیا ہے۔

وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ ۔ اور چاہیئے کہ وہ لوگ اپنی نذروں کو پورا کریں اور نذر شرعی کے معنیٰ ہیں غیر ضروری عبادت کو اپنے اُوپر ضروری کر دینا نذر عرفی کے معنے ہیں نذرانہ، ہدیہ نیاز پیش کر دینا۔ نذر شرعی اللہ کے سوا کسی کے لیے ماننا شرک ہے۔

نذرِ شرعی کی تین شرطیں ہیں۔ نذر ① عبادت کی ہو وہ عبادت ② خود بخود واجب نہ ہو۔ وہ ③ عبادت خود واجب کی جنس سے ہو۔ لہٰذا کپڑے پہننے کی نذر ماننا۔ یا سر منڈانا وغیرہ کی نذر مان لینا۔ اس لیے درست نہیں ہیں کہ یہ کام عبادت نہیں، روزہ رمضان اور نماز ظہر کی نذر درست نہیں کیونکہ یہ چیزیں ویسے ہی واجب ہیں۔ وضو غسل کی نذر اس لیے درست نہیں کہ یہ چیزیں خود واجب نہیں بلکہ نماز کی وجہ سے واجب ہیں۔ کہ بغیر طہارت نماز جائز نہیں۔ منت و نذر شرعی کا حکم ہے کہ اُسے ادا کرنا فرض ہے اور اگر صدقہ وغیرہ کی نذر ہو تو اُسے وہی کھا سکتا ہے جس کو زکوٰۃ لینا جائز ہو۔

نذرِ عرفی جائز و کارِ ثواب ہے

یاد رہے کہ ہم جس نذر کو اولیائے کرام رحمہم اللہ کے لیے جائز کہتے ہیں اس سے مراد نذرِ عرفی بمعنیٰ ہدیہ۔ ایصال ثواب۔ نذرانۂ عقیدت ہے بخاری شریف۔ بَابُ مَنْ اَهْدٰى

مَالَـہٗ عَلٰی وَجہِ النَّـذْرِ وَالتَّوبۃِ میں ہے کہ حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے بارگاہ نبوی میں عرض کیا تھا اِنَّ مِنْ تَوْبَتِیْ اَنْ اَنْخَلِعَ مِنْ مَالِیْ صدقَـۃً اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ تحقیق میری توبہ سے ہے یہ کہ نذر کروں میں اپنے مال سے بطور نذرانہ کے اللہ اور اس کے رسول کی طرف معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نذر مانتے تھے۔ انخلع کا معنی نذر کے ہے۔ صرف یہ ایک حدیث باب کے تحت لائی گئی ہے اور باب نذر کے بیان میں ہے۔ لہٰذا باب کے ترجمہ میں اس حدیث کو لاکر اس سے رسول اللہ کے لیے نذر کا اثبات فرمایا ہے کہ اس حدیث میں انخلع کا معنی نذر کے تمام شارحین بخاری نے مراد لیے ہیں۔ عینی شرح بخاری۔ فتح الباری۔ ارشاد الساری، مرقات شرح مشکوٰۃ اور طیبی شرح مشکوٰۃ کو ملاحظہ کریں۔

سوال: قرآن پاک میں جن چار چیزوں کے حرام کئے جانے کا ذکر آیا ہے۔

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَـۃَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِیْرِ وَمَآ اُھِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ بِہٖ النحل آیت ۱۱۵

ترجمہ: اُس نے تم پر حرام کیا ہے صرف مردار، خون، خنزیر کا گوشت، اور وہ جس پر بلند کیا گیا ہو غیر اللہ کا نام ذبح کے وقت۔ ان چار چیزوں میں سے چوتھے نمبر پر وَمَا اُھِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ بِہٖ بھی ہے۔ لہٰذا جو جانور غیر اللہ کے نام کے ساتھ مشہور و نامزد ہو جائے جیسے بزرگوں کے نام پر پکارے جاتے ہیں وہ حرام ہوگا اور غیر اللہ کے نام پر نامزد کرنے والے کافر و مرتد ہو جائیں گے وغیرہ وغیرہ۔

جواب: یہ ہے کہ مخالفین نے شرعی تحقیق سے کام نہیں لیا۔ اس لیے بے چارے سطحی نظر سے انہوں نے فتویٰ لگا دیا۔ ہماری تحقیق سابق سے اس کا جواب گذر چکا ہے۔ اور آیت مبارکہ میں وَمَا اُھِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ بِہٖ کا یہ مفہوم نہیں ہے جس کو مخالف نے سمجھا ہے بلکہ اس کا صحیح معنے یہی ہے جو ہم نے ترجمہ میں ادا کر دیا ہے۔ یعنی وہ جانور جس پر بلند کیا گیا ہو غیر اللہ

کا نام ذبح کے وقت۔ ہم اس مفہوم پر معتبر تفاسیر و لغت اور فتاویٰ سے مزید عبارات نقل کرتے ہیں تاکہ اس جملہ سے تمام وہ خدشات رفع ہو جائیں جو مخالفین کی سطحی نظر میں جم گئے ہیں قرآن پاک میں ہے۔ وَمَنْ يَتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ۔ البقرہ ۱۰۸

ترجمہ اور جو ایمان کے بدلے کفر لے وہ ٹھیک راستہ سے بہک گیا۔ معلوم ہوا کہ ایمان اور کفر آپس میں ضدیں ہیں اور ایمان کو کفر اور کفر کو ایمان سمجھنا یا بنا لینا بھی کھلی گمراہی و کفر ہے۔ ایسے ہی حرام کو حلال اور حلال کو حرام سمجھنا بھی گمراہی ہے۔ اسی وجہ سے بھی کفار کی مذمت قرآن میں آئی ہے، کہ کفار نے حلت و حرمت کو بذات خود قانونی حیثیت دی تھی جسکو چاہتے حرام کہہ دیتے اور جس چیز کو چاہتے حلال بنا لیتے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَٰذَا حَلَالٌ وَهَٰذَا حَرَامٌ لِتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ ۱۱۶

ترجمہ: اور نہ بولو جھوٹ جن کے بارے میں تمہاری زبانیں بیان کرتی ہیں (یہ کہتے ہوئے) کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے اس طرح تم افترا باندھو گے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا۔ بے شک جو لوگ اللہ تعالےٰ پر جھوٹے بہتان تراشتے ہیں وہ کبھی کامیاب نہیں ہوتے اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کسی چیز کے حلال و حرام قرار دینے کا حکم اپنی طرف سے صادر کریں۔ ایسا کرنا جھوٹا بہتان ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی ہے نیز رب کی ہر چیز حلال ہے سوا ان چیزوں کے جسے اللہ و رسول نے حرام فرما دیا۔ رب فرماتا ہے

خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ۔ لہٰذا بتوں کے نام پر چھوڑے ہوئے جانور جب وہ رب کے نام کے ساتھ ذبح ہوں تو حلال ہیں کہ رب نے انہیں حرام نہیں کیا۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ بغیر دلیل کے کسی چیز کو حرام کہہ دینا اللہ پر جھوٹ ہے ایسے ہی جو میلاد شریف کی شرینی، فاتحہ کے کھانے کو بغیر ثبوت کے حرام کہتے ہیں وہ جھوٹے ہیں۔ یہ تمام چیزیں حلال ہیں۔ کیونکہ انہیں اللہ و رسول نے حرام نہ فرمایا، حضور فرماتے ہیں کہ حلال وہ جسے اللہ حلال فرمائے، حرام وہ جسے

اللہ حرام فرمادے اور جس سے خاموشی ہے وہ معاف ہے رب فرماتا ہے۔ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا

قرآن پاک میں وَمَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ والی آیت سے قبل ع[۱۱۴] کی آیت کو ملاحظہ کریں

فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ[۱۱۴]

ترجمہ: پس کھاؤ اس سے جو رزق دیا تمہیں اللہ تعالیٰ نے جو حلال (اور) طیب ہے اور شکر کرو اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اگر تم اُسی کی عبادت کرتے ہو۔

یعنی رب کا شکر اعتقادی بھی کرو، عملی شکر بھی کرو اور قولی شکر بھی کرو۔ کیونکہ اس آیت میں ہر قسم کے شکر کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا اعتقادی شکر ہے اور آپ کی اطاعت کرنا عملی شکر اور زبان سے حمد و نعت کہنا قولی شکر ہے حلال طیب رزق کو کھانا خدا کا حکم ہے اور اس پر خدا کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔ اور حلال کو حرام کہنا یا سمجھنا یہ ناشکری بھی اور گمراہی بھی ہے۔

اب دوسری آیت کو بھی ملاحظہ کریں۔

فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ○

سو جس جانور پر اللہ کا نام لیا جاوے اس میں سے کھاؤ اگر تم اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہو

تیسری آیت یہ ہے۔ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ پارہ ۸

اور تم کو کونسا امر اس کا باعث ہو سکتا ہے کہ تم ایسے جانوروں سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو (ترجمہ بیان القرآن)

ان دونوں آیتوں میں صاف واضح حکم ہے کہ جس جانور پر ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے اس کا گوشت حلال ہے اور اُسے نہ کھانے پر اللہ تعالیٰ نے ڈانٹ فرمایا ہے اور ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے۔

اب ان دونوں آیتوں اور وَمَا اُهِلَّ بِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ کے ظاہری مفہوموں کو ملا دیں تو ان آیات میں تعارض و تضاد نظر آئے گا۔ اور قرآن پاک تعارض سے پاک ہے۔

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا

اور اگر یہ قرآن غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو وہ لوگ ضرور اس میں بہت اختلاف (تعارض) کو پاتے چونکہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت والا کلام ہے ـــــــ اور ٹکراؤ والا کلام ہدایت نہیں بن سکتا ہے۔ لہذا یہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ معلوم ہوا کہ وَمَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ بِهٖ کا وہ مطلب ہی نہیں ہے جو مخالفین نے سمجھا ہے۔ ورنہ تعارضِ قرآن کے الزام و بہتان کا باعث بننا پڑے گا۔ مناسب یہی ہے کہ ہم سلف صالحین اور اہلِ تحقیق متقدمین مفسرین کرام کی عبارتوں کو پیش کریں تاکہ آیت کا اصلی مفہوم ظاہر ہو جائے۔ وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللهِ آیت کے تحت ہے امام المفسرین ابوبکر بن جصاص الرازی کی تفسیر احکام القرآن کی عبارت و تشریح ملاحظہ کریں۔ ولا خلاف بين المسلمين ان المراد به الذبيحة اذا اهل بها لغير الله عند الذبح۔ احکام القرآن جلد اول مطبوعہ مصر ص۱۲۵ اور مسلمانوں میں کسی کا خلاف نہیں ہے کہ ما اهل به لغير الله سے وہ ذبح کیا ہوا جانور مراد ہے جس پر وقت ذبح کے غیر خدا کا نام پکارا گیا ہو۔ اس تفسیر سے واضح ہو گیا کہ جس جانور پر بوقت ذبح غیر اللہ کا نام لیا گیا وہ حرام ہے اور جس پر وقتِ ذبح کے اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا وہ حلال طیب ہے۔ اور یہ تفسیر اس لئے عمدہ ہے کہ اس سے تعارض آیتوں کا اُٹھ جاتا ہے۔ اور سب سے عمدہ تفسیر کا درجہ یہی ہے کہ قرآن کی آیتوں کی تفسیر قرآن کی آیتوں کے ساتھ ہوتی ہو۔ اَلْقُرْاٰنُ يُفَسِّرُ بَعْضُهٗ بَعْضًا قرآن کی بعض آیتیں دوسری بعض آیتوں کی تفسیر کرتی ہیں۔ اس وجہ سے کہ بہترین وہی تفسیر ہوتی ہے کہ قرآن خود اپنی تفسیر دوسرے مقام پر بیان کر دے تو وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللهِ سے وہ جانور نکل جاتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کیا جائے اور خون بہانے سے بھی مقصود اللہ تعالیٰ کی تعظیم و عبادت ہو۔ اور مسلمان ہرگز ایسا نہیں کرتے ہیں۔ اور جو مسلمان جہالت کی وجہ سے اس کے خلاف ہیں ان کو توبہ کرنا چاہیئے اور ان کو سمجھانا چاہیئے۔

شبہ: اہلال کا معنی رفع صوت کے ہے یعنی آواز بلند کرنا اور یہی لغت کے موافق ہے

وقت ذبح کے ساتھ آواز کو خاص کرنا۔ تحریف ہے۔

ازالۂ شبہ: ہم یہ نہیں مانتے ہیں کہ قرآن پاک میں لغوی معنے مطلقاً ہر لفظ سے مراد ہوتے ہیں۔ ورنہ نماز صرف دعا کا نام ہو جائے کہ صلوٰۃ کا معنیٰ دعا ہے اور زکوٰۃ صرف پاکی صفائی کے معنے میں چلی جائے گی اور ایسے ہی حج صرف زیارت کعبہ پر ختم ہو جائے۔ اور جہاد مطلق جد وجہد ہو کر رہ جائے گا اور روزہ صرف تھوڑی دیر کے لیے اِمساک ہو جائے۔ گویا پورا دین بدل کر رہ جائے گا لہٰذا اہلال لغت میں رفع صوت آواز بلند کرنا۔ شہرت دینا۔ یہ معنی ایک جنس ہے اور اس کے تحت چند اقسام داخل ہیں۔ جیسے مُحرِم کا لبیک لبیک کے ساتھ آواز بلند کرنا بوقت احرام ایک قسم ہے اور ذبح کے وقت کسی نام کو بلند آواز سے بولنا اور بچہ کا پیدائش کے وقت اونچی آواز .... نکالنا اور چاند (ھلال) کو دیکھتے وقت اونچی آواز سے بولنا یہ سب اِہلال کی مطلق رفع صوت اور آواز بلند کرنا مراد نہیں ہے ورنہ پھر تو عورت کا خاوند کے نام پر نامزد و مشہور ہونا بھی حرام ہو جائے گی اور خدائے کریم کا نام اُس پر بولنا اللہ کی طرف عورت کی نسبت کرنا بجائے خود کفر ہے اور ایسے ہی مال و اولاد وغیرہ سب ہی پر غیر اللہ کا نام بولنا حرام ہو جائے گا۔ تو یہ معمّہ وہی سَر کریں گے جو قرآن کو اپنی رائے کے تابع کرتے ہیں۔ لہٰذا آیت میں اِہلال سے مراد وہ رفع صوت ہے جو بوقت ذبح ہو۔ مطلق صوت مراد نہیں ہے۔

نیز آیت میں اِہلال کا معنی یہ کرنا (آواز بلند کرنا۔ شہرت دینا) بھی ہمارے تحقیق کے مطابق نہیں ہے۔ کیونکہ یہ عقلاً و نقلاً مراد نہیں ہے۔

حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہٗ جو فصاحت و بلاغت کے امام تھے۔ انہوں نے اُہِلَّ کو کو ذبح کے معنی میں استعمال فرمایا ہے۔ جس کو امام جصاص نے اسی مقام پر اُس صفحہ پر نقل فرمایا ہے۔ وَقَدْ رَوٰی عَطَاءُ بْنُ السَّائِبِ عَنْ زَاذَانَ وَمَیْسَرَۃَ اَنَّ عَلِیًّا عَلَیْہِ السَّلَامُ قَالَ اِذَا سَمِعْتُمُ الْیَھُوْدَ وَالنَّصَارٰی یُھِلُّوْنَ بِغَیْرِ اللّٰہِ فَلَا تَاْکُلُوْا وَاِذَا لَمْ تَسْمَعُوْھُمْ فَکُلُوْا فَاِنَّ اللّٰہَ قَدْ اَحَلَّ

ذَبَائِحَهُمْ وَهُوَ يَعْلَمُ مَايَقُوْلُوْنَ انتهٰی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ جب تم یہود و نصاریٰ کو جانور ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام لیتے سنو تو نہ کھاؤ اور جب نہ سنو تو کھاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے ذبیحہ کو حلال قرار دیا ہے اور خوب جانتا ہے اس کو جو وہ کہتے ہیں۔ آپ نے یُہِلُّوْنَ کو یُذْبِحُوْنَ کے معنے میں استعمال فرمایا ہے۔ معلوم ہوا کہ اُهِلَّ ذبح کے معنے میں بھی استعمال ہوا ہے۔ اسی لیے مفسرین کرام نے اُهِلَّ کو ذبح کے ساتھ مقید بھی کرتے ہیں اور اُهِلَّ سے بوقت ذبح ھلال بھی مراد لیتے ہیں اور یہ کہ اُهِلَّ کو ذبح کے معنے میں بھی لیا ہے۔

اسی تفسیر جصاص میں ایک ضمنی سوال کا جواب دیتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ نصاریٰ بظاہر اللہ کا نام لے کر ذبح کریں گے مگر ان کی مراد تو اللہ سے عیسیٰ مسیح ہوں گے تو اس صورت میں ذبیحہ کیسے حلال ہو سکتا ہے۔ اس کا جواب امام جصاص دیتے ہیں کہ وَاِذَا اَظْهَرَ اِسْمُ اللّٰہِ فَغَیْرُ جَائِزٍ لَنَا حَمْلُهٗ عَلٰی اسْمِ الْمَسِیْحِ عِنْدَهٗ یعنی جب بظاہر اللہ کا نام لیا گیا ہو تو ہمارے لیے یہ جائز نہیں کہ ہم اس کی نیت پر شبہ کریں اور اس کو مسیح پر محمول کریں۔ اس چوٹی کے مُفسّر بلند پایہ محدث فقہ میں قاضی خان صاحب فتاویٰ کے ہم پایہ حنفی المذہب کی اس تصریح کے بعد گیارھویں شریف کے جانور کے حلال ہونے میں کیا شبہ رہ جاتا ہے۔ جب کہ اس کو مسلمان بدل و جان اللہ کے نام پر ذبح کرتا ہے۔ لہٰذا لغوی معنے کو صرف رفع صوت آواز بلند کرنے پر بند نہ کریں اسی لیے لغوی معنے کو مفسرین کرام نے اس آیت میں رفع صوت بوقت ذبح کے ساتھ عرف کی وجہ سے مراد لیا ہے۔ کیونکہ مطلقاً آواز بلند کرنا کو مراد لینا عرف کے خلاف ہے۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لغت کے امام اصمعی سے اُهِلَّ کا معنی نقل فرماتے ہیں،

قال الاصمعی الاھلال رفع الصوت فکل رافع صوته فهو مُهِلٌّ ...... "

وَهٰذَ معنی الاِهْلال فی اللغةِ ثُمَّ قیل للمُحْرِمِ مُهِلٌّ لِرَفْعِهِ الصوتَ بِالتَّلْبِيَةِ عِنْدَ الْاِحْرَامِ ...... وَ ذَابِحٌ مُهِلٌّ لِاَنَّ الْعَرَبَ كَانُوْا يُسَمُّوْنَ الْاَوْثَانَ عِنْدَ الذَّبْحِ

وَيَرْفَعُوْنَ اَصْوَاتَهُمْ بِذِكْرِهَا ۔ اصمعی نے فرمایا کہ اھلال اصل میں آواز بلند کرنے کو کہتے ہیں ۔ تو ہر آواز کرنے والا مھل کہلائے گا ۔ یہ اھلال کا لغوی معنی ہے ۔ پھر محرم کو بھی مھل کہتے ہیں ۔ کیونکہ احرام باندھتے وقت وہ بلند آواز سے تلبیہ کہتا ہے اور ذبح کرنے والے کو بھی مُھِل اس لیے کہتے ہیں کہ مشرکین عرب جانوروں کو ذبح کرتے وقت بلند آواز سے اپنے بتوں کا نام لیا کرتے تھے ۔ معلوم ہوا کہ یہاں اُھِلَّ سے مطلق رفع صوت مراد نہیں ہے بلکہ آیت میں ذبح کے وقت آواز بلند کرنا مراد ہے ۔

ابن منظور کی مشہور لغت کی کتاب لسان العرب میں بھی اس طرح ہے ۔ ملاحظہ کریں ۔

واصل الاھلال رفع الصوت وکل رافع صوته فھو مھل وکذالک قوله عزوجل وَمَا اُھِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ بِہٖ ھو ماذبح للآلھة وذالک لان الذابح کان یسمیھا عند الذبح فذالک ھو الاھلال ۔ اور اصل اھلال کا رفع صوت ہے اور جو اپنی آواز کو بلند کرتا ہے وہ مھل ہے اور ایسے ہی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمَا اُھِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ بِہٖ سے وہ جانور مراد ہے جو بتوں کے لیے ذبح کیا جائے اور وہ اس لیے کہ ذبح کرنے والا بتوں کے نام لیتے تھے ذبح کے وقت پس وہ اھلال میں ہے ۔ اس عبارت سے بھی یہی واضح ہوا کہ مطلقاً آواز بلند کرنا مراد لینا عرف کے خلاف ہے اس سے یہی مراد ہے کہ بوقت ذبح غیر اللہ کا نام لیا جائے

تفسیر کبیر امام رازی ج ۲ ص ۱۲۰ پر ہے ۔ فمعنی قوله وَمَا اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ یعنی مَاذُبِحَ لِلْاَصْنَامِ وَھُوَ قَوْلُ مُجَاھِدٍ وَالضَّحَاکِ وَقَتَادَۃَ ۔ وَمَا اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ کا معنی و ترجمہ یہ ہے جو بتوں کے واسطے ذبح کیا جائے اور یہی ترجمہ مجاہد اور ضحاک اور حضرت قتادہ نے کیا ہے ۔

علامہ ابن کثیر نے البدایہ والنھایہ ج ۹ ص ۲۴۵ پر فرمایا ہے ۔

خُذُوا التَّفْسِیْرَ عَنْ اَرْبَعَةٍ سَعِیْدِ بْنِ جُبَیْرٍ وَمُجَاھِدٍ وَعِکْرَمَةَ وَضَحَّاکٍ ۔

قرآن کی تفسیر ان چار شخصوں سے حاصل کرو حضرت سعید بن جبیر اور حضرت مجاہد اور

حضرت عکرمہ اور حضرت ضحاک سے اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دھلوی نے اپنی کتاب فوزالکبیر ص ۱۵ پر فرمایا ہے کہ حضرت ضحاک کا ترجمہ معتبر ہوتا ہے اور حضرت ضحاک نے وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کا ترجمہ یہ فرمایا ہے مَاذُبِحَ لِلْاَصْنَامِ ۔ جو جانور بتوں کے لئے ذبح کیا جائے یعنی جو جانور بتوں کے واسطے ذبح کیا جائے ۔اس معتبر شخصیت نے ذبح کی قید لگائی ہے۔

تفسیر خازن کی عبارت ملاحظہ ہو ۔اصل الاهلال رفع الصوت .... حتیٰ قیل لکل ذابح مهلٌ وان لم يجهر بالتسمية ۔اهلال اصل میں رفع صوت ہے یعنی آواز بلند کرنا ہے..... یہاں تک کہ ہر ذبح کرنے والے کو مُهِلّ کہا جانے لگا ۔اگر چہ وہ بلند آواز سے تکبیر نہ بھی کہے ۔معلوم ہوا ہر ذبح کرنے والا مہل ہوتا ہے۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اُهِلَّ کا معنی ذبح نقل فرمایا ہے ۔حضرت مجاہد نے اُهِلَّ کا معنی مَاذُبِحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ فرمایا ہے تفسیر مظہری میں بھی اس کی تائید موجود ہے

علامہ ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

قَالَ الربيع بن انس يعنى مَاذكر عند ذبحه اسم غيرالله والاهلال ...حتى قيل لِكُلِّ ذَابِحٍ مُهِلٌّ وان لم يجهر مهل ۔ ربیع بن انس نے فرمایا

یعنی جس جانور پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا جائے اور اھلال .... یہاں تک کہا گیا کہ ہر ذبح کرنے والے کو مہل کہتے ہیں ۔اگر چہ بلند آواز نہ بھی کرے مُهِلّ ہی کہلائے گا۔

تفسیر بیضاوی مطبوعہ دہلی ص ۱۲۳ میں ہے۔

وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ رُفِعَ بِهِ الصَّوْتُ عِنْدَ ذَبْحِهٖ لِلصَّنَمِ یعنی مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کا مفہوم یہ ہے کہ بلند کی گئی ہو آواز ذبح کرتے وقت جانور کو بت کے لیے بیضاوی جلد دوم ص ۵۴۱ پر ہے۔ وَمَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ اَىْ رُفِعَ الصَّوْتُ لِغَيْرِ اللّٰهِ

بِہٖ کَقَوْلِھِمْ بِاسْمِ اللَّاتِ وَالْعُزّٰی عِنْدَ ذِبْحِہٖ یعنی جانور پر غیر اللہ کا نام بلند کیا گیا ہو جیسا کہ وہ لوگ ذبح کے وقت لات اور عُزّٰی کا نام لیتے تھے۔ اس کلام سے بھی واضح ہو گیا کہ غیر اللہ کا نام ذبح کے وقت لینا۔ جانور کا خون بہانا بھی حرام اور اس کا گوشت بھی حرام ہو جاتا ہے یہ بھی معلوم ہوا اس آیت سے کہ وقت ذبح غیر اللہ کا نام لینے سے حرمت واقع ہو جاتی ہے۔ مطلقاً غیر اللہ کے نام لینے سے حرمت واقع نہیں ہوتی ہے۔

تفسیر خازن جلد ثانی ص ٦ کی عبارت ملاحظہ کریں۔

وَمَا اُھِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ بِہٖ یَعْنِیْ مَا ذُکِرَ عَلٰی ذِبْحِہٖ غَیْرُ اِسْمِ اللّٰہِ۔

وہ جانور جس کی ذبح پر غیر اللہ کا نام ذکر کیا گیا ہو۔ یعنی ذبح پر غیر اللہ کا نام ذکر کرنے سے حرمت واقع ہوگی۔

تفسیر معالم التنزیل۔ جز ثانی ص ٦ کی عبارت ملاحظہ ہو۔

وَمَا اُھِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ بِہٖ اَیْ مَا ذُکِرَ عَلٰی ذِبْحِہٖ غَیْرُ اِسْمِ اللّٰہِ۔

یعنی وہ جانور جس کی ذبح پر غیر اللہ کا نام ذکر کیا گیا ہو۔

تفسیر ابن کثیر جزء اول ص ۲۰۵ کی عبارت دیکھیں۔

وَمَا اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ وَھُوَ مَا ذُبِحَ عَلٰی غَیْرِ اِسْمِہٖ تَعَالٰی مِنَ الْاَنْصَابِ وَالْاَنْدَادِ وَالْاَزْلَامِ۔ وہ جانور جس کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام چھوڑ کر بتوں اور شریکوں کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔ اس سے بھی وہی نتیجہ ثابت ہوا کہ ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لینے سے حرمت واقع ہوتی ہے۔

ابن کثیر کی جلد ثانی ص ۸ پر یہ عبارت ہے۔

وَمَا اُھِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ بِہٖ اَیْ مَا ذُبِحَ فَذُکِرَ عَلَیْہِ اِسْمُ غَیْرِ اللّٰہِ فَھُوَ حَرَامٌ۔

یعنی وہ جانور جس کو ذبح کیا گیا ہو اس پر غیر اللہ کا نام ذکر کیا گیا ہو تو وہ حرام ہے۔ تفسیر ابن کثیر کے دوسرے مقامات پر بھی یہی کچھ لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

سب کا مقصد یہ ہے کہ اُھِلَّ سے ذبح مراد ہے اور ذبح غیر اللہ کے نام پر کرنے سے حرمت واقع ہوتی ہے۔ تفاسیر میں ابن جریر طبری کا اعلیٰ مقام سمجھا جاتا ہے۔

تفسیر ابن جریر جلد ۲ صـــ۴۸ کی یہ عبارت ہے۔

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ يَحْيٰى قَالَ اَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ قَتَادَةَ فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ قَالَ مَا ذُبِحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ مِمَّا لَمْ يُسَمَّ عَلَيْهِ - پوری سند کے ساتھ حضرت قتادہ سے روایت ہے کہ وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ سے وہ جانور مراد ہے جس کو غیر اللہ کے لیے ذبح کیا گیا ہو اس طرح کہ اس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو یعنی بسم اللہ نہ پڑھی گئی ہو۔

تفسیر جامع البیان صـــ۲۶ پر ہے۔ وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ مَا ذُكِرَ اسْمُ غَيْرِ اللّٰهِ عِنْدَ ذَبْحِهٖ وَهٰذِهِ الْاٰيَةُ رَدٌّ عَلٰى مَنْ حَرَّمُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ اَشْيَاءَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ - وہ جانور کہ جس پر وقتِ ذبح غیر اللہ کا نام ذکر کیا گیا ہو اور یہ آیت ان لوگوں کی تردید کرتی ہے۔ جنھوں نے اپنے اوپر چیزوں کو اپنے پاس سے حرام کر لیا۔

تفسیر نسفی جلد اول صـــ۶۹ کی عبارت یہ ہے۔

وَمَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ اَىْ رُفِعَ الصَّوْتُ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ وَهُوَ قَوْلُهُمْ بِاسْمِ اللَّاتِ وَالْعُزّٰى عِنْدَ ذَبْحِهٖ یعنی آواز بلند کی گئی ہو اس جانور پر غیرِ خدا کی جیسے کہ اُن مشرکوں کا کہنا ذبح کے وقت لات و عزیٰ کے نام تفسیر نسفی جلد دوم صـــ۲۹ پر بھی ہے۔

وَمَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ اَىْ رُفِعَ الصَّوْتُ عَلٰى ذَبْحِهٖ بِاسْمِ غَيْرِ اللّٰهِ وَسُمِّىَ بِالْفِسْقِ یعنی بلند کی گئی ہو آواز جانور کے ذبح پر غیر اللہ کے نام پر اور اسی کو فسق کہتے ہیں۔

تفسیر سراج المنیر مطبوعہ نولکشور صـــ۱۱۰ پارہ نمبر ۲ پر ہے۔

وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ اَىْ ذُبِحَ عَلَى اسْمِ غَيْرِهٖ یعنی وہ جانور جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔

اسی آیت کے تحت تفسیر مدارک پر ہے ۔ اَیْ ذُبِحَ لِلْاَصْنَامِ فَذُکِرَ عَلَیْہِ غَیْرُ اِسْمِ اللّٰہِ اَیْ رُفِعَ بِہِ الصَّوْتُ لِلصَّنَمِ وَذَالِکَ قَوْلُ اَھْلِ الْجَاھِلِیَّۃِ یعنی وہ جانور حرام ہے جو کہ بتوں کے لیے ذبح کیا گیا ہو تو اس پر غیر اللّٰہ کا نام لیا جائے یعنی اس پر بُت کی آواز دی جائے اور یہ جاہلیت والوں کا یہ کہنا تھا کہ بِسْمِ اللَّاتِ وَالْعُزّٰی۔

تفسیر لباب التاویل میں ہے ۔ یعنی وَمَا ذُبِحَ لِلْاَصْنَامِ وَالطَّوَاغِیْتِ وَاَصْلُ الْاِھْلَالِ رَفْعُ الصَّوْتِ وَذَالِکَ اَنَّھُمْ کَانُوْا یَرْفَعُوْنَ اَصْوَاتَھُمْ بِذِکْرِ اٰلِھَتِھِمْ اِذْ ذَبَحُوْھَا ۔ یعنی وہ جانور جس کو بتوں کے واسطے ذبح کیا گیا ہو اور اہلال اصل میں آواز بلند کرنا ہے اور اس طرح کہ وہ لوگ جانوروں کو ذبح کرتے وقت اپنے معبودوں کے ذکر کے ساتھ آواز بلند کرتے تھے ۔

علامہ ابو السعود اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں ۔

اَیْ رُفِعَ بِہِ الصَّوْتُ عِنْدَ ذَبْحِہِ لِلصَّنَمِ یعنی مَا اُھِلَّ بِہِ لِغَیْرِ اللّٰہِ یعنی وہ جانور جس پر ذبح کے وقت بت کا نام پکارا گیا ہو۔

تفسیرات احمدیہ کی عبارت ملاحظہ کریں ۔

وَمِنْ ھٰھُنَا عُلِمَ اَنَّ الْبَقَرَۃَ الْمَنْذُوْرَۃَ لِلْاَوْلِیَآءِ کَمَا ھُوَ الرَّسْمُ فِیْ زَمَانِنَا حَلَالٌ طَیِّبٌ لِاَنَّہٗ لَمْ یُذْکَرِ اسْمُ غَیْرِ اللّٰہِ وَقْتَ الذَّبْحِ وَاِنْ کَانُوْا یَنْذِرُوْنَھَا یعنی اس سے معلوم ہوا کہ جس گائے کی اولیاء اللّٰہ کے لیے نذر مانی گئی ہے جیسا کہ ہمارے زمانہ میں رسم و رواج ہے یہ حلال طیب ہے کیونکہ اس پر وقتِ ذبح غیر خدا کا نام نہیں لیا گیا اگرچہ اس گائے کی نذر مانتے ہیں ۔

تفسیر درمنثور میں علامہ جلال الدین رحمۃ اللّٰہ علیہ نے ابن عباس رضی اللّٰہ عنہ سے روایت نقل فرمائی ہے اس میں بھی بوقتِ ذبح غیر اللّٰہ کے نام لینے سے حرمت واقع ہونے کا ذکر ہے انہوں نے مَا اُھِلَّ کا معنی مَا ذُبِحَ بیان فرمایا ہے ۔ حضرت ابن عباس کے بارے نبی کریم صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی.

اَللّٰھُمَّ عَلِّمْہُ الْکِتَابَ اے اللہ انہیں قرآن کا علم عطا فرما۔ اس لئے انہیں حِبْرُ الْاُمَّۃِ ترجمانِ قرآن فرمایا گیا۔

تفسیر بیضاوی کے حاشیہ پر علامہ شہاب الدین خفاجی حنفی نے فرمایا ہے۔

اَیْ رُفِعَ بِہِ الصَّوْتُ ھٰذَا اَصْلُہٗ ثُمَّ جُعِلَ عِبَارَۃً عَمَّا ذُبِحَ لِغَیْرِ اللّٰہِ یعنی اس کو پکارا گیا ہو یہ اھلال کے لغوی معنی ہیں پھر اس اُھِلَّ سے مراد لی گئی ہے کہ وہ جانور جو غیر خدا کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔ (اسی آیت کے تحت ملاحظہ کریں)

مفردات امام راغب اصفہانی نے ص۵۶۶ پر فرمایا ہے۔

اَیْ ذُکِرَ عَلَیْہِ اسْمُ غَیْرِ اللّٰہِ وَھُوَ مَا کَانَ یُذْبَحُ لِاَجْلِ الْاَصْنَامِ یعنی ذکر کیا گیا ہو اس پر نام غیر اللہ کا یہ وہ جانور ہے جو ذبح کیا جاتا ہے بتوں کے لیے مفردات امام راغب لغت قرآن کی ترجمانی میں بڑی اہمیت کی حامل ہے۔

خلاصہ

اس سے واضح ہوا کہ اھلال کا معنی ہے "غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنا"

مطلق رفع صوت مراد نہیں ہے۔ ان تمام معتبر تفاسیر سے واضح ہو گیا کہ وَمَا اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ سے وہی جانور مراد ہے جو اللہ کا نام چھوڑ کر اس کے بجائے غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے۔ اور اس کے ذبح سے مقصود غیر اللہ کی رضا۔ تعظیم کو حاصل کرنا ہو اور خون غیر اللہ کے لیے بہایا جانا مراد ہو حالانکہ خون بہانا۔ ذبح کرنا صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہو سکتا ہے کیونکہ وہی جان کا مالک حقیقی ہے۔ بتوں کے لیے ذبح کرنا حرام ہے۔ اور انہیں جان کا مالک مانا یا تقرب بطور عبادت غیر اللہ کے لیے کرنا اور غیر اللہ کو لائق عبادت اور مستقل حاجت روا سمجھ کر ذبح کرنا یا خود مسلمان غیر اللہ کے نام پر ذبح کرتا ہو تب بھی حرام ہے۔ کیونکہ ذبح صرف اللہ کے نام پر ہو سکتا ہے اراقۃ دم خون بہانا صرف خدا ہی کے لیے خاص ہے ہاں گوشت کا ثواب اور اراقۃ الدم خون بہانے کا ثواب غیر اللہ کے لیے ایصال کرنا جائز ہے اللہ کے لیے اراقۃ الدم جو کہ اس کا خاصہ ہے یہ الگ عبادت ہے اور گوشت کو صدقہ کرنا یہ الگ کار خیر ہے دونوں کا ثواب

اولیاء کرام کے لیئے اور دوسرے مسلمانوں کی ارواح کے لیے ایصال کرنا، ہدیہ کرنا۔ جائز ہے اور سنّت ہے
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم امت کی طرف سے قربانی فرماتے تھے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بھی وصیت
فرمائی کہ تم میرے لیے قربانی دیتے رہنا۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تاحیاتِ آپ صلی اللہ علیہ وسلم
کے لیے قربانی دیتے رہے۔

ـــــ نتیجۂ تحقیق ـــــ

ان تمام حوالجات سے روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ مسلکِ اہلسنت حق ہے۔ ہمارا گیارھویں
کا کھانا یا گیارھویں شریف کے لیے جانور کو ذبح کرنا یا حضرت خواجہ سید معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ
کے لیے چھٹی شریف کا اہتمام کرنا۔ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کے نیاز کے لیے جانور
ذبح کرنا اہلبیت عظام علیہم الرضوان کے لیے سبیل لگانا یا نیاز تیار کرانا جانور ذبح کرنا ایسے
ہی دوسرے حضرت گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے لیے نیاز کا اہتمام کرنا وغیرہ تمام بزرگوں
اور مسلمانوں کی ارواح کے لیے نیاز تیار کرنے سے صرف یہی مقصد ہے کہ ان کا ثواب ان کے لیے
وقف کرنا ہے اور پہنچانا ہے۔ ہم اپنے مسلک کو اچھی طرح سمجھتے ہیں غیروں کو چاہیئے کہ وہ بھی
ہمارے مسلکِ حق کو سمجھیں۔

ایک سوال: تم معنی لغوی کو جو کہ حقیقی ہوتا ہے چھوڑ کر مجازی معنی کیوں لے رہے ہو۔ اور عبارات
مذکورہ میں معنی عرفی۔ رواجی لیا گیا ہے جو کہ معنی حقیقی کا ایک حصہ ہے۔

جواب: مجازی معانی قرآن پاک میں بکثرت مراد و مطلوب ہیں۔ اور لغوی معانی بعض مقامات پر متروک ہیں۔
مختصر معانی میں ملاحظہ کریں۔ اگر قرآن کی آیات وکلمات سے معانی مجازی کا استعمال نظر انداز کیا
گیا تو پھر دین کا بڑا نقصان ہوگا۔

اسلام میں شرعی معانی کا اعتبار ہوتا ہے۔

نیز اصول فقہ میں ہے کہ حقیقت تین قسم کی ہوتی ہے
حقیقتِ لُغویہ۔ حقیقت شرعیہ۔ حقیقت عُرفیہ اور اصول کا قاعدہ ہے جب حقیقت لغویہ
اور حقیقت عرفیہ کا مقابلہ ہوگا تو حقیقت عرفیہ کو لیا جائے گا اور اس وقت حقیقت عرفیہ کو ترجیح ہوگی

لہٰذا حقیقتِ عرفیہ ہی کو تمام مفسرین نے مراد لیا ہے۔ اس اعتبار سے ترجمہ یہ ہی درست ہے (وہ جانور جس پر بوقتِ ذبح غیر کا نام لیا گیا ہو تو اس کا گوشت حرام ہو گا۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ اُھِلَّ کو عرفی معنی میں لینا درست ہے کیونکہ حقیقتِ لغویہ کا بعض ہوتا ہے تو یہ حقیقتِ قاصرہ ہے۔ پھر بھی مجاز محض نہ ہوا۔ گویا کہ معنی عرفی خاص ہوتا ہے اور معنیٰ لغوی عام ہوتا ہے اور ہر خاص کے ضمن میں عام موجود ہوتا ہے اور عام کا خاص پر اطلاق ہوتا رہتا ہے۔ لہٰذا یہاں اُھِلَّ کا ذبح پر اطلاق ہوا ہے۔

نیز یہاں خاص معنی مرادی پر دلائل موجود ہیں اور معنی عام مراد لینا بغیر دلیل ہے۔

نیز معنی لغوی یہ ہے کہ مطلقاً کسی جانور پر غیر خدا کا نام لینے سے وہ حرام ہو جائے گا۔ اور یہ عقلاً نقلاً باطل ہے جیسا کہ تفصیلاً گذر چکا ہے۔ اور قرآن پاک کی اس آیت کے بھی خلاف ہے
مَاجَعَلَ اللّٰہُ مِنْ بَحِیْرَۃٍ وَّلَا سَائِبَۃٍ وَّلَا وَصِیْلَۃٍ وَّلَا حَامٍ وَّلٰکِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ وَاَکْثَرُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ (المائدہ آیت ۱۰۳)

نہیں مقرر کیا اللہ تعالیٰ نے بحیرہ اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حام لیکن جنھوں نے کفر کیا وہ تہمت لگاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پر جھوٹی اور اکثر ان میں سے کچھ سمجھتے ہی نہیں ہیں۔

اس آیت میں چار جانوروں کا ذکر آیا ہے۔ اور یہ وہ چار تھے جن کا دودھ اور گوشت کفار نے اپنی ذاتی مداخلت کی وجہ سے حرام کر دیا تھا ایسے ہی ان پر سوار ہونا اور بوجھ لادنا بھی حرام کر دیا تھا یہ ان کی ذاتی رائے تھی۔ ان کا خیال باطل تھا کہ اس طرح کرنے سے ان کے باطل معبود خوش ہو جائیں گے۔ جھوٹ بہتان۔ من گھڑت تجاویز تھیں اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کہ اللہ نے ان جانوروں کو حرام نہیں ٹھہرایا ہے۔ اللہ کی طرف ان کی حرمت کی نسبت کرنا باطل ہے۔ نہ ان مقاصد کے لیے یہ جانور اللہ تعالیٰ نے مقرر کئے ہیں۔ ۱؎ یاد رہے بحیرہ یہ وہ اُونٹنی ہے جو پانچ بچے جنتی تھی اور آخری بچہ اس کا نر ہوتا تو مشرکین اس کے کان چیر کر لیا کرتے اور یہ نشان لگا کر اُسے کھلا چھوڑ دیتے تھے۔ اس پر سواری کو حرام کر دیا کرتے اور اس کا گوشت سب کچھ اپنے اوپر حرام سمجھتے

تھے۔ ۲ سائبہ۔ اس کی یہ صورت ہوتی تھی اگر کوئی مشرک سفر پر جا کر بیمار ہو جاتا تو وہ یہ نذر مانتا کہ اگر وہ بخیریت اپنے گھر پہنچ جائے اور بیماری سے صحت پائے تو اس کی اونٹنی سائبہ ہو گی یعنی اس کا گوشت اور دودھ اور ایسے ہی اس پر سوار ہونا اپنے اُوپر حرام قرار دیتے تھے۔

۳ وصیلہ وہ بکری تھی۔ اگر وہ بچی جنتی تو اُس کو اپنے پاس رکھ لیتے اور اگر بچہ اور بچی جنتی تو پھر دونوں کو بتوں کے لیے نذر کر دیتے تھے۔ اب یہ بچی جو بچہ کے ساتھ جنی گئی تھی تو اس بچی کا نام وہ وصیلہ رکھتے تھے گویا بچی اپنے بھائی تک پہنچ گئی ہے۔

۴ حام۔ وہ اُونٹ جس کی جفتی سے دس بچے پیدا ہوتے تو ایسے اُونٹ کی سواری اور گوشت وغیرہ اپنے اُوپر حرام کر دیتے تھے۔ اور اس کا نام حام ہوتا۔ از بیضاوی شریف مقصد یہ کہ یہ تمام جانور بتوں کے لیے نذر کیے جاتے تھے اور ان سے فائدہ حاصل کرنا یا ان کا گوشت کھانا اپنے اوپر مشرکین حرام کرتے رہے۔ یہ ہے اصلی صورتِ حال۔ اللہ تعالےٰ نے ان کا رد فرمایا کہ ———— ان کے فائدے ان کے گوشت سب حلال ہیں۔ اللہ نے ان کو حرام نہیں ٹھہرایا ہے۔ بلکہ مشرکین نے اللہ پر جھوٹ وافترا گھڑا ہے معلوم ہوا کہ جب مشرکین کے وہ جانور جو بتوں کے لیے نذر کیے جاتے وہ حرام نہیں ہیں تو اولیا کرام وغیرہ کیلئے ایصال ثواب کی غرض سے کسی جانور کو متعین کرنا کیونکر حرام ہو سکتا ہے جب کہ اراقۃِ دم اللہ کے لیے ہو اور اس کا ثواب بزرگوں کے لیے ہو۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ رفع صوت یا جانوروں یا مال کے کسی حصّہ کو نامزد کرنا متعین کرنا جائز ہے۔ جب کہ اس سے مقصد مصرف کا تعین ہو یا ایصالِ ثواب ہو۔ اور ذبح صرف اللہ کے لیے ہو۔ ثواب بزرگوں کو ایصال کیا جائے تو اس کے حلال ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔

نذر عرفی کی مزید مثالیں

ایک صحابیہ نے یہ نذر مانی کہ اگر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خیریت سے واپس آئے تو میں آپ کے سامنے دف بجاؤں گی۔ اِنِّی نَذَرْتُ اَنْ اَضْرِبَ عَلٰی رَاسِکَ بِالدَّفِ

قَالَ اَوْفِیْ بِنَذْرِکَ - یعنی میں نے نذر مانی ہے کہ آپ کے سامنے دف بجاؤں، فرمایا اپنی نذر پوری کر لو۔ مشکوٰۃ شریف باب النذر جَاءَتْ جَارِیَۃٌ سَوْدَاءُ فَقَالَتْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ کُنْتُ نَذَرْتُ اِنْ رَدَّکَ اللّٰہُ صَالِحًا اَنْ اَضْرِبَ بَیْنَ یَدَیْکَ بِالدَّفِ وَاتَغَنِّیْ فَقَالَ لَہَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنْ کُنْتِ نَذَرْتِ فَاضْرِبِیْ وَاِلَّا فَلَا - ایک لونڈی حبشیہ حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ یارسول اللہ میں نے نذمانی تھی کہ اگر آپ خیریت سے واپس تشریف لائیں تو میں آپ کے سامنے دف بجاؤں گی اور گاؤں گی، آپ نے فرمایا اگر نذر مانی ہو تو پوری کر دو - ورنہ نہیں۔

معلوم ہوا کہ نذر کے کلمہ کے ساتھ منت ماننا جائز ہے اور نذر سے نذر عرفی مراد ہوگی۔ جو ہدیہ نیاز کے معنے میں ہے ۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر عبادت والا کام نہ ہو صرف عقیدت و محبت کے اظہار کے لیے نذرانہ پیش کیا جائے تو بھی جائز ہے ۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو کتاب لمعات کا ترجمہ :
اسی وجہ سے ہے مشائخ کے عرس پوری توجہ کے ساتھ منعقد کرنے اور اولیاً اللہ کے مزارات کی زیارت ہمیشہ پابندی کے ساتھ کرنا اور ان کی فاتحہ پوری پابندی کے ساتھ دلانا اور ان کے واسطے صدقہ وخیرات دینا۔ معلوم ہوا کہ اھل تحقیق عرس و نیاز - فاتحہ دلانا - ایصال ثواب کو پابندی کے ساتھ کرتے رہے۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلی، تحفہ اثنا عشریہ میں فرماتے ہیں۔ کہ حضرت امیر و ذریّہ طاہرہ او تمام امت بر مثال پیراں و مرشداں مے دانند وایشاں امور تکوینیہ را وابستہ بایشاں مے داشتند وفاتحہ درود و صدقات و نذر بنام ایشاں رائج و معمول گردید چنانچہ با جمیع اولیاً اللہ ہمیں معاملہ است - یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ان کی اولادِ پاک کو تمام امت پیروں اور مرشدوں کی طرح سمجھتے ہیں اور تکوینی کاموں کو انکے متعلق جانتے ہیں اور فاتحہ اور درود خیرات اور ان کے نام کی نذر مروّج اور معمول ہو گئی ہے اور اسی طرح تمام اولیاء اللہ کے ساتھ یہی معاملہ ہے۔ اس عبارت میں بہت سے اختلافی مسائل کا حل موجود ہے

اولیاءَ اللہ کا نذر ماننا امت کا معمول رہا ہے۔ امورِ تکوینی۔ بیمار کو اچھا کرنا غریب کو امیر کرنا حاجت کو پورا کرنا وغیرہ یہ سب کام اہلبیت عظام کے لیے باذن اللہ متعلق ہیں۔ اور تمام اولیاء کرام کے ساتھ یہی معاملہ ہے۔ حضرت عبدالعزیز محدث دہلی کا فتاویٰ عزیزی جلد اول مجتبائی ص۱۲۱ پر فارسی عبارت کا اردو ترجمہ ملاحظہ کریں جس سے شاہ صاحب کا معمول اور ان کا مسلک واضح ہو جاتا ہے۔

اور اولیاءَ اللہ کی نذر جو حاجتیں پوری ہونے کے لیے معمول اور مُروج ہے اکثر فقہاء نے اس کا کھوج نہیں لگایا ہے اور اس کو خدا کی نذر پر قیاس کر کے اس کی دو صورتیں بنائی ہیں۔ اگر نذر مستقل طور پر اس ولی اللہ کے لیے ہے تو باطل ہے۔ اور اگر واسطے خدا کے ہے ——— اور ولی کا ذکر مصرف کے واسطے ہے تو صحیح ہے۔ لیکن حقیقت اس نذر کی (جو اولیاء کے واسطے مانی جاتی ہے) یہ ہے کہ کھانے کی قسم کی چیزوں کے ثواب کا اہل مزار کی روح کو ھدیہ کرنا اور مال خرچ کرنا۔ سنّت ہے اور صحیح حدیثوں سے ثابت ہے جیسے کہ بخاری شریف اور مسلم شریف میں حضرت سعد کی ماں کا حال وارد ہے۔ اس نذر میں لازم آتا ہے۔ پس حاصل اس (اولیاءَ اللہ) کی نذر کا یہ ہے کہ وہ نسبت مثلاً اس مقدار کے ثواب کا فلاں (ولی) کی روح کو ہدیہ کرنا اور ولی کا ذکر اس عملِ مُنذِر کے تعین کے واسطے ہے مصرف کے واسطے نہیں اور مصرف اس نذر کا ان نذر ماننے والوں کے نزدیک اس ولی کے متوسلین ہوتے ہیں۔ ان کے قرابت داروں اور خادموں اور ہم طریقت بھائیوں وغیرہ سے اور یہی مقصود ہے نذر کرنے والوں کا یقیناً اور ایسی نذر کا حکم یہ ہے کہ یہ نذر صحیح ہے اور ایسی نذر و منت کا پورا کرنا واجب ہے۔ اس لیے کہ یہ نذرِ اولیاءَ باعث ثواب اور شرع شریف میں معتبر ہے۔ ہاں اگر اس ولی کو بغیر خدا کے حکم کے مستقل طور پر حلّالِ مشکلات یا شفیع غالب خیال کریں تو یہ عقیدہ اس کا شرک اور خرابی کی طرف پہنچے گا لیکن اس قسم کا عقیدہ اور چیز ہے اور نذر اور چیز ہے۔ شاہ صاحب مرحوم کی عبارت فیصلہ کن ہے۔ مزید وضاحت کی ضرورت نہیں ہے اور یہی شاہ صاحب کا مسلک ہے کیونکہ فتوای تحقیق و مسلک و پسندیدگی پر مبنی ہوتا ہے۔ اور اس کا مظہر ہوتا ہے۔ اظہارِ حق کی غرض سے دیا جاتا ہے۔

رہا یہ کہ شاہ صاحب کی تفسیر عزیزی میں اہلال کے معنی کی لغوی تشریح تو وہ شاہ صاحب کی لغزش پر مبنی ہوگا اور یہ کوئی بعید نہیں ہے یا پھر سابقہ مسلک پر اس کی بنائ ہے۔

فتاویٰ میں شاہ صاحب نے اس کی اصلاح کر دی اور اُس سے رجوع عملاً کر دیا۔ اور آخری مسلک کو بطور فتویٰ قرار دیا۔ اگرچہ شاہ صاحب کی تفسیر عزیزی کی عبارت میں انتشار پایا جاتا ہے اثبات و نفی کی دونوں پہلو اس میں موجود ہیں اور اس کی توجیہہ بھی بعض علماء نے کی ہے۔ لیکن واضح طور پر ان کا مسلک وہی ہے جو ان کے فتاویٰ عزیزی کی عبارتوں میں موجود ہے۔

تفسیر عزیزی میں بھی شاہ صاحب نے ان لوگوں کا رد فرمایا ہے جو واقعی بدعقیدہ قسم کے لوگ تھے۔ آپ نے چار فرقے مشرکین کے ذکر فرمائے جو جلد اوّل ص۱۵۸ پر واقعہ ہے۔ ان میں چوتھا فرقہ پیر پرستوں کا بتایا ہے۔ جس کا ترجمہ حاضر ہے۔ گروہ چہارم پیر پرست کہتے ہیں۔ کہ جب کوئی مرد بزرگ بسبب کمال ریاضت، مجاہدہ کے اللہ تعالیٰ کے نزدیک مستجاب الدعوات اور مقبول الشفاعت ہو کر اس جہاں سے گذر گیا تو اس کی روح کو بڑی قوت و وسعت حاصل ہو جاتی ہے۔ جو شخص بھی اس کی صورت کو برزخ بناتے یا اس کے بیٹھنے اٹھنے کی جگہ پر یا اس کی قبر پر سجدہ عبادت و تذلیلِ تام کرے تو اس بزرگ کی روح وسعت و اطلاق کے سبب (خود بخود) اس پر مطلع ہو جاتی ہے اور دنیا و آخرت میں اس کے حق میں شفاعت کرتی ہے۔ شاہ صاحب کی اس عبارت میں عبادت و تذلیل تام کا ذکر آیا ہے۔ تو جو شخص ایسا کرتا ہے ہم بھی اُسے مشرک جانیں گے۔ کیونکہ یہ گروہ مشرکانہ عقیدہ رکھتا ہے اور شرک کی وجہ یہ ہے کہ وہ تذلل تام جو کہ عبادت کا مفہوم ہے اسکا عقیدہ رکھتا ہے اور یہ عقیدہ مشرکانہ ہے اور مشرک نذر بمعنی عبادت اپنے معبودوں کے لیے مانتے تھے اور عبادت کی تعریف یہ ہے۔ اَلْعِبَادَۃُ عِبَادَۃٌ عَنِ الْخُضُوْعِ وَالتَّذَلُّل۔ خضوع اور تذلل تام کو عبادت کہتے ہیں۔ یہ مشرکانہ نذر و عبادت اور سجدے اور غیر اللہ کو قابل عبادت و نذر شرعی اور مستقل ماننا واقعی شرک ہے ورنہ حضرت شاہ عبدالعزیز اور شاہ رفیع الدین اور ان کے والد حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے والد حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبانِ علم و ریاضت رحمۃ اللہ علیہم کے معمولات سے ہے

نذر و نیاز۔ عرس وغیرہ کا انعقاد اور میلاد نبوی کے محافل کا انعقاد ان کے معمولات تھے۔ فتاویٰ عزیزی انفاس العارفین، انفاس رحیمیہ، انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ میں یہ تمام چیزیں تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔ شاہ صاحب نے چونکہ کسی خاص پیر پرست گروہ کو مشاہدہ فرمایا تھا وہ ان کے رد میں وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کے مفہوم کو ان پر صادق فرما گئے یہ ٹھیک بھی تھا۔ کہ وجہ شرک پر فتویٰ شرک لگانا چاہیئے۔ لیکن شاہ صاحب جس نذر کا اولیاء اللہ کو ممنوع قرار دیتے ہیں یہ وہی ہے جس کے بارے میں دوسرے فقہائے نے بھی تشریح کی ہے۔ ایک یہ دلیل شاہ صاحب نے دی ہے، مَلْعُوْنٌ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ (ملعون ہے جس نے غیر اللہ کے لیے ذبح کیا) اس میں صراحتًہ لفظ ذبح کا ذکر ہے ظاہر ہے کہ غیر اللہ کے لیے ذبح نہیں کیا جاسکتا ہے ذبح اراقتہ دم۔ خون بہانا صرف اللہ کا حق ہے دوسری دلیل ذکر فرمائی ہے کہ (وجان این جانور ازاں غیر قرار دادہ کشتہ اند) اور اس جانور کی جان اس غیر اللہ کی مملوک قرار دے کر اُسے ذبح کیا ہے) اس عبارت میں ہے "کشتہ اند" جس کا مطلب ہے کہ غیر اللہ کے لیے ذبح کرنا ہے اور یہ ممنوع شرعی ہے تیسری دلیل حضرت شاہ صاحب کی یہ ہے۔ قَالَ اَوْ اَجْمَعَ الْعُلَمَآءُ لَوْ اَنَّ مُسْلِمًا ذَبَحَ ذَبِيْحَةً وَقَصَدَ بِذَبْحِهَا اِلٰى غَيْرِ اللّٰهِ صَارَ مُرْتَدًّا وَذَبِيْحَتُهٗ ذَبِيْحَةُ مُرْتَدٍّ۔ تفسیر نیشاپوری

علمائے نے اس بات پر اتفاق کر لیا ہے کہ اگر کوئی مسلمان جانور ذبح کرے اور اس کے ذبح سے یہ قصد کیا ہو کہ یہ ذبح غیر اللہ کے لیے ہے تو وہ شخص مرتد ہو جائے گا اور اس کا ذبیحہ مرتد کا ذبیحہ ہوگا۔ حضرت شاہ صاحب نے اس دلیل سے صاف واضح کر دیا کہ غیر اللہ کے تقرب کے لیے ذبح کرنا شرک وارتداد ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ غیر اللہ جان کا مالک نہیں ہے لہٰذا ذبح غیر اللہ کے تقرب کے لیے نہ ہو۔ گو کہ شاہ صاحب نے آواز دادہ شد کے ساتھ ترجمہ کیا ہے مگر ان کی بھی مراد یہی ہے کہ وہ بلند آواز جو وقتِ ذبح جانور پر واقع ہو۔ اسی لیے انہوں نے وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کا ترجمہ ذبح بقصد غیر اللہ کیا ہے۔ لہٰذا شاہ صاحب کی تفسیری عبارتوں میں ان کے فتاویٰ عزیزی کے مسلک کی تائید پائی جاتی ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دھلوی نے اپنی کتاب

مَاثَبَتَ بِالسُّنَّۃِ میں لکھتے ہیں کہ ہمارے ملک میں یہ گیارھویں شریف کا دن مشہور ہے حضرت شیخ کی اصل عبارت یہ ہے۔ قَدِ اشْتَهَرَ فِيْ دِيَارِنَا هٰذَا الْيَوْمُ الْحَادِيْ عَشَرَ وَهُوَ الْمُتَعَارَفُ عِنْدَ مَشَائِخِنَا (مَاثَبَتَ بِالسُّنَّۃِ ص۔)

بے شک ہمارے شہروں میں گیارھویں شریف مشہور ہے ہمارے مشائخ کے نزدیک متعارف آرہا ہے۔ اس میں شک نہیں حضرت سید الاولیاء شیخ عبدالقادر جیلانی البغدادی محبوب سبحانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گیارھویں شریف بطور ایصال ثواب اور نیاز و ہدیہ کے زمانہ دراز سے دنیا بھر کے مشائخ کرام اور علمائے حق دیتے آرہے ہیں اور تمام طریقت کے مشائخ بغیر کسی امتیاز کے گیارھویں شریف کی نیاز دے کر روحانی و مادی فیوضات سے مستفیض ہو رہے ہیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ ہم وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ میں لفظ مَا جو کہ عموم کے لیے ہوتا ہے۔

ہم اس سے وہ جانور مراد لیتے ہیں جو غیر اللہ کی تعظیم کے لیے اس کی جان نکالی جائے۔ یا غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے بھی اپنی تفسیر میں لکھا ہے۔

(و دیگر آں جانور کہ آواز برآوردہ شد و شہرت دادہ شد در حق آں جانور کہ لغیر اللہ یعنی برائے غیر خدائے است) اور (دوسرا وہ جانور کہ آواز بلند کیا گیا ہو اور شہرت دی گئی ہو اس جانور کے حق میں جو غیر اللہ کے لیے یعنی غیر خدا کے لیے ہے۔ اس عبارت سے ظاہر ہے کہ اس سے مذکور جانور مراد ہے۔ دراصل قاعدہ یہ ہے کہ موصوف کلمہ میں صفت کا اعتبار ہوتا ہے اور موصولہ میں غیر موصولہ کلمہ میں صلہ کا اعتبار ہوتا ہے۔ صرف موصوف بغیر صفت کے اور موصول بغیر صلہ کے اعتبار نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس طرح عبارتوں کا مقصد فوت ہو جاتا ہے تو موصوفہ میں غیر موصوفہ شامل نہ ہوگا اور غیر موصولہ افراد شامل نہیں ہوں گے۔ مثلاً فقہی عبارت میں سمجھیں ایک شخص نے کہا كُلُّ امْرَاَةٍ اَتَزَوَّجُهَا فَهِيَ طَالِقٌ ہر وہ عورت کہ جس کے ساتھ میں شادی کروں گا وہ طلاق ہے۔ اس سے متکلم کی منکوحہ عورت مراد ہوگی۔ غیر منکوحہ شامل نہ ہوگی۔

ایسے ہی اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کے ساتھ مَا کو ملحوظ رکھ کر عام کیا جائے گا۔ چاہے اہلال کو مطلق رفع صوت کے معنے میں لیا جائے یا رفع صوت بوقتِ ذبح مراد لیا جائے۔ ما کا لفظ اسی طرح عام رہا

لیکن دو معنوں میں دلائل کے اعتبار سے دوسرا معنی رفع صوت بوقتِ ذبح مراد ہے۔ کافروں کے ہاں تقرب الی الغیر مقصود ہوتا ہے۔ اور مسلمانوں کے ہاں تقرب الی اللہ مقصود ہوتا ہے اور اس کا ایصال ثواب بزرگوں کے لیے ہوتا ہے۔ مسلمانوں کا عقیدہ یہی ہوتا ہے کہ اراقۃ دم خون بہانا اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتا ہے اور اس کے گوشت کھلانے کا ثواب پہنچانا مقصود ہوتا ہے اسی لیے اگر کوئی بھی مذبوح کا گوشت نہ کھائے تو مسلمان اپنے آپ کو اس نذر سے بری الذمہ نہیں سمجھتا ہے۔ کیونکہ اس کا مقصود گوشت کھلا کر اس کا ثواب پہنچانا ہوتا ہے۔ اور جس جانور کو نذر کیا گیا ہے اس کے بدلہ گوشت خرید کر تقسیم کو کافی سمجھتا ہے لیکن جس وقت زندہ جانور کو نذر کر چکا تو اب اللہ تعالیٰ کے لیے اس کا ذبح کرنا بھی ثواب ہے شرعی ذبح کے بعد اس کا گوشت کھلانا الگ ثواب ہے تو جانور کو ذبح کر کے پھر اس کا گوشت تقسیم کر دینا۔ دوہرا ثواب ہوتا ہے۔ جو صرف گوشت خرید کر تقسیم کرنے سے دوسرا ثواب نہیں پایا جاتا ہے۔

نیز اھل کو ذبح کے معنے میں فقہ اور عرف کے خلاف بھی نہیں ہے جیسا کہ اس کا ذکر ہو چکا ہے۔ شہاب نے حاشیہ بیضاوی میں فرمایا کہ وَمَا اُهِلَّ بِهٖ ای رفع به الصوت هذا اصله ثم جعل عبارۃ عما ذبح لغیر اللہ۔ رفع صوت یہ لغوی معنےٰ ہے پھر بعد میں یہی الفاظ ذبح لغیر اللہ سے تعبیر کیے گئے ہیں اسی طرح معلوم ہوا کہ اہلال کا لغوی معنی مراد نہیں بلکہ وضع عرفی کے ساتھ ذبح اور احرام کے معنے میں بھی استعمال ہوا ہے۔ اور اصول کا قاعدہ ہے جب دلیل و قرینہ پائے جائیں تو وہاں حقیقی لغوی معنے کو ترک کر کے عادت، عرف کے استعمال والا معنی مراد لیا جائے گا اب بہ نقل شرعی یا نقلِ عرفِ عام یا نقل عرف خاص مراد ہو گا اصل معنی مراد نہ ہو گا قرائن و دلائل خود ترجیح و مراد کو متعین کریں گے۔ اور یہ اصولِ فقہ۔ علم بلاغت اور علمِ نحو کے اندر موجود ہے معنے حقیقی لغوی اگر متروک ہو چکے ہوں تو وہاں عرفی۔ مجازی معنیٰ ضرور ہی مراد ہو گا اور ایسے ہی اگر معنی حقیقی متعذر ہو چکے ہوں تو وہاں معنی عرفی و مجازی کو بالاتفاق مراد لیا جائے گا۔ اور ہم نے بتا دیا کہ اُھِلَّ کا مطلق رفع صوت جو کہ اصلی و لغوی معنیٰ ہے یہ عقلاً د

شرعاً مراد نہیں لیا جاسکتا ہے۔اب اس پر قرینہ یا دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں آیا ہے كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللهُ ۔کھاؤ اس میں سے جو رزق تم کو اللہ نے دیا ہے۔

كُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ اس میں سے کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ایسے دوسرے دلائل بتا رہے ہیں کہ مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللهِ سے مراد یہ ہے کہ جس جانور کو غیر اللہ کے ــــــــــــــ نام پر ذبح کیا جائے۔یا اُس کو غیر اللہ کی تعظیم و تقرب کے لیے مقرر کیا جائے اور یہی اُس سے مقصود و مطلوب ہو اسی لیے سلف صالحین اور متقدمین مفسرین جمہور نے اہلال کی تفسیر ذبح یا رفع الصوت مقید بقید عند الذبح سے کی ہے۔اور اس کو مراد لیا ہے تمام عبارات مفسرین کرام کی جو ذکر ہو گئی ہیں سب نے جمہوری طور پر اہلال کو ذبح کے وقت غیر اللہ کے نام کو ذکر کرنا مراد لیا ہے اور اس پر حمل کرنا اہل عرب کا عرف قرار دیا ہے گو کہ اہلال کا لغوی معنیٰ رفع صوت ہے لیکن عرف والوں نے اصل معنی سے اہلال کو نقل کر کے ذبح کے معنے میں استعمال کیا ہے۔بعض نے اہلال کو ذبح کے معنی عرفی پر حمل کیا ہے اور بعض نے اہلال کو ذبح کے معنے میں لیا ہے۔فرق یہ ہے کہ لغوی معنی مطلق رفع صوت کو رفع صوت عند ذبحہ سے اعم مطلق ٹھہرایا ہے کیونکہ رفع صوت چاند دیکھتے وقت اور احرام کے تلبیہ کے ساتھ بھی ہوتا ہے اور جنہوں نے اہلال کا معنی ذبح کے ساتھ کیا ہے۔ان کے نزدیک معنی لغوی اور معنی عرفی میں عام و خاص من وجہ کی نسبت ہے یعنی لغوی معنے تحقیق کے اعتبار سے عرفی معنیٰ سے اعم من وجہ ہے' ذبح کے وقت بھی رفع صوت ہوتا ہے۔اور ذبح ہو اور رفع صوت نہ ہو جیسے آہستہ بسم اللہ پڑھی جائے اور مفسرین کرام نے جہاں رفع صوت عند ذبحہ عرفی معنی کو ذکر کیا ہے تو اصل میں یہ عرفی معنی جو کہ منقول الیہ ہے اس کا اصل منقول عنہ جو کہ لغوی معنے ہے کو بتانے کے لیے ذکر کیا ہے تاکہ اصل اور عرفی دونوں معنوں کو ظاہر کیا جائے لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ آیت میں صرف اصلی لغوی معنی ہی مراد لینا چاہیئے۔حالانکہ یہ غلط تصور ہے۔مزید یہ بھی یاد رہے کہ ہم ــــــــــــــ نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللهِ اپنے مفہوم میں مطلق ہے کہ جہاں کہیں رفع صوت

لغیر اللہ کسی چیز پر ہو تو وہ حرام ہو جائے۔
کیونکہ جن جانوروں کو مشرکین نے بتوں کے نام پر مشہور کر دیا تھا نیت بھی ان کی تقرب کی تھی اس کے باوجود وہ حرام نہیں تھے اب اس دلیل سے ما اھل کا اطلاق باقی نہ رہا ورنہ تعارض آیات میں آجائے گا۔ گویا اطلاق اس دلیل سے منسوخ ہو چکا ہے۔ جس طرح وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ میں مطلقاً دو مردوں کو گواہ بنانے کا ذکر ہے۔ یہ مطلق کلام ہے۔ لیکن وَاَشْهِدُوا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ میں دو عدل والے مردوں کو گواہ بنانے کا ذکر ہے۔ یہ مقید کلام ہے۔ اب مقید کلام نے مطلق کلام کے اطلاق کو منسوخ کر دیا ہے۔ ایسے ہی ما اھل بہ لغیر اللہ کے اطلاق کو بھی بحائر، سوائب وغیرہ جانوروں کی شہرت کے باوجود حرام نہ ہونے نے منسوخ کر دیا ہے۔ اور بہ میں بار فی کے معنے میں اور مضاف محذوف ہے وَمَا اُهِلَّ فِیْ ذَبْحِهٖ مراد ہے یعنی وہ جانور کہ جس کی ذبح میں غیر اللہ کی آواز بلند کی جائے وہ حرام ہے۔ تفسیر جمل نے یہی معنیٰ ذبح کا کیا ہے یا عند الذبح کی قید نص میں داخل ہے خارج نہیں ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو صرف غیر اللہ کی تعظیم کے لیے ذبح کیا گیا ہو جیسے بڑے آدمی کی آمد پر صرف تعظیم کی نیت سے ذبح کیا گیا ہو تو یہ جانور حرام قرار دیا جائے گا۔ کیونکہ جان کو نکالنا خدا کے لیے خاص نہ رہا اور دوسرا وہ جانور جو غیر اللہ کے نام کے ساتھ ذبح کیا جائے وہ بھی ما اھل بہ لغیر اللہ میں شامل ہے اور در مختار کی عبارت کا یہی مقصد ہے اور مسلمان صرف اللہ کی تعظیم کے لیے ذبح کرتا ہے اور نام بھی اللہ کا ذکر کرتا ہے اور گوشت کھلانے سے ایصال ثواب مقصود ہوتا ہے۔ جب غیر اللہ کی تعظیم کی صراحت پائی جائے یا قرینہ قطعیہ پایا جائے جو یقین کے مفید ہو تو ایسے جانور کا گوشت حرام ہو گا اور اگر گوشت کھلا کر ثواب حاصل کرنا مقصود نہ ہو تعظیم غیر خدا کا قصد دل میں ہو لیکن صراحتہً ہمیں کوئی قطعیہ قرینہ یا دلیل نہ ملے تو ایسی حالت میں ہم جانور کو حرام نہیں قرار دے سکتے ہیں۔ اس لیے کہ قلبی قصدِ تعظیم پر ہمیں کوئی اطلاع نہیں ہوتی ہے اور محض گمان اور شک کی بنا پر مسلمان کو مرتد کہہ دینا اور حلال جانور کو حرام

کا حکم لگا دینا باطل ہے۔ لہٰذا ذبح کے وقت صرف اللہ تعالیٰ کا نام ذکر ہو اور غیر اللہ کی تعظیم و تقرب کا قصد بھی نہ ہو۔ تو جانور حلال ہوگا اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے تفسیر میں حرمت کی مدار غیر خدا کے لیے تشہیر اور آواز بلند کرنے پر کی تھی اور یہاں (فتاویٰ عزیزی میں) حرمت کی مدار تقرب الی الغیر کے قصد پر۔ اس رجوع اور تغیر کا منشا رجناب کا تقویٰ اور دیانت ہی ہو سکتے ہیں۔ از اعلاء کلمۃ اللہ فی بیان و ما اھل بہ لغیر اللہ ص۴۴ بتغیر۔

حدیث شریف میں آیا ہے لَعَنَ اللّٰہُ مَنْ ذَبَحَ لِغَیْرِ اللّٰہِ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اس پر جو غیر اللہ کے لیے جانور کو ذبح کرتا ہے۔ اس حدیث میں غیر اللہ کے تقرب و تعظیم کے قصد سے جانور کا ذبح کرنے کا بیان ہے اور اس سے مقصد یہ ہو کہ خون کا بہانا تو اللہ تعالیٰ کے لیے نہ ہو بلکہ غیر خدا کے لیے ہو تو ایسا ذبح کرنا یقیناً حرام ہوگا اور باعث لعنت ہوگا

اس حدیث کی شرح امام نووی نے یہ فرمائی ہے۔ وَاَمَّا الذَّبْحُ لِغَیْرِ اللّٰہِ فَالْمُرَادُ بِہٖ اَنْ یَّذْبَحَ بِاسْمِ غَیْرِ اللّٰہِ تعالیٰ لِمَنْ ذَبَحَ لِلصَّنَمِ اَوِ الصَّلِیْبِ اَوْ لِمُوْسٰی وَالْعِیْسٰی صلی اللہ علیہما اَوِ الْکَعْبَۃِ اَوْ نَحْوِ ذَالِکَ فَکُلُّ ھٰذَا حَرَامٌ وَلَا تَحِلُّ ھٰذِہِ الذَّبِیْحَۃُ سَوَاءٌ کَانَ الذَّابِحُ مُسْلِمًا اَوْ نَصْرَانِیًّا اَوْ یَھُوْدِیًّا۔ نَصَّ عَلَیْہِ الشَّافِعِیُّ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاتَّفَقَ عَلَیْہِ اَصْحَابُنَا اِنْ قَصَدَ مَعَ ذَالِکَ تَعْظِیْمَ الْمَذْبُوْحِ لَہٗ لِغَیْرِ اللّٰہِ تَعَالٰی وَالْعِبَادَۃِ لَہٗ کَانَ ذَالِکَ کُفْرًا فَاِنْ کَانَ الذَّابِحُ مُسْلِمًا قَبْلَ ذَالِکَ صَارَ بِالذَّبْحِ مُرْتَدًّا وَذَکَرَ الشَّیْخُ اِبْرَاھِیْمُ الْمَرْوَزِیُّ مِنْ اَصْحَابِنَا، اِنَّمَا یُذْبَحُ عِنْدَ اسْتِقْبَالِ السُّلْطَانِ تَقَرُّبًا اِلَیْہِ اَفْتٰی اَھْلُ الْبُخَارَا بِتَحْرِیْمِہٖ لِاَنَّہٗ مِمَّا اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ تَعَالٰی، قَالَ الرَّافِعِیُّ ھٰذَا اِنَّمَا یَذْبَحُوْنَہٗ اسْتِبْشَارًا بِقُدُوْمِہٖ فَھُوَ کَذَبْحِ الْعَقِیْقَۃِ لِوِلَادَۃِ الْمَوْلُوْدِ وَمِثْلُ ھٰذَا لَا یُوْجِبُ التَّحْرِیْمَ۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔ نووی حاشیہ مسلم شریف جلد دوم ص۱۶۱

ترجمہ: اور ذبح لغیر اللہ سے مراد یہ ہے کہ غیر اللہ کے نام پر کوئی ذبح کرے جیسے کسی نے

بت یا صلیب کے لیے ذبح کر دیا یا موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کے لیے یا کعبہ وغیرہ کے لیے ذبح کر دیا تو سب حرام ہے اور یہ ذبیحہ حلال نہیں، برابر ہے کہ ذبح کرنے والا مسلمان ہو یا یہودی یا عیسائی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اسکی تصریح فرمائی ہے اور ہمارے اصحاب نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ اگر اس ذبح لغیر اللہ کے ساتھ اس غیر اللہ کی تعظیم اور عبادت بھی مقصود ہو تو یہ کفر ہو گا لہٰذا اگر ذبح کرنے والا پہلے مسلمان تھا تو اس ذبح کے بعد مرتد ہو جائے گا اور شیخ ابراہیم مروزی نے جو ہمارے اصحاب سے ہیں ذکر فرمایا کہ سلطان کے استقبال کے وقت اس کی طرف تقرب حاصل کرنے کے لیے ذبح کئے جاتے ہیں۔ امام رافعی نے فرمایا کہ یہ جانور، لوگ امیر کے آنے کی خوشی میں ذبح کرتے ہیں تو وہ بچہ پیدا ہونے کے وقت عقیقہ کے ذبح کی طرح ہیں اور ایسا ذبح حرمت کو واضح نہیں کرتا۔

اس طویل عبارت سے امام نووی نے یہ بتادیا کہ دما اهل به لغير الله سے مراد غیر اللہ کے نام سے ذبح کرنا ہے اور یہی مرادی معنی ہے۔ وَمَا اهل به لغير الله کے اور یہی معنی مرادی حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں بھی ہے۔ جس کا ذکر ہو چکا ہے۔ اور حدیث سے بھی غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنا مراد ہے۔ جناب سید انور شاہ صاحب کشمیری نے بھی اس کی تائید کی ہے۔

جس کا صرف ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔ یعنی (بہ نیت عبادت) کسی جانور پر غیر اللہ کا نام بلند کرنا اگرچہ (فی نفسہ) فعل حرام ہے، لیکن جس جانور پر نام بلند کیا جائے وہ حلال ہے اگر شرائط کے ساتھ ذبح کیا ہوا سی طرح دراصل وہ چڑھاوا بھی جائز ہے جس سے بتوں کا تقرب حاصل کیا جائے اور سائبہ وغیرہ جانور (جو بتوں کے نام پر چھوڑے جاتے ہیں) تو ان میں صرف اتنا کلام ہے کہ تقرب للاوثان کے بعد وہ اپنے مالک کی ملک سے نکل جاتے ہیں یا نہیں، تو اس کے لیے فقہ کی طرف رجوع کرنا چاہیئے یعنی بعض فقہا کے نزدیک وہ مالک کی ملک میں نہیں رہتے۔ اس لئے انہیں اللہ کے نام پر ذبح کر دیا جائے تو ان کا کھانا جائز ہے۔ ورنہ اس کا جواز مالک کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ شاہ صاحب کی عبارت سے معلوم ہوا کہ جو جانور غیر اللہ کے نام سے مشہور ہو جائے تو اُسے اگر شرائط ذبح کے ساتھ ذبح کیا جائے تو وہ جانور حلال ہو گا۔ اور ایسے ہی

بتوں کا چڑھاوہ بھی جائز ہوگا۔ اس سے واضح ہوگیا کہ بتوں کا چڑھاوہ اگر شاہ صاحب کے ہاں جائز ہے تو گیارہویں شریف تو بغیر کسی شک وشبہ کے حلال وجائز ہوگیا ہے۔

فتاویٰ عزیزیہ جلد اوّل صفحہ ۸، مطبوعہ دیو بند میں ہے۔ طعامیکہ ثواب آں نیاز حضرت امامین نمایند و برآں فاتحہ وقل و درود خوانند تبرک مے شود و خوردن بسیار خوب است۔

یعنی وہ کھانا جس کا ثواب حسنین کریمین کو پہنچایا جائے اور اس پر فاتحہ قل شریف اور درود شریف پڑھا جائے وہ تبرک ہو جاتا ہے اور اس کا کھانا بہت اچھا ہے اگر مالیدہ اور دودھ کسی بزرگ کی فاتحہ کے لیے ان کی روح کو ثواب پہنچانے کے ارادے سے پکا کر کھلائیں تو کچھ مضائقہ نہیں جائز ہے

اگر کسی بزرگ کے نام فاتحہ دی گئی تو مالداروں کو بھی اس میں سے کھانا جائز ہے۔

فتاوی عزیزیہ ص۵۰ شاہ اسماعیل دھلوی کتاب صراطِ مستقیم ص۵۵ پر ہے۔

پس درخوبی ایں قدر امراز امور مرسومہ فاتحہ با واعراس ونذر و نیاز اموات شک وشبہ نیست پس اس قدر مروج امور فاتحہ، عرس نذر ونیاز مردوں کے لیے دینا اس کی خوبی واچھائی میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہے۔

طریقہ فاتحہ خوانی

مزید کہا۔ طالب کو چاہیے کہ وضو کرے اور نماز کے طریقہ پر دو زانو ہو کر بیٹھے اور اس طریقہ کے اکابر یعنی حضرت خواجہ معین الدین سنجری اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی وغیرہما کے نام کی فاتحہ پڑھے اور پھر درگاہِ الٰہی میں ان بزرگوں کے وسیلہ سے التجا کرے اور انتہائی عجز و نیاز اور کمال تضرع وزاری کے ساتھ اپنے حل مشکل کی دعا کر کے دو ضربی ذکر شروع کرے۔

اس عبارت سے فاتحہ خوانی اور نیاز وعرس اور محفلِ ذکر کی خوبی پر تائید ہوگئی۔

ہم بھی نیاز اور فاتحہ اور چند سورتوں اور درود شریف پڑھ کر ان سب کا ثواب بزرگانِ دین اور اپنے رشتہ داروں اور تمام امت مسلمہ کے مردوں، عورتوں، چھوٹوں، بڑوں کی ارواح کے لیے ایصالِ ثواب کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر کارِ خیر اور امرِ مستحسن کے کرنے کی توفیق ہر مسلمان

کو عنایت کرے آمین

میں نے علمائے کرام کی تحقیقات سے خوشہ چینی کی ہے اور کچھ مباحث و جوابات خداداد بصیرت سے شامل کی ہیں امید ہے کہ کہیں غفلت ہوئی ہو تو یاددھانی سے نوازیں اور قبولیت و بخشش کے لیے دربارِ خداوندی سے امیدوار ہوں۔ تمت بالخیر

خادم اہلسنت وجماعت مفتی محمد گل رحمٰن قادری برمنگھم

مزید تحقیق کے لیے مندرجہ ذیل کتابیں ملاحظہ کریں

۱۔ إعلاءُ كلمةِ اللهِ فِي بيانِ وَمَا أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللهِ

تصنیف لطیف حضرت جامع شریعت و طریقت

محققِ اہلسنت پیر سید مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۲۔ اہم دینی علمی تحقیقی مقالات کاظمی حصہ دوم

از غزالی زماں شیخ الحدیث

علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی رحمۃ اللہ علیہ

۳۔ توضیح البیان از شیخ الحدیث علامہ غلام رسول صاحب سعیدی

وغیرہ کُتبِ اہلسنت وجماعت قابلِ دید ہیں

مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ کی مطبوعات

کتاب	قیمت
آداب شب عروسی	۹/-
اسلامی عقائد	٦۰/-
اسلامی نظام جامع عبادت وسیاست	۱۵/-
امام احمد رضا اپنوں اور غیروں کی نظر میں	۷/۵۰
امتیاز حق	۳۹/-
ایذان الاجر	۹/-
ایصال ثواب (الجنۃ الفائحہ)	۹/-
تاریخ نتاولیاں	۱۸/-
تذکرہ اکابر اہلسنت	
خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس	
خطبات رضویہ	۹/-
دعا بعد از نماز جنازہ	۹/-
دو اہم فتوے	۱۸/-
الدولۃ المکیہ (انگلش)	۳٦/-
زندۂ جاوید خوشبوئیں	
شفاعت مصطفیٰ (تحقیق الفتویٰ)	۱۲۰/-
لیمینیشن	۱۰۰/-
عظمت مصطفیٰ	
العلامہ فضل حق الخیر آبادی (عربی)	۱۵۰/-
گستاخ رسول کی شرعی حیثیت	۷۵/-
المعجزہ وکرامات الاولیاء (عربی)	۱۵/-
معمولات اہل سنت	۲۰۰/-
مقالات سیرت طیبہ	۹۰/-
مدینۃ العلم (عربی)	۱۸/-
مزارات اولیاء	۱۵/-
من عقائد اھل السنۃ (عربی)	۲۰۰/-
نغمہ توحید	۲۱/-
یاد اعلیٰ حضرت	۱۸/-
درسی کتب	
انتخاب	۳۲/-
اہمیت علم تجوید	۷/۵۰
بدائع منظوم	۱۵/-
تحفہ نصائح	۲۷/-
پندنامہ	۱۵/-
صرف بہترال	۲۷/-
علم التجوید	۱۵/-
العقد النامی	۱۲۰/-
فارسی قاعدہ	۹/-
قانونچہ کھیوالی	۲۱/-
کریما سعدی	۵/۲۵
المقدمہ الجزریہ	
توضیح قاری غلام رسول	۱۲/-
المقدمہ الجزریہ (مترجم) مع تحفۃ الاطفال	٦/-
المرقاۃ (عربی حاشیہ)	۳۰/-
میزان الصرف مع منشعب	۱۵/-
نام حق	٦/-
نحو میر	۳۰/-
نور الایضاح (مجلد)	۱۳۵/-
(غیر مجلد)	۱۰۰/-

ہمارے پاس اسلامی لٹریچر، تنظیم المدارس کے مطابق طلباء اور طالبات کا نصاب، بریلی شریف کی پانچ اور چوبیس نقوش والی انگوٹھیاں، تعویذات، نعتوں اور علماء اہل سنت کی باغ وبہار تقریروں کی کیسٹیں دستیاب ہیں۔ خود تشریف لائیں یا بذریعہ ڈاک طلب کریں۔

۱۱۱٦/

مکتبہ قادریہ، دربار مارکیٹ لاہور

معمولات اہل سنت

میلاد شریف، ایصال ثواب اور سنت و بدعت
کے عنوانات پر فاضلانہ تحریر

تصنیف

علامہ مفتی محمد گل رحمٰن قادری

مکتبہ قادریہ لاہور